گھروں میں ایک فون نمبر کے ساتھ متعدد ایکس ٹینشن منسلک ہوں تب بھی ہولڈ کرنے کے دوران میں موسیقی سننے یا سنانے کی کوئی سہولت نہیں ہوتی۔ وہ یقینی طور پر ٹیلی فون کا کوئی مختصر ایکس چینج یا بورڈ تھا جس کے ذریعے وہ مجھے ہولڈ پر رکھ کر رینا کو تلاش کر رہی تھی۔

خاصے طویل انتظار کے بعد اچانک موسیقی کی آواز غائب ہوگئی اور رینا لائن پر آگئی "مجھے معلوم تھا کہ بے چین ہو کر تم مجھے ضرور فون کرو گے۔" کھلکھلاتی ہوئی ہنسی کے درمیان اس کی زندگی سے بھرپور آواز سنائی دی "اس وقت تم کہاں ہو؟"

"میں اپنے ہوٹل کے سوا اور کہاں ہو سکتا ہوں۔ تم نے وعدہ کیا تھا کہ جلد از جلد مجھے فون کرو گی۔" میں نے شکوا کیا۔

"وعدہ ضرور کیا تھا مگر انکل بہت مصروف آدمی ہیں۔ ابھی تک میں ان سے ملاقات کا وقت لینے میں کامیاب نہیں ہو سکی اسی لیے میں نے تمہیں فون نہیں کیا۔"

اس کے جواب میں میرے ایک سوال کا جواب مضمر تھا۔ انل بسواس کو مجھ سے ملنے کی عجلت نہیں تھی۔ اس سے صاف ظاہر تھا کہ مجھے ڈینی نہیں سمجھا جا رہا تھا۔ انہیں میری اصلیت کی بھنک مل گئی ہوتی تو انل بسواس اپنی ساری مصروفیات ترک کر کے مجھے ملاقات کے لیے طلب کر لیتا۔

وہ رینا سے رابطے کا پہلا فائدہ تھا۔ اس سے ملے اور بات کیے بغیر کچھ بھی سامنے نہیں آسکتا تھا۔

"اپنے انکل کو چھوڑو۔" میں نے برجستہ کہا "اگر وہ مصروف آدمی ہیں تو مجھے بھی ان سے ملاقات کی اتنی زیادہ خواہش نہیں ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ میرا روزگار میری ضروریات پوری کر رہا ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم مجھ سے کب مل رہی ہو۔" غزالہ بہت سمجھ دار تھی، مجھے کھلی گفتگو کا موقع دینے کی خاطر کمرے سے باہر جا چکی تھی۔

رینا کی کھنکتی ہوئی ہنسی سنائی دی "معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تمہاری گرل فرینڈ تمہارے سر پر مسلط نہیں ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ تم اس دھان پان لڑکی سے بہت ڈرتے ہو۔ اس کی دل جوئی کی خاطر کل رات تم نے میرے ساتھ کھانا کھانے کی پیش کش ٹھکرا دی تھی۔"

"میں اسے پاکستان سے اپنے ساتھ لایا ہوں۔ اس پر میرا کوئی زور ہے نہ اس سے کوئی رشتہ ہے۔ مجھے اس کا دھیان رکھنا پڑتا ہے۔ تم کو میری اس مجبوری کا اندازہ ہونا چاہیے۔ پردیس میں گرل فرینڈ کی ناراضی خاصی مہنگی پڑ سکتی ہے۔ تفریح کا سارا لطف غارت ہو جائے گا۔"

"مجھے اپنے باپ کا ڈر نہ ہوتا تو میں تمہیں مشورہ دیتی کہ اسے ناراض کر کے بھیج دو۔ میں تمام تفریحات میں تمہارا ساتھ دوں گی۔" وہ اپنے باپ اور گھرانے کے بارے میں گھڑی ہوئی مفروضہ کہانی پر مضبوطی سے قائم تھی۔ باتوں کی روانی میں یہ نہیں بھولی تھی کہ اس نے مجھے اپنے بارے میں کیا بتایا ہوا تھا۔

وہ باپ سے ڈرنے کا بہانہ کر رہی تھی۔ میں نے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا "تم وعدہ کرو تو میں کل ہی اسے لوٹا دوں۔"

"اب تم تھوڑے تھوڑے کھل رہے ہو۔ دراصل جو چیز آسانی سے ہاتھ آجائے، آدمی اس کی قدر نہیں کرتا۔ میرے لوٹ آنے کے بعد تم ایسے بے چین ہو رہے ہو کہ مجھے فون کر بیٹھے۔ میں نے تم سے رابطہ کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں کیا تھا۔"

"مجھے گزری ہوئی باتوں کا طعنہ نہ دو۔ آگے کے بارے میں بتاؤ کہ تم سے کب ملاقات ہوگی؟"

"میں نے تمہارا نام انکل تک پہنچا دیا ہے۔ جب فرصت ہوئی، وہ وقت دے دیں گے۔" اس بار رینا کی آواز سے سنجیدگی مترشح تھی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "ان سے ملوانے سے پہلے تمہاری تھوڑی سی بریفنگ ضروری ہے۔ اس کے لیے میں خود بھی تم سے ملنے کا ارادہ کر چکی تھی۔"

"لیکن تم نے اس بارے میں پہل نہیں کی۔ تنگ آکر مجھے فون کرنا پڑا۔" میں نے شکوا کیا۔

"تم بھی بہت بے صبرے ہو۔ شاید دنیا کے سارے ہی مرد ایسے ہوتے ہیں۔ کل شام سات بجے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔"

اس کی پیش کش نے مجھے الجھن میں ڈال دیا۔ اگلے دن کا وہی وقت اول خان سے طے ہو چکا تھا۔ اس کی فون کال آنے پر مجھے اس سے کچھ اہم باتیں کرنی تھیں لیکن وہ گھر کا آدمی تھا۔ اس کے بارے میں، میں غزالہ کو بھی سمجھا سکتا تھا۔ اس کے مقابلے میں رینا زیادہ اہم تھی۔ میری کسی ٹال مٹول سے میری عاشقانہ اداکاری میں جھول پیدا ہو سکتا تھا۔ میں نے چند ثانیوں میں فیصلہ کر کے مسرت سے کہا "نیک خیال ہے، یہ بتاؤ کہ تم کہاں ملو گی؟"

"میں بتا چکی ہوں کہ مجھے تمہاری بریفنگ کرنی ہے۔ اِدھر اُدھر وقت ضائع کرنے کے بجائے تم کوئی الگ کمرا لے لو۔ اسی نمبر پر فون کر کے کمرے کا نمبر دے دینا۔ میں موجود نہ ہوئی، تب بھی مجھے تمہارا پیغام مل جائے گا۔ میں سات بجے

Downloaded from https://paksociety.com

تمہارے پاس پہنچ جاؤں گی۔"

پچھلی شام وہ مجھ پر جال ڈالنے کے ارادے سے آئی تھی اس لیے اس نے اپنی کمرہ کے پیسے خرچ کرکے ہوٹل میں کمرالیا تھا۔ اگلی رات کا وہ سارا خرچ اس نے بہت ہوشیاری اور عیاری سے میرے سر ڈال دیا تھا۔ میری دانست میں پھر بھی وہ سودا مہنگا نہیں تھا۔

اس نے جو کچھ کہا تھا' اس سے مجھے ایک نیا نکتہ سوجھ گیا جس سے میں نے فوراً ہی فائدہ اٹھانے کے ارادے سے کہا "سچ پوچھو تو یہ میرا دوسرا فون ہے۔ دوپہر کو میں نے رنگ کیا تو کسی نے کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کا نام لیا اور میں نے بوکھلا کر فون بند کردیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ دہلی میں فون پر غلط نمبر بھی مل جاتے ہیں۔"

"اوہ!" یوں محسوس ہوا جیسے میرے انکشاف نے اسے چونکا دیا ہو۔ اس نے تیزی سے پوچھا "تم نے کس وقت فون کیا تھا؟ وہ آواز کیسی تھی؟"

میرا دل خوش ہوگیا کہ میں نے اچانک ہی اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ ڈال دیا تھا۔ میں نے وفاتر وغیرہ میں ہونے والے کھانے کے وقفوں کا اندازہ لگا کر بے پروائی سے جواب دیا "ڈیڑھ دو بجے کا وقت تھا۔ آواز نسوانی تھی مگر وہ نہیں تھی جو ابھی تم سے پہلے سنائی دی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے گھر میں نوکروں کی خاصی فوج پل رہی ہے۔"

"اگر تم مجھے صحیح وقت اور آواز کے بارے میں کوئی خاص بات بتا سکو تو میں دیکھوں گی کہ وہ حرکت کس کی تھی۔" میری شکایت پر وہ شاید فکرمند ہوگئی تھی "یہاں سے فون اٹھانے والوں کو سختی سے ہدایت ہے کہ وہ کچھ بتانے میں پہل نہ کریں۔ یہ معلوم کریں کہ فون کرنے والا کیا چاہتا ہے۔"

"عجیب بات ہے۔" میں نے اس کے آخری فقروں پر تبصرہ کیا پھر کہا "میں جھوٹ نہیں بولتا۔ صحیح وقت نہیں دیکھا تھا۔ بس اندازہ ہے کہ ڈیڑھ دو بجے کا عمل ہوگا۔ خاص بات یہ تھی کہ وہ آواز تمہاری آواز کی طرح رسیلی اور لوچ دار نہیں تھی۔"

"اسے بھول جاؤ۔ دہلی میں غلط نمبر نہیں ملتے جو بھی فون اٹھائے' تم اسے کمرے کا نمبر دے دینا۔ میں پہنچ جاؤں گی۔"

"تم نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔ تمہارے گھر سے کوئی کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کا نام کیوں لے گا؟ یہ چکر کیا ہے۔"

"میں نے کہا نا کہ اسے بھول جاؤ۔" رینا کی آواز دھیمی اور سخت ہوگئی۔ جیسے وہ میری جرح سے خوف زدہ ہوگئی ہو "کل ملوں گی تو تمہیں بتادوں گی۔"

اس نے مجھے ٹال کر اپنی جان چھڑانے کی کوشش کی تھی مگر میں نے اس کا وہ وعدہ گرہ میں باندھ لیا — وہ رینا کی کوئی بڑی کمزوری تھی۔ اس کے اسباب گوپال کے ذریعے میرے علم میں آچکے تھے۔ میں موقع محل کی مناسبت سے وہ موضوع دوبارہ چھیڑ کر رینا سے کچھ نہ کچھ اگلوا سکتا تھا۔

"تم کہتی ہو تو فی الحال بھول جاتا ہوں۔ کل شام سات بجے' میرے ہوٹل میں؟" میں نے تائید طلب انداز میں کہا۔

"ہاں بابا' ہاں!" اس نے عجلت میں جواب دیا اور فون بند کردیا۔

مجھے اپنے وجود میں آسودگی کی لہریں سی سرایت کرتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ تھوڑی دیر پہلے ذہنی اضمحلال اور اعصابی تناؤ کی جو کیفیات طاری تھیں' وہ رینا سے بات کرنے کے بعد اچانک دور ہوگئی تھیں۔ غزالہ کا مشورہ تیر بہ ہدف ثابت ہوا تھا۔

چند منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ فون کی گھنٹی گنگنا اٹھی۔ میں سوچ میں پڑ گیا۔ گوپال سے تھوڑی دیر قبل میری بات ہوچکی تھی۔ ویرا کا فون بھی آگیا تھا۔ اول خان کو اگلی شام فون کرنا تھا پھر وہ کون ہوسکتا تھا جو مجھ سے بات کرنے کا خواہاں تھا۔ میں سوچتا رہ گیا اور گھنٹی دوبارہ بج اٹھی۔ وہ جو کوئی بھی تھا' فون سننا ضروری تھا۔ میں نے لپک کر ریسیور اٹھایا اور ماؤتھ پیس میں ہیلو ہیلو کرتا رہ گیا لیکن لائن اس سے پہلے بے جان ہوچکی تھی۔

اس نامعلوم فون کال نے مجھے پریشان کردیا۔ غزالہ باہر نکلی ہوئی تھی۔ مجھے فکر ہونے لگی کہ ہوٹل میں اس کا اکیلے گھومنا مناسب نہیں تھا۔

چند منٹ بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے دروازہ کھولا تو غزالہ کا شگفتہ چہرہ نظر آیا۔

"ویری گڈ!" اس نے کمرے میں گھستے ہی شگفتہ لہجے میں کہا "رینا سے بات کرنے کے بعد آپ کے چہرے پر رونق اور تازگی نظر آرہی ہے۔"

"فون پر بات شروع ہوتے ہی تم کہاں نکل گئی تھیں؟" میں نے خفگی سے پوچھا۔

"مجھے اچانک خیال آیا تھا کہ میری موجودگی میں آپ اس سے بے تکلفی سے بات نہیں کرسکیں گے' میں باہر چلی گئی۔ میں ایسے معاملات کے نشیب و فراز کو سمجھتی ہوں۔ آپ بلاوجہ مجھ پر آنکھیں نکال رہے ہیں۔" اس نے مجھ سے نظریں ملا کر شوخی سے کہا "کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟"

Downloaded from https://paksociety.com

"تم غلط کیسے کہہ سکتی ہو۔ ہر عورت افلاطون کی خالہ ہوتی ہے۔ تم یہاں ہوتیں تو میں ایک الجھن سے بچ جاتا۔"

"کیا اتنی سی دیر میں کوئی نئی الجھن پیدا ہوگئی؟" میری تشویش دیکھ کر وہ پریشان ہوگئی۔

"نہ جانے کس کا فون آیا تھا۔ میں سوچتا رہ گیا۔ دوسری گھنٹی کے بعد فون بند کردیا گیا۔"

وہ بے ساختہ ہنس پڑی "آپ بلاوجہ بہت زیادہ سوچنے لگے ہیں۔ وہ میری کال تھی۔ دو گھنٹیاں بجنے کے بعد میں نے انٹرکام بند کیا اور اوپر آگئی۔"

"اس حماقت کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے برا سا منہ بنا کر پوچھا۔

"میں دیکھنا چاہ رہی تھی کہ آپ کا اور رینا کا مذاکرہ جاری ہے یا ختم ہوگیا۔ گھنٹیاں بجنے کا مطلب تھا کہ فون خالی تھا اور آپ قریب نہیں تھے۔ میں اوپر آگئی۔ انٹرکام پر فون مصروف ملتا تو میں مزید کچھ دیر شاپنگ آرکیڈ کی سیر کرتی رہتی۔"

میں کھسیائے ہوئے انداز میں مسکرا کر رہ گیا۔ دہلی کی آب وہوا غزالہ کو راس آئی تھی اور اس کی عقل تیزی دکھانے لگی تھی۔

"وہ اپنے غائب ہونے کے بارے میں کیا کہانی سنا رہی تھی؟" غزالہ نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ وہ کل شام ہی تو ملی تھی۔ میری بے چینی کا مضحکہ اڑا رہی تھی۔"

"پتا نہیں آپ کیوں اس کے فون کی آس لگائے بیٹھے تھے۔ میں نے آپ کی مایوسی کو دیکھتے ہوئے اسے کال کرنے کا مشورہ دیا تھا اور میں یہ دیکھ کر خوش ہوں کہ اب آپ کے چہرے پر ذہنی دباؤ کے اثرات نہیں ہیں۔"

"وہ کل شام دوبارہ ملے گی۔ اس نے دو باتیں صاف کردی ہیں۔ انل بسواس کو مجھ سے ملاقات کی عجلت نہیں اور کلاسیکل ڈانس اکیڈمی میں واقعی کوئی گھپلا ہے۔ میری زبان سے اکیڈمی کا ذکر سن کر وہ پریشان ہوگئی تھی۔"

"اگر وہ آپ کو پہچاننے میں کامیاب نہیں ہوسکے ہیں تو پھر رینا کو آپ کی طرف کیوں بھیجا گیا ہے؟"

"مجھے اس سے پوچھنا یاد نہیں رہا۔ کل ضرور دریافت کروں گا۔"

"آپ پھر پڑ گئے۔ میں صرف یہ معلوم کرنا چاہ رہی تھی کہ اس بارے میں آپ نے کیا اندازہ لگایا ہے۔"

"ایک وقت میں ہر بات معلوم نہیں ہوسکتی تھی۔ یہی کافی ہے کہ چند باتیں صاف ہونے کے ساتھ اس سے اگلی ملاقات کا وقت طے ہوگیا۔ آج کی باتوں کی روشنی میں، میں کل اس کا سارا اعتماد متزلزل کردوں گا اور وہ بہت کچھ اگلنے پر مجبور ہوجائے گی۔" میں نے پورے یقین سے جواب دیا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ انٹرکام والی الجھن کے باوجود آپ اپنی حکمت عملی پر غور کرچکے ہیں۔" غزالہ نے تائید طلب انداز میں میری طرف دیکھا۔

"وہ انل بسواس کو میرے بارے میں بتا کر پھنس چکی ہے۔ کل میں اس سے ملاقات سے صاف انکار کردوں گا۔ اس کے پیروں تلے سے زمین نکل جائے گی۔"

"آپ کے انکار سے رینا کی صحت پر کیا اثر پڑے گا؟" وہ بات غزالہ کی سمجھ میں نہیں آسکی۔

"وہ انل بسواس کے دیے ہوئے وقت پر مجھے اس تک نہ لے جاسکی تو اپنی تنظیم میں اس کی پوزیشن خراب ہوجائے گی۔"

"خود کو بچانے کے لیے وہ اپنے بڑوں کو سب کچھ بتادے گی اور وہ آپ کے پیچھے پڑجائیں گے۔"

"تم بہت بھولی ہو۔ یہ بات میں بھی جانتا ہوں۔ میں خود انل بسواس کا دیدار بلکہ دیدانت کرنا چاہتا ہوں۔ انکار کرکے میں رینا پر دباؤ ڈالوں گا۔ یہ افتاد اسے پریشان کردے گی۔ اس سے آگے جو کچھ ہونا ہے، اس کا انحصار رینا کے ردِعمل پر ہوگا۔"

شاید اس گفتگو سے غزالہ کے ذہن میں ایک خاکہ بننا شروع ہوگیا تھا۔ وہ گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ درمیان میں وہ چونک کر گاہے گاہے سوالات کرتی رہی اور میں جواب دیتا رہا۔ مجھے خوشی ہورہی تھی کہ وہ بہت تیزی کے ساتھ سوچنے کی عادت کو اپنا رہی تھی۔

وہ دن اضطراب میں گزرا تھا لیکن رات بہت سکون سے کٹ گئی۔

اگلی صبح کے اخبارات کے پہلے صفحات پر انسپکٹر ڈیوڈ کے بارے میں کوئی خبر نہیں تھی۔ ہوٹل کی طرف سے مہمانوں کو دو اخبارات فراہم کیے جاتے تھے۔ ان کی ورق گردانی سے پتا چلا کہ شہر کی خبروں میں ڈیوڈ کے قتل کو نمایاں مقام دیا گیا تھا۔ میں نے خبر کے ذیل میں دونوں اخباروں کا متن بہت غور اور باریک بینی سے پڑھ ڈالا مگر کہیں بھی ایسا کوئی مواد نظر نہیں آیا جس سے یہ گمان ہوتا کہ ڈیوڈ کے قتل کو دہشت گردوں کے سر منڈھنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کسی سانپ سے حاصل کیے

Downloaded from https://paksociety.com

ہوئے سریع الاثر زہر کے استعمال کی کہانی سنا رہی تھی۔ رپورٹ کے مطابق وہ زہر متوفی کے داہنے رخسار کی جلد میں کسی سرنج وغیرہ کے ذریعے اتارا گیا تھا۔ زہر کے اثر سے لاش بہت جلد اکڑ کر نیلی ہوگئی تھی۔

گاڑی اور لاش کی حالت کے ساتھ جائے واردات نے پولیس والوں کو گمراہ کرنے میں اہم کردار ادا کیے تھے۔ وہ ایسی جگہ نہیں تھی جہاں متوفی کو کسی ضرورت کے تحت گاڑی روکنی پڑتی۔ لاش اور گاڑی کی حالت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ڈیوڈ کو دوڑتی ہوئی کار میں نشانہ نہیں بنایا گیا تھا بلکہ کھڑی ہوئی گاڑی میں اتنی تیزی سے زہر دے کر مارا گیا تھا کہ اسے مزاحمت کرنے یا ڈرائیونگ سیٹ سے ہلنے جلنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ یہ شواہد نشان دہی کر رہے تھے کہ قاتل ایسا شخص تھا جسے ڈیوڈ جانتا۔۔۔۔ تھا اور کسی حد تک اس پر اعتماد کرتا تھا۔ اس نے قاتل کو پہچان کر اس ویران سڑک پر گاڑی روکی اور وہ نامعلوم شخص ڈیوڈ کو ڈارٹ یا سرنج کے ذریعے شکار کر کے جھاڑیوں میں روپوش ہوگیا۔ اس نظریے کی روشنی میں شہر سے تین مشتبہ افراد کو حراست میں لے لیا گیا تھا جن سے بازپرس کی جا رہی تھی۔

میرے نزدیک وہ اخباری خبریں نہیں بلکہ ویرا کے بے داغ کارنامے کے تفصیلی اشتہار تھے جو مجھے چڑانے کے لیے اخبار کی زینت بن گئے تھے۔ اس وقت تک مجھے واردات میں رابرٹو یلینی کی شرکت اور منصوبہ بندی کے بارے میں کوئی بھنک نہیں ملی تھی۔ میں دل ہی دل میں ویرا کی ہمت، جرأت اور شفاف منصوبہ بندی کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ اپنے اقدام کے بارے میں اس کا اعتماد بے جا نہیں تھا۔

ان خبروں کا خطرناک پہلو یہ تھا کہ ویرا کا حوصلہ بڑھ جاتا۔ امریکیوں سے گٹھ جوڑ کی بنا پر وہ بھارتیوں سے بھی نفرت کرتی تھی۔ اگر اسے امریکی سی آئی اے کے جان ممتھ تک پہنچنے میں کوئی دشواری محسوس ہوتی تو وہ بھارتیوں کی صفوں میں دہشت پھیلانے کے لیے کوئی بھی قدم اٹھا سکتی تھی۔

اسلام آباد اور کراچی میں ہونے والے پراسرار بم دھماکوں پر اس کا ردِعمل بہت نفرت آمیز تھا۔ وہ بھارتیوں اور امریکیوں سے ایسی جگہ ان واقعات کا بدلہ لینا چاہتی تھی جہاں وہ کوئی جواب نہ دے سکیں۔ اس ضمن میں ویرا کے لیے دہلی سب سے زیادہ سازگار شہر تھا جہاں کی پولیس اپنے ایک پرانے افسر کے قتل کے صحیح اسباب کا کھوج لگانے میں بری طرح ناکام نظر آ رہی تھی۔

پولیس والے اپنی دانست میں صحیح سمت میں کام کر رہے تھے۔ ان کی بدترین غلطی کا بہترین اندازہ صرف ویرا کو تھا۔ اس کے سر پر منڈلاتے ہوئے خطرات بظاہر ٹل گئے تھے۔ مجھے یہ اطمینان تھا کہ دہلی میں ویرا کو کسی بھی قسم کے وسائل میسر نہیں تھے جن سے فائدہ اٹھا کر وہ اپنے انتقامی جذبے کی تسکین کے لیے شہر میں کوئی کارروائی کرتی۔ ایسے کسی اقدام کی تیاری کے لیے اسے وقت درکار تھا جو میری اور رینا کی متوقع ملاقات کے نتیجے میں کم ہوتا ہوا نظر آ رہا تھا۔

میں سنجیدگی سے یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ انل بسواس کو کیفرِ کردار تک پہنچاتے ہی میں کراچی کی طرف سفر شروع کر دوں گا۔ دہلی میں مامور ایجنٹوں کی تربیت وغیرہ کے بارے میں جلال نے بڑی حوصلہ افزا باتیں کی تھیں جو لاہور کے ایک پرسکون کمرے میں بہت خوش آئند محسوس ہو رہی تھیں لیکن آئی بی کے ایجنٹوں کے عدم تشدد کے بنیادی فلسفے کو تبدیل کرنا مجھے اپنے بس سے باہر نظر آ رہا تھا۔

وہ تینوں ہر قسم کی کارروائیوں میں میرا ساتھ ضرور دے سکتے تھے لیکن از خود کسی کشت وخون میں ملوث ہونا ان کے مزاجوں کے خلاف تھا۔ اس کا تازہ ترین ثبوت عابد علی عرف گوپال کا وہ اشتباہ آمیز رویہ تھا جو اس نے ڈیوڈ کے قتل کے بعد ٹرانسمیٹر پر گفتگو کے دوران میں اختیار کیا تھا۔ اگر وہ خون ہم میں سے کسی نے بہایا تھا تو گوپال کے نزدیک وہ ایک قابل نفرین اور غیر ضروری اقدام تھا۔

وہ خبر سن کر ابتدا میں، میں خود بھی بھڑکا تھا۔ جب ویرا نے فون پر بتایا کہ اس نے انسپکٹر ڈیوڈ کو مار دیا ہے تو میں مضطرب ہوگیا تھا۔ اس اضطراب میں ڈیوڈ سے ہمدردی کا کوئی شائبہ تک نہیں تھا۔ مجھے فکر صرف اس بات کی تھی کہ ویرا نے ایک غیر ضروری اور سنگین خطرہ مول لیا تھا جو اس کے لیے جان لیوا ثابت ہو سکتا تھا۔ کھیل میں اگر فتح حاصل ہو تو میدان میں کیا جانے والا ہر فاؤل جائز قرار پاتا ہے۔ کھیل کے اس جدید اصول کے تحت میں نے دونوں اخبار پڑھنے کے بعد ویرا کے حوصلہ مندانہ اقدام کو تالاب میں پھینکے جانے والے پہلے کامیاب پتھر کے طور پر قبول کر لیا تھا۔

مجھے پورا یقین تھا کہ گوپال اور اس کے دونوں ساتھی اس مرحلے پر بھی مجھ سے متفق نہیں ہو سکتے تھے۔

وہ دن بھارتی سرزمین پر ویرا کی پہلی اور بھرپور کامیابی کی نوید بن کر طلوع ہوا تھا۔ مجھے اپنی کامیابی کے لیے وہ پورا دن گزار کر شام کے سرمئی دھندلکے کا انتظار کرنا تھا جب راکی رینا اجیت رائے اپنی ساری فتنہ سامانیوں کے ساتھ میری بریفنگ کے لیے ہوٹل کے کسی مخصوص خلوت کدے میں

Downloaded from https://paksociety.com

پہنچتی۔

دوپہر کو میں نے رینا سے مجوزہ ملاقات کے لیے دوسرا کمرا بک کرانے کی غرض سے ہوٹل کے کاؤنٹر سے رجوع کیا تو ایک نیا مسئلہ پیدا ہوگیا۔ میں غیر ملکی تھا۔ میرے لیے اپنی اکلوتی سفری شناخت کو تبدیل کرنا ممکن نہیں تھا۔ بکنگ کلرک نے میرے نام پر دوسرا کمرا بک کرنے سے معذرت کرلی کیونکہ ہوٹل کا ایک کمرا پہلے ہی میرے اور غزالہ کے مشترک استعمال میں تھا۔ ہوٹل کے ریکارڈ میں اس کا باقاعدہ اندراج موجود تھا۔

میری قومیت کچھ اور ہوتی تو ہوٹل والے اضافی آمدنی کا وہ موقع ہرگز ہاتھ سے نہ جانے دیتے اور کوئی نہ کوئی درمیانی راہ خود ہی تجویز کردیتے۔ میں نے محسوس کیا کہ دونوں ملکوں میں سیاسی سرد مہری اور محاذ آرائی کی وجہ سے پاکستانیوں کے بارے میں ہر جگہ محتاط اور سخت رویہ اختیار کیا جاتا ہے۔

میں نے ذرا سی دیر کے لیے سوچا کہ اس موقع سے فائدہ اٹھاکر اپنے سر کا بوجھ اتار پھینکوں۔ رینا کو فون پر اس پیچیدگی سے آگاہ کردوں۔ اس وقت تک یہ بات تقریباً پایہ ثبوت تک پہنچ چکی تھی کہ وہ راکی طرف سے سرکاری طور پر میرے پیچھے لگائی گئی تھی۔ اس بارے میں ہونے والے اخراجات بھی اسے راسے ادا کیے جارہے ہوں گے۔ شاید اس نے کمرے کا ایک رات کا کرایہ اپنی جیب میں ڈالنے کے لیے وہ ذمے داری میرے سر ڈال دی تھی مگر پھر مجھے ایک متبادل راہ سوجھ گئی۔

"اگر غزالہ سے میرا جھگڑا ہوجائے تو میں کیا کروں؟" میں نے اپنی کہنیاں چوبی کاؤنٹر پر ٹیک کر بکنگ کلرک سے سوال کیا۔

"جی سر! میں سمجھا نہیں۔" وہ میرے بے تکے سوال پر بوکھلا گیا۔ اس کی نظریں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"کمرا مظہر خان اور غزالہ کے نام پر ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے اسے سمجھانے کی کوشش کی "وہ دونوں میاں بیوی نہیں ہیں۔ اگر دونوں کے درمیان کوئی اختلاف ہوجائے اور مظہر خان اس کمرے سے نکلنا چاہے تو تم یہ بتاؤ کہ وہ کیا کرے؟ کہاں جائے؟"

"سر! یہ تو سیدھی سی بات ہے۔" کلرک نے مودب لہجے میں کہا "آپ پرانا کمرا مس غزالہ کے نام پر رہنے دیں۔ وہاں سے اپنی بکنگ منسوخ کرادیں اور اپنے نام پر الگ کمرا لے لیں۔ اختلافات ختم ہوجائیں تو پرانی بکنگ ہر وقت بحال ہوسکتی ہے۔"

"بس تو پھر تم یہی کرو۔ اس وقت میرے ساتھ یہی مسئلہ درپیش ہے۔" میں نے گہری مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"اوکے سر!" اس نے سٹپٹا کر کہا شاید وہ نادم تھا کہ اتنی معمولی سی بات پہلے اس کی سمجھ میں کیوں نہیں آئی۔ روا روی میں وہ ہم دونوں کو وہی سمجھ رہا تھا جو ہم حقیقت میں تھے۔ اس طرف دھیان نہیں دیا تھا کہ ہم آپس میں کیا بنے ہوئے تھے۔

اندراجات کرنے کے بعد اس نے ایک چابی منتخب کی اور پوچھا "سر! آپ کا سامان بھی نئے کمرے میں منتقل ہوگا؟"

"اسے وہیں رہنے دو۔ ہوسکتا ہے کہ صورتِ حال زیادہ دیر تک جاری نہ رہے۔ نیا کمرا مجھے ایک رات کے لیے درکار ہوگا۔"

"رقم ادا کرنے کے بعد میں نے رسید اور چابی لی۔ میں نے کمروں کا وہ ہیر پھیر اپنی ذات کے لیے نہیں بلکہ بھارتی خفیہ ایجنسی کے مقاصد کے حصول کے لیے کیا تھا۔ میں نے ڈنکے کی چوٹ پر اسی کاؤنٹر سے رینا یا کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف سے پہلے کی طرح میرا نام اور مقصد پوچھا گیا۔ میں نے رینا کے بارے میں دریافت کیا تو بتایا گیا کہ وہ موجود نہیں تھی۔ میں نے فون سننے والی کو اپنے نئے کمرے کا نمبر بتا کر فون بند کردیا۔

آدمی سیاحت کے موڈ میں ہو تو بڑے ہوٹلوں کا آزادانہ ماحول ہمیشہ پرکشش محسوس ہوتا ہے۔ میں کچھ دیر تک لابی اور کشادہ راہ داریوں میں ٹہلتا رہا۔ پھر لفٹ کے ذریعے نئے کمرے کی طرف گیا۔ ہوٹل کے تقریباً بیشتر کمرے یکساں، صاف ستھرے اور آراستہ تھے۔ جائزہ لینے کے بعد میں غزالہ کی طرف چل دیا۔

سات بجے رینا کو مجھ سے ملنا تھا۔ اسی وقت کراچی سے اول خان کا فون آنے کی توقع تھی۔ میں نے غزالہ کو سمجھانا شروع کردیا کہ اسے اول خان سے کن موضوعات پر کیا بات کرنی ضروری تھی۔ میں اسے باخبر ضرور رکھنا چاہتا تھا لیکن اس تک کسی پر تشویش خبر کی ترسیل مناسب نہیں سمجھتا تھا۔

ہمارے اردگرد پھیلے ہوئے شکوک و شبہات کے بیشتر سائے ڈھل چکے تھے۔ بس ایک مہیب سایہ بہت دراز تھا۔ مجھے توقع تھی کہ میں اس شام رینا سے یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہوجاؤں گا کہ وہ کن وجوہ کی بنا پر اور کس مقصد کے لیے ہمارے پیچھے لگائی گئی تھی۔

ہم دونوں کے پاس کوئی اور کام نہیں تھا۔ ہم سر جوڑے

Downloaded from https://paksociety.com

ان ہی معاملات پر مغززنی کرتے رہے۔ شام کی چائے سے فارغ ہونے کے بعد میں کچھ دیر تک سستاتا رہا پھر میں نے رینا سے ملاقات کی تیاری شروع کردی۔

غزالہ کو میں نے نئے کمرے کی بکنگ میں پیش آنے والی دشواری سے آگاہ کردیا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ اس نے سب کچھ سن لینے کے باوجود مجھ سے ایک بار بھی یہ نہیں پوچھا تھا کہ میں نے رینا کے لیے کس نمبر کا کمرا لیا تھا۔ میں نے بھی دانستہ نمبر نہیں بتایا۔ اپنے پچھلے تجربے کی روشنی میں میرا اندازہ تھا کہ رینا کی وہ ملاقات میری برائٹنگ تک محدود نہیں رہے گی۔ سرد جنگ کے ہر پیچ و خم سے گزرنے کے بعد اس ملاقات کے آخری لمحات قدرے ناشائستہ ہوسکتے تھے جن سے غزالہ کا بے خبر رہنا بہت ضروری تھا۔

پونے سات بجے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ میں نے نہایت خوش دلی سے دروازہ کھولا مگر یہ دیکھ کر میری پیشانی پر بل پڑ گئے کہ پھول دار بلاؤز اور جینز میں ملبوس رینا کے پیچھے ایک گراں ڈیل اور تند خو شخص ہلکا سا بریف کیس لیے کھڑا ہوا تھا۔

رینا کے ساتھ ایسے ترش رو شخص کی موجودگی میرے لیے اس قدر غیر متوقع تھی کہ مجھے اپنے معدے میں گرہیں سی پڑتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ میں رینا کو اندر آنے کا راستہ دینے کے بجائے درمیان میں جم کر کھڑا ہوگیا۔ میری کینہ توز نگاہیں اس شخص کے چہرے پر جم کر رہ گئی تھیں جو پیدائشی طور پر مسکرانے کی کسی بھی صلاحیت سے یکسر محروم نظر آرہا تھا۔ میں نے ذہنی طور پر خود کو اس سے کسی تصادم کے لیے تیار کرلیا تھا۔

رینا کے لیے میرا وہ ردِعمل شاید متوقع تھا۔ اس نے دھیمی آواز میں کہا "یہ ناگر ہیں۔ میرے ساتھ آئے ہیں۔ چند منٹ میں چلے جائیں گے۔ تم ہمیں اندر آنے کا راستہ کیوں نہیں دے رہے۔ ان سے تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

"تمہارے ساتھ کسی اجنبی کی آمد ہمارے پروگرام میں شامل نہیں تھی۔" میں نے احتجاج کیا۔

"تم ہمیں اندر آنے دو۔" رینا نے مجھے آنکھ ماری۔ اس کے چہرے پر التجا ہی التجا تھی۔ ناگر اس کی پشت پر تھا اس لیے رینا کے چہرے پر رونما ہونے والی وہ تبدیلیاں نہ دیکھ سکا "یہ ایک رسمی سے کام کے لیے آئے ہیں۔"

"پھر تم دونوں اندر آجاؤ۔ میں باہر چلا جاتا ہوں۔" میرے ذہن پر غصے اور خوف کی ملی جلی کیفیات طاری ہوچکی تھیں۔

میں نے کمرے سے باہر جانا چاہا لیکن رینا نے بے تابی سے میرا بازو تھام لیا۔ ناگر نے اپنی جگہ سے حرکت کی اور دو قدم آگے بڑھ آیا۔ اس کے بھاری بھرکم وجود نے میرے بڑھنے کی راہ مسدود کردی تھی۔ اسے دھکیلے بغیر میں اپنے ارادے کو عملی جامہ نہیں پہنا سکتا تھا۔

"مسٹر خان! اندر چلو!" ناگر کے ہونٹوں سے دھیمی مگر تحکم آمیز آواز برآمد ہوئی "میں ہنگامہ آرائی بالکل پسند نہیں کرتا۔"

"چلو چلو! ضد نہ کرو!" رینا نے انگلیوں سے میرے بازوؤں پر دباؤ ڈالتے ہوئے مجھے نرمی سے اندر دھکیلنے کی کوشش کی "غلطی میری ہے۔ میں مصروف نہ ہوتی تو تم کو فون پر بتادیتی کہ ناگر بھی تھوڑی دیر کے لیے میرے ساتھ آئیں گے۔ بلاوجہ تماشا نہ بناؤ۔"

اس وقت دو ہی راستے تھے۔ میں رینا کی بات مان لیتا یا ناگر پر ٹوٹ پڑتا۔ دوسری راہ ہر صورت میں نقصان دہ تھی۔ رینا نے کوئی بات نہیں اگلی تھی مگر میں اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ دونوں راکے ایجنٹ تھے۔ میرے بارے میں ان کے عزائم نیک نہیں ہوسکتے تھے۔ اس وقت ناگر سے اڑنے کی صورت میں صرف میرا نقصان ہوتا۔

"یہ زیادتی اور دھاندلی ہے۔" میں بڑبڑاتا ہوا کمرے میں ہولیا۔ میرے پیچھے وہ دونوں بھی اندر آگئے۔ میرے لیے وہ بہت سنگین لمحات تھے۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ ناگر کیا عزائم لے کر وہاں آیا تھا۔ میرا دوران خون بہت تیز ہوچکا تھا جس کی تپش میں اپنے کانوں میں محسوس کررہا تھا۔

ناگر لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا مجھ سے آگے نکلا اور اس نے اپنا پتلا بریف کیس ڈریسنگ ٹیبل کے ایک گوشے پر ٹکا کر کھولتے ہوئے کہا "میں تمہارے فنگر پرنٹس لوں گا اور واپس چلا جاؤں گا۔ پھر تم دونوں رات بھر ایک دوسرے سے کھیلتے رہنا۔ میں لوٹ کر نہیں آؤں گا۔"

وہ ایک ہولناک انکشاف تھا۔ اس وقت تک میرا صرف نام ہی نام تھا۔ کہیں میری کوئی تصویر تھی نہ باقاعدہ فنگر پرنٹس۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ رینا نے ٹھیک چلتے چلتے اچانک مجھ پر کیا وار کیا تھا۔ میں نے ناگر کے بجائے رینا سے پوچھا "یہ سب کیا چکر ہے۔ میرے فنگر پرنٹس کی کیا ضرورت پیش آگئی۔"

"تمہیں کل انکل سے ملنا ہے۔ ہر اجنبی ملاقاتی کو ان تک رسائی سے پہلے اس مرحلے سے گزرنا پڑتا ہے۔" رینا جلدی جلدی بولنے لگی۔ "وہ بہت اہم آدمی ہیں۔ یہ یقین

Downloaded from https://paksociety.com

کرنا ضروری ہوتا ہے کہ کوئی غلط آدمی ان سے ملنے نہیں جارہا۔"

وہ انل بسواس سے ملاقات کے تکلفات تھے۔ میرے لیے اس وقت سب سے بڑا سنگین مسئلہ ناگر سے نجات حاصل کرنا تھا۔ رینا سے میں بعد میں بھی نمٹ سکتا تھا۔ میں نے ہلکی سے برہمی سے کہا "اگر میں اس ملاقات سے انکار کردوں تو کیا یہ ڈراما یہیں ختم ہوسکتا ہے؟"

"رینا کو قبول کرکے تم انتخاب کا یہ حق کھو چکے ہو۔" اس بار ناگر کی آواز نرم اور مصالحانہ تھی "انکل ایک بار کسی کو ملاقات کا وقت دے دیں تو وہ ٹالا نہیں جاسکتا۔ تمہارے کچھ تحفظات تھے تو تمہیں پہلے ہی رینا سے انکار کردینا چاہیے تھا۔ مجھے تمہاری رضامندی اور انکل کی توثیق کے بعد یہاں بھیجا گیا ہے۔ میں کبھی اپنا کام پورا کیے بغیر نہیں لوٹتا۔" اس نے بریف کیس میں رکھے ہوئے کاغذوں کو دانستہ یوں پلٹا کہ میں ان کے پیچھے چھپے ہوئے بھاری ریوالور کی جھلک دیکھ لوں۔"

میں رینا پر اپنی جس دھمکی کو آزمانے کا ارادہ کیے بیٹھا تھا' ناگر نے اسے ناکارہ بنادیا تھا۔ انل بسواس سے میری ملاقات کو یقینی بنانے کے لیے ناگر جیسے کئی آدمی میرے کمرے پر دھاوا بول سکتے تھے۔ میں یکایک ہی بہت مشکل صورت حال میں گھر گیا تھا کیونکہ بات میرے اور رینا کے درمیان نہیں رہی تھی۔ ناگر اور اس جیسے نہ جانے کتنے افراد بیچ میں کود پڑے تھے۔ ناگر میرے سامنے تھا۔ را کے دوسرے ایجنٹ روپوش تھے۔

میرے جواب کا انتظار کیے بغیر ناگر نے بریف کیس میں سے دو سفید کاغذ نکالے جن پر پانچ لمبے لمبے خانے بنے ہوئے تھے پھر اس نے کالی سیاہی والا اسٹیمپ پیڈ کھول کر میری طرف سرکادیا "داہنے ہاتھ کے انگوٹھے سے شروع کردو۔"

ناگر پیڈ اور کاغذوں کی طرف متوجہ تھا۔ رینا التجائی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے قہر بار نظروں سے اسے گھورا اور بے چارگی سے داہنا انگوٹھا اسٹیمپ پیڈ پر رکھ دیا۔ ناگر نے شاباش کہہ کر میرا انگوٹھا اپنی مضبوط گرفت میں لے لیا۔

ایک ایک کرکے اس نے میرے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کے بہت واضح نشانات سفید کاغذوں پر منتقل کرلیے پھر بریف کیس میں سے پلاسٹک کی ایک بند بوتل نکال کر میری طرف بڑھادی "اس میں سے چند قطرے ہاتھوں پر مل کر پانی سے دھولو۔ سیاہی کا ایک ایک ذرہ نکل جائے گا۔"

میں نے برا سا منہ بناتے ہوئے اس سے بوتل لی اور باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔

وہ صابن جیسا کوئی محلول تھا۔ پانی پڑتے ہی چند قطروں میں جھاگ پیدا ہونے لگے۔ میں نے چند ثانیوں تک دونوں ہاتھوں کو آپس میں رگڑا اور پھر پانی میں دھو ڈالا۔ ناگر کے بیان کے مطابق میرے ہاتھ پہلے سے زیادہ صاف ہوچکے تھے۔

"تھینک یو!" میرے ہاتھ سے بوتل واپس لے کر ناگر نے پہلی بار اپنے مہذب ہونے کا ثبوت دیا اور بوتل کو بریف کیس میں بند کرکے تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"بھگوان کا شکر ہے کہ ایک بڑی بلا ٹل گئی۔" دروازہ بند ہوتے ہی رینا دونوں ہاتھ جوڑ کر منمنائی۔

"بند کرو یہ بکواس۔" میں نے مکا تان کر غراتے ہوئے کہا "مجھے آلو کا پٹھا مت سمجھو۔ اس بلا کو تم ہی لے کر آئی تھیں۔"

وہ سہم گئی اور روہانسی آواز میں بولی "مجھے آخر تک کچھ پتا نہیں تھا۔ میں ہوٹل آنے کے لیے نکلی تو یہ باہر اپنی گاڑی میں بیٹھا میرا انتظار کررہا تھا۔ اس نے بتایا کہ انکل کل دو بجے تم سے ملیں گے۔ فنگر پرنٹس اسی وقت لینے ضروری ہیں تاکہ ریکارڈ سے ان کا موازنہ کیا جاسکے۔ مجھے ذرا بھی مہلت نہیں ملی کہ میں تمہیں خبردے دیتی۔ اس سے ہر ایک گھبراتا ہے کیونکہ یہ آخری وقت پر کسی بلا کی طرح نازل ہوکر سر پر مسلط ہوجاتا ہے۔ اسے دیکھ کر میرے حواس گم ہوگئے تھے۔"

شدید اشتعال کے باوجود میں نے رینا کو اپنی بات مکمل کرنے کا موقع دیا۔ اس وقت وہی میری معلومات کا واحد ذریعہ بن سکتی تھی۔

میں نے محسوس کیا کہ اپنے سر پر ناگر کے طویل تسلط کی وجہ سے وہ پراگندگی کا شکار ہورہی تھی۔ وہ اس سے سنبھلنے نہ پائی تھی کہ میں نے خشمناک تیوروں کے ساتھ اس پر دھاوا بول دیا تھا۔ میں جتنی دیر تک اسے دیکھتا یا گھورتا رہا' میں نے اسے سراسیمہ اور بدحواس پایا۔ اسے اتنا موقع نہیں ملا تھا کہ وہ خود کو یک جا کرکے کسی جھوٹ یا نئی کہانی کے لیے تیار کرسکے۔ اس سے بے رحمانہ سوالات کا سلسلہ جاری کرکے میں کافی سچ اگلوا سکتا تھا۔

"ساری کوششیں تمہاری تھیں۔ وہ تمہارا انکل ہے۔ اس نے ملاقات کے بارے میں تم کو کیوں نہیں بتایا؟ یہ ناگر اچانک کہاں سے درمیان میں آگیا؟" میں نے چیختے کے

Downloaded from https://paksociety.com

بجائے نیچی آواز میں ڈپٹ کر کہا۔

"اس سے میری کوئی رشتے داری نہیں۔ ہم لوگ احتراماً اس کا نام لینے کے بجائے اسے انکل کہتے ہیں۔ وہ اپنی مرضی کا مالک ہے۔ اپنے فیصلے خود کرتا ہے۔ اسے انکل کہنے والوں میں سے بہت سے لوگوں نے ایک بار بھی اسے قریب سے نہیں دیکھا ہوگا۔ وہ ایسے پیغامات دوسرے لوگوں کے ذریعے پہنچاتا ہے۔ کبھی کبھی ناگر بھی یہ کام کرتا ہے۔ یہ میری بدقسمتی تھی کہ آج انکل نے تمہارے لیے اسے بھیج دیا اور میں بے بس ہو کر رہ گئی۔"

"سچ سچ بتاؤ کہ تم لوگ کون ہو اور کیا چکر ہے۔ تم نے جھوٹ بولا تو میں اپنے انجام کی پروا کیے بغیر تمہارا خون پی جاؤں گا۔"

وہ مدافعانہ انداز میں الٹے قدموں پیچھے سرکتے ہوئے ہکلائی "مم ... میں سب کچھ بتا رہی ہوں۔ تم اپنے اوپر قابو رکھو۔ اس وقت مجھے تم ناگر سے زیادہ بھیانک لگ رہے ہو۔ ہم دس بارہ لڑکیاں ہیں جو اوپر والوں کی ہدایات پر راکے لیے کام کرتی ہیں۔"

"جھوٹ مت بکو۔ سچ سچ بتاؤ۔ یہ راکیا بلا ہے؟" میں سوچ سمجھ کر اس پر یلغار کر رہا تھا۔ میں نے راجیسے معروف بلکہ بدنام مخفف کو سمجھنے سے صاف انکار کر دیا تاکہ اس پر میری عام تاجرانہ حیثیت کا بھرم قائم رہ سکے۔

"یہ خفیہ بھارتی ایجنسی کا مختصر نام ہے۔ انکل اسی کے ایک شعبے کا سربراہ ہے۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"تو تم سب بھارتی ایجنسی کے ایجنٹ ہو اور یہاں آنے والے بھولے بھالے پاکستانیوں کو اپنے جال میں پھانستے ہو؟"

"ہم کسی کے ساتھ زبردستی نہیں کرتے۔ لڑکیوں سے دوستی کی ہوس میں لوگ خود ہماری طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔"

"لیکن تم نے تو بتایا تھا کہ تمہارا باپ مال دار ہے۔ تمہیں یہ سب کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"تم کو مرعوب کرنے کے لیے میں نے جھوٹ بولا تھا۔" وہ بھرائی ہوئی کمزور آواز میں بولی "میرا باپ مر چکا ہے۔ میں میرٹھ میں رہنے والی اپنی بیوہ ماں اور چار بہنوں کی کفالت کے لیے یہ سب کچھ کرنے پر مجبور ہوں۔ آج کل عزت والی نوکری کہیں نہیں ملتی۔ ہر آجر لڑکیوں کے بدن کو اپنی نظروں میں تولتا ہے۔"

"پھر یہ بھی غلط ہوگا کہ تم گریٹر کیلاش جیسے مہنگے علاقے میں رہتی ہو!" میں نے زہریلی آواز میں پوچھا۔

"گھر کے بارے میں ہر بات جھوٹی تھی۔ میں نے اپنے خوابوں کو الفاظ کا روپ دے کر تم سے جھوٹ بولا تھا مگر میں اسی علاقے میں رہتی ہوں۔ تم تصدیق کر سکتے ہو کہ میرا ہوا فون نمبر وہیں کا ہے۔"

"اس نمبر پر کلاسیکل ڈانس اکیڈمی بھی کام کرتی ہے۔ مجھے اپنے سوالات کے لیے خود بہ خود راہ مل رہی تھی۔

اس نے تھوک نگل کر خوف زدہ انداز میں اپنا سر اوپر سے نیچے ہلایا اور قدرے توقف کے بعد کہا "دراصل وہ ڈانس اکیڈمی ہی ہے۔ سب لڑکیاں اس کے بورڈنگ ہاؤس کے کمروں میں رہتی ہیں لیکن ناگر کے سامنے اس کا نام نہ لینا۔ وہ مجھے کچا چبا جائے گا۔ وہ لوگ یہ ایک بات بہت سختی سے چھپاتے ہیں کہ اکیڈمی کا راسے کوئی تعلق ہے۔ یہ بات پھیل گئی تو شریف گھرانوں کی لڑکیاں ادھر کا رخ کرنا چھوڑ دیں گی۔"

"اس کنجر خانے میں شریف لڑکیاں کیا کرنے آتی ہیں؟"

"شروع میں، میں بھی ناچ سیکھنے کے لیے گئی تھی۔ ایک بار بہکنے کے بعد ہر لڑکی اس بھنور کا حصہ بن جاتی ہے۔ وہ لوگ بعض اچھی اور پڑھی لکھی لڑکیوں کو بھارت سے باہر بھی بھیجتے ہیں۔"

"تم کو اکیڈمی کا نام چھپائے رکھنے کا حکم ہے لیکن یہ سب بکنے کی کھلی چھوٹ حاصل ہے؟"

"جو لڑکیاں دہلی میں آپریٹ کرتی ہیں، بڑوں کو ان کی ذرا بھی پروا نہیں ہے۔ تم نے دیکھ ہی لیا کہ ناگر اپنا کام کر کے مجھے چارے کی طرح تمہارے سامنے ڈال کر کیسی بے فکری سے چلا گیا۔ اس نے تمہارے بگڑے ہوئے موڈ سے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ میرا وقت اچھا نہیں گزرے گا۔"

"اب اگر میں تمہیں مار کر کہیں دفن کر دوں تو کیا ہوگا؟" میں نے آنکھیں نکال کر پوچھا۔

"میری زندگی ختم ہو جائے گی لیکن میں کل صبح واپس اکیڈمی نہ پہنچی تو تمہاری زندگی بھی جہنم بنا دی جائے گی۔ راے والے شکاری کتوں کی طرح تمہیں کہیں سے بھی ڈھونڈ نکالیں گے۔ تم کو کل دو بجے ہر حال میں انکل کے سامنے پہنچا دیا جائے گا۔ مجھے معلوم ہے کہ تم مجھے دھمکی دے رہے ہو، جان سے نہیں مارو گے۔"

اسے ڈرانے دھمکانے کے چکر میں میرے اعصاب بھی متاثر ہونے لگے تھے۔ میں نے ایک گہرا سانس لے کر رینا کو ذرا سا وقفہ دیا اور کرسی پر بیٹھ کر سگریٹ سلگا لی۔ میرے اشارے پر وہ بھی ڈرے سہمے انداز میں کرسی پر بیٹھ گئی۔

Downloaded from https://paksociety.com

"تم شراب کب سے پیتی ہو؟" میں نے سگریٹ کا دھواں فضا میں بکھیرتے ہوئے پوچھا۔

"جب سے اکیڈمی میں آئی ہوں۔" اس نے میرے لہجے کی تبدیلی پر اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا اور حریصانہ لہجے میں پوچھا "تمہاری اجازت ہو تو منی بار میں سے اپنے لیے کچھ نکال لوں؟ تم نے دیکھ لیا ہے کہ میں تمہارے ہر سوال کا جواب دے رہی ہوں۔ اس وقت مجھے شراب کی سخت ضرورت ہے۔"

میں نے اپنا سر اثبات میں ہلا دیا اور وہ بے صبری کے ساتھ کمرے میں موجود چھوٹے ریفریجریٹر کی طرف بڑھ گئی۔

وہ ٹھنڈے پانی میں اسکاچ کا گلاس لے کر آئی تو اس کی آنکھیں میرے لیے ممنونیت کے جذبے سے لبریز تھیں۔

"کیا اکیڈمی میں آنے والی سب لڑکیوں کو شراب پینا سکھایا جاتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ان کا طریقہ بہت انوکھا ہے۔" اس نے اپنے گلاس سے ایک لمبا گھونٹ لے کر کہا "دو ہفتے تک سب لڑکیوں کو ایک ساتھ ناچ گانے سرتال' نرت اور ہاؤ سکھائے جاتے ہیں۔ اس دوران میں وہ اپنے کام کی دو چار لڑکیوں کو چھانٹ کر بورڈنگ اور شام کی کلاسوں میں ڈال دیتے ہیں۔ صبح آنے والیوں کو ناچ گانا سکھایا جاتا ہے۔ شام کو وہاں کا رنگ دوسرا ہوتا ہے۔ الگ کی جانے والی لڑکیوں کو مردوں سے میل جول اور اونچے طبقے کی پارٹیوں کے طور طریقے سکھائے جاتے ہیں۔ ان میں شراب پینا بھی شامل ہے۔ اصل میں یہی لڑکیاں ان کے کام کی ہوتی ہیں۔ دو ہفتوں کے بعد ان کی تنخواہ شروع ہو جاتی ہے۔ صبح آنے والیوں سے تربیت کے لیے بھاری فیس لی جاتی ہے۔ ان میں سے کچھ بیچ میں بھاگ جاتی ہیں جو تربیت پوری کر لیں' انہیں اکیڈمی سند دے دیتی ہے۔"

"تم نے وہاں شام کی کلاسوں کی تربیت لی ہے۔" میں نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"میرے گھر میں روٹیوں کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ میں فیس کہاں سے دیتی؟ مجھے تنخواہ کی ضرورت تھی۔ کسی نے مجھے جانچ کر الگ کرا لیا اور دو ہفتے بعد میری تنخواہ لگ گئی۔ میری ماں اور بہنیں خوش ہیں کہ میں دہلی میں کوئی بڑی نوکری کر رہی ہوں۔"

"کیا تم ہوٹل میں اتفاقاً مجھ سے ٹکرائی تھیں؟" آخر کار میرے اہم ترین سوال کی باری بھی آ گئی۔

"نہیں۔" اس نے سادگی سے اعتراف کر لیا "میں دوپہر سے ہوٹل میں کمرا لے کر تمہارے فراق میں منڈلا رہی تھی۔ اشوک والی کہانی مجھے پڑھائی گئی تھی۔ میرا اصل کام تم کو انکل سے ملاقات پر آمادہ کرنا تھا۔" وہ اپنے گلاس کو دوسری ہتھیلی پر گھماتے ہوئے بولی۔

"مگر کیوں؟" ہوٹل میں دوسرے پاکستانی بھی ٹھہرے ہوئے تھے۔ تمہیں خاص طور پر میرے پیچھے کیوں لگایا گیا؟"

"مجھے تم تک پہنچنا تھا اس لیے یہ باتیں مجھے بتائی گئی تھیں۔ اس روز صبح سویرے ہوٹل میں کوئی دیکھ بھال ہوئی تھی۔ راولوں کو خبر ملی تھی کہ ہوٹل میں ایک پاکستانی کسی غیر عورت کے ساتھ ٹھہرا ہوا ہے۔ وہ ایسے رنگین مزاج پاکستانیوں کی گھات میں رہتے ہیں جو گھر کی ہانڈی چھوڑ کر پرائی پلیٹوں میں منہ ڈالنے کے شوقین ہوتے ہیں۔ تمہارے اوپر اسی وقت سے کام شروع ہو گیا تھا۔"

"ابھی تم نے کہا تھا کہ تمہیں دوپہر میں میرے پیچھے لگایا گیا تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"میری باری دوپہر میں آئی تھی۔ راولوں نے کراچی سے تمہارے نام پتے کی تصدیق کی تھی۔ انہیں یہ دھڑکا بھی لگا رہتا ہے کہ نام اور بھیس بدل کر پاکستانی جاسوس دہلی میں

زندگی بنانے اور سنوارنے والی تحریروں سے آراستہ

ماہنامہ نفسیات اللہ زندگی

- آپ کی نفسیاتی الجھنوں کا حل
- اپنے بارے میں جاننے کے لیے سوالنامے
- زندگی ساز اور حیات آفرین کتب کے تراجم
- نامور شخصیات کا فلسفہ کامیابی اور حالات زندگی
- شخصیت کو پرکشش بنانے کے طریقے
- بچوں کی پرورش اور تربیت کے لئے رہنمائی
- تعلیمی مسائل کا حل اور کیریئر کونسلنگ
- نفسیات کے طلباء و طالبات کیلئے تازہ ترین تحقیقات
- ازدواجی نفسیات' پامسٹری اور ہپناٹزم کے مستقل سلسلے

اور وہ سب کچھ جو خوبصورت اور خوشگوار زندگی کے لئے آپ پڑھنا چاہیں

قریبی بکسٹال یا براہ راست ہم سے طلب کریں

لاہور: 11۔اے' سیکنڈ فلور' 87 ذی ہال فون: 6311022

کراچی: 16 جی' ذوعیہ سوسائٹی' ناظم آباد فون: 627628

Downloaded from https://paksociety.com

منڈلاتے پھر رہے ہوں گے۔ اس چھان بین سے نام پتا بدلنے والے پکڑے جاتے ہیں۔ جب کراچی سے خبر آئی کہ تمہارا نام' پتا سب کچھ ٹھیک ہے تو تمہیں لبھانے کی ذمے داری میرے سر پر ڈال دی گئی۔ یہ پوری اور اصل کہانی ہے۔"

رینا کی بتائی ہوئی باتیں فکر انگیز تھیں۔ را والے اونچی فضاؤں میں پرواز کرنے کے عادی نہیں تھے۔ وہ زمین پر رہ کر حقائق کے مطابق کام کرتے تھے۔ انہیں بس ذرا سی اس بات نے میری طرف متوجہ کیا تھا کہ میرے اور غزالہ کے درمیان کوئی رشتہ بھارتی ریکارڈ پر نہیں تھا پھر بھی ہم دونوں ہوٹل کے ایک کمرے میں ساتھ رہ رہے تھے مجھے یاد آیا کہ مجھ سے پوچھ گچھ کرنے والے پولیس افسر نے اس موضوع پر مجھ سے ذرا کھل کر بات کی تھی۔ شاید اسے را کی ضروریات کا علم تھا اور اسی وقت اس کے ذہن میں یہ خیال جنم لے چکا تھا کہ مجھ جیسے اوباش پاکستانی کے کوائف را کے علم میں آنے ضروری تھے۔

رینا اپنی دانست میں شروع سے ہی را کے لیے کام کررہی تھی لیکن وہ ہر مرحلے پر میری مددگار اور معاون ثابت ہورہی تھی۔ اس نے میرے ذہن سے یہ خوف حرف غلط کی طرح یکسر مٹادیا تھا کہ دہلی میں مجھے ڈیپی کی حیثیت سے پہچان لیا گیا تھا اور را والے آخری وار کرنے سے پہلے میرے ساتھ بلی اور چوہے کا کھیل' کھیل رہے تھے۔

میں ان کے جنگل میں پھنسا ہوا ایک عام سا پاکستانی تھا جسے وہ اپنے کچھ مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔

میں کچھ دیر تک اس کی بتائی ہوئی باتوں کو اپنے ذہن میں یکجا کرتا رہا۔ وہ اس دوران میں اپنے گلاس سے شغل کرتی رہی۔ مجھے رینا سے اپنے ہر سوال کا جواب مل چکا تھا۔ اس سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ چارے کی لڑکی ہوتے ہوئے وہ گرین کوبرا فائل کے بارے میں کچھ بتاسکتی۔ وہ اعلیٰ ترین سطح کا ایک ٹاپ سیکرٹ تھا جس کے بارے میں کچھ جاننے کے لیے مجھے انل بسواس یا نریش شرما تک رسائی کا انتظار کرنا تھا۔

میں نے محسوس کیا کہ اپنی اگلی حکمت عملی وضع کرنے کے لیے مجھے رینا سے مزید کچھ کھلی کھلی باتیں کرنے کی ضرورت تھی۔

"آج ناگر نے میرے ساتھ مجرموں جیسا جو سلوک کیا ہے۔ اس نے مجھے ہر ایک سے بدظن کردیا ہے۔ اب مجھے انل بسواس سے ملنے کی ذرا بھی خواہش نہیں ہے۔" کچھ دیر تک غور کرنے کے بعد میں نے رینا سے دوبارہ بات چھیڑی۔

"مجبوری ہے۔ وہ وقت دے چکا ہے۔ تم کو ہر حال میں اس سے ملنا پڑے گا" رینا نے پرتشویش لہجے میں کہا۔ میری طرف سے شدید برہمی اور کشیدگی کے مظاہرے کے باوجود وہ سب کچھ درگزر کردینے پر آمادہ نظر آرہی تھی۔

"میں اس سے نہیں ملتا۔ ہوٹل چھوڑ کر دو چار روز کے لیے کہیں روپوش ہوجاتا ہوں۔ وہ میرا کیا بگاڑ لے گا؟" اپنی تجویز کے سنگین نتائج و عواقب سے آگاہ ہونے کے باوجود میں نے محض رینا کا جواب سننے کے لیے سنجیدگی سے کہا۔

"تم پھنس چکے ہو۔ تمہارے فنگر پرنٹس ریکارڈ پر آگئے ہیں اور بھی بہت سا مواد ہے۔ تم کو کہیں پناہ نہیں ملے گی۔ تم را والوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر بھارت سے نہیں نکل سکو گے۔ وہ بہت منظم اور سفاک ہیں۔ جیسے ہی تم سامنے آؤ گے' وہ تمہیں پکڑ لیں گے۔ اس کے بعد تمہارے انجام کا تصور کرنا مشکل ہے۔"

"ظلم اور بربریت کی بات الگ ہے۔ مجھے دن دہاڑے قتل کیا جاسکتا ہے۔ قانونی طور پر وہ میرا کیا بگاڑ لیں گے؟" میں نے اسی سے پوچھا۔

"قانونی طور پر میں تمہارے خلاف سب سے مضبوط فریادی ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ ضرورت پڑنے پر وہ مجھے آگے لائیں گے۔"

اس کے انکشاف نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے حیرت سے پوچھا "میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے' تم کیا فریاد کرو گی؟"

"پرسوں شام تم مجھے بہلا پھسلا کر اس ہوٹل کے ایک کمرے میں لے گئے اور ڈرا دھمکا کر میری آبرو لوٹ لی۔ میں پہلے بھی بتا چکی ہوں کہ بھارت میں یہ سنگین جرم ہے۔"

"تم میرے خلاف یہ شکایت کیوں کرو گی؟ مجھ سے تمہیں کوئی ذاتی عناد نہیں ہے۔"

"انکل اور ناگر مجھے کوئی بھی قدم اٹھانے پر مجبور کرسکتے ہیں۔ میں ان کے ہاتھوں میں کھلونا بنی ہوئی ہوں۔ انہیں اچھی طرح جانتی ہوں۔"

"جان پر بن گئی تو میں بھی یہ الزام قبول کرنے سے انکار کردوں گا۔ اتنا وقت گزرنے کے بعد کچھ بھی ثابت نہیں کیا جاسکے گا۔"

رینا کے ہونٹوں پر ایک پھیکی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے جلدی سے اپنا گلاس خالی کیا اور بولی "میں نے پرسوں شام کے لیے جو کمرا مسز روشن کھمباٹا کے نام سے لیا تھا' اس میں دو گھنٹے تک خودکار کیمرے لگتے رہے تھے۔ را کے تین

Downloaded from https://paksociety.com

آدمیوں نے کسی فلمی ہدایت کار کی طرح وہ وقت میرے ساتھ گزارا تھا اور بتایا تھا کہ تمہارے ساتھ مجھے کمرے اور بستر کے کن حصوں تک محدود رہنا تھا۔ راوالے کیا کام نہیں کرتے۔ کمرے میں گزاری ہوئی اس شام کا ہر لمحہ کسی نہ کسی کیمرے کی پوشیدہ آنکھ نے محفوظ کرلیا ہوگا۔ تم اس گواہی کو نہیں جھٹلا سکو گے۔"

رینا کے سینے میں معلومات کا ایک خزانہ دفن تھا۔ وہ خبر سن کر میرا ذہن یکایک ماؤف ہونے لگا۔ مجھے اپنی پیشانی پر سرد پسینہ ابھرتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"میں تمہارے انکل سے ضرور ملوں گا۔" حالات کی سنگینی کا اندازہ کرتے ہوئے میں نے کسی بحث کے بغیر ہتھیار ڈال دیے "میں اپنا اصل فیصلہ پاکستان پہنچنے کے بعد کروں گا۔ وہاں انل بسواس اور را والوں کا کوئی بس نہیں چلے گا۔"

"ابھی تمہیں دیکھنا ہے کہ انکل تمہیں کیا کام سونپتا ہے۔ میرا دوستانہ مشورہ ہے کہ انکل سے کھل کر بات کرلینا۔ وہ دس نیم دل کارکنوں پر ایک پرجوش ایجنٹ کو ترجیح دینے والا آدمی ہے۔ وہ تمہیں سمجھائے گا لیکن مجبور نہیں کرے گا۔ اس سے جو کچھ طے ہوجائے' اس سے انحراف نہ کرنا ورنہ وہ پاکستان میں بھی تمہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑے گا۔ اس کی تجوری میں رکھی ہوئی فلم کی نقلیں تمہارے گھر والوں اور رشتے داروں تک پہنچادی جائیں گی۔"

"وہ اس قدر کینہ پرور ہے تو میرے انکار کو بھی گستاخی سمجھے گا اور کوئی کمینی حرکت کرگزرے گا۔"

"وہ پختہ عمر اور روشن خیالات والا آدمی ہے۔ سمجھنے اور سمجھانے کا قائل ہے۔ دیواروں میں سینگ نہیں اڑاتا۔ یہ سب میرے مخلصانہ مشورے ہیں کیونکہ میں نے اس کے بارے میں بہت کچھ سنا ہوا ہے۔ ان مشوروں پر عمل کرنے یا نہ کرنے کا اختیار تمہارا ہے۔"

میرے ذہن میں گرین کوبرا فائل کا نام ابتدا سے چکرا رہا تھا لیکن رینا سے تازہ ترین گفتگو کے بعد اپنی فلم کا نام اس سے اوپر آگیا تھا۔ انل بسواس سے وہ فلم واپس حاصل کرکے اسے تلف کیے بغیر میں کبھی بھی مطمئن زندگی نہیں گزار سکتا تھا۔

را والوں نے بہت غیر محسوس انداز میں مجھے اپنی مضبوط گرفت میں جکڑلیا تھا۔

رینا نے میری اجازت سے اپنے لیے دوسرا گلاس تیار کرلیا۔ نئے حالات کی روشنی میں میرا ذہن بہت دور تک کام کررہا تھا۔ را والوں کے بچھائے ہوئے جال کے نتیجے میں مجھے اپنی خوش گوار ازدواجی زندگی میں تلخیاں گھلتی ہوئی نظر آرہی تھیں۔

یہ درست تھا کہ را والوں نے مجھے ڈینی کے طور پر نہیں پہچانا تھا۔ اول خان کی ماہرانہ پیش بینی کے سبب وہ مجھے مظہر خان سمجھ رہے تھے اور انہوں نے مظہر خان کی فلم تیار کی تھی مگر فلم کسی بھی نام سے ہو' چہرے الگ پہچانے جاتے ہیں۔ میں اس گھڑی کو کوس رہا تھا جب میں نے رینا کے مسلسل اصرار پر ہتھیار ڈالے تھے۔

"آج اس کمرے میں کتنے کیمرے چھپائے گئے ہیں؟" میں نے ایک فوری خیال کے تحت بھڑک کر رینا سے پوچھا۔

"آج کچھ نہیں ہے۔ اس روز میں نے کمرے کی بکنگ کرائی تھی اس لیے وہ بندوبست ہوگیا۔ وہ را والوں کی ابتدائی ضروریات تھیں۔ آج یہ کمرا تم نے بک کرایا ہے۔ شروع سے تمہاری تحویل میں ہے۔ یہاں ایک کیل تک نہیں لگائی گئی مگر ناگر کی آمد کی وجہ سے میری طبیعت بجھ کر رہ گئی ہے....."

"بس آگے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ اب پرسوں کے کسی واقعے کا اعادہ نہیں ہوگا۔"

"تم بلاوجہ اتنی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے ہو۔ کچھ بولتے رہو تاکہ میں بھی تمہیں مناسب مشورے دے سکوں۔ تم یقین کرو کہ میں تم سے شرمندہ ہوں اور تمہارے ردِعمل کو فطری سمجھ کر بھول چکی ہوں۔ تم میرے دوست ہو۔"

میں ایک مدت سے خود کو ہر قسم کے ریکارڈ سے بچاتا چلا آرہا تھا۔ حد یہ تھی کہ امریکی سی آئی اے بھی اپنی سرتوڑ کوششوں کے باوجود میری ایک مبہم سی تصویر سے زیادہ کچھ

انتباہ

سسپنس ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع ونقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

تمام اشتہارات نیک نیتی کی بنیاد پر شائع کیے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں ادارہ کسی بھی طرح ذمے دار نہ ہوگا۔

Downloaded from https://paksociety.com

حاصل نہیں کرسکے تھے مگر را والوں نے ایک ہی جھٹکے میں میری پوری فلم بنا ڈالی تھی۔ اور فنگر پرنٹس بھی لے لیے تھے۔ اگر انہیں میرے اصل نام کا ذرا سا بھی سراغ مل جاتا تو ان کے پاس مجھ جیسے ازلی دشمن کا مکمل ترین ریکارڈ موجود تھا۔

"تم نے یہ کیسے کہہ دیا کہ میری فلم انل بسواس کی تجوری میں رکھی ہوئی ہوگی؟" میں نے رینا سے پوچھا۔

"اس کے بارے میں یہاں بہت سی کہانیاں گردش کرتی رہتی ہیں" رینا ایک گھونٹ لے کر بولی "کہا جاتا ہے کہ اہم ترین ریکارڈ کے بارے میں وہ کسی پر بھروسا نہیں کرتا۔ اسے اپنی ذاتی تحویل میں رکھتا ہے اور ضرورت ختم ہونے پر اپنے ہاتھوں سے ضائع کرتا ہے۔ آج کل وہ تمہاری طرف متوجہ ہے تو اس نے تمہاری فلم بھی اپنی تحویل میں رکھی ہوئی ہوگی۔ تم سے اس کی کوئی مفاہمت نہیں ہوسکی تو شاید وہ اسے تلف کردے گا۔"

"میں بے یقینی کے اس عذاب سے بچنا چاہتا ہوں" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا "اس سے وہ فلم کیسے حاصل کی جاسکتی ہے؟"

"وہ اسے تلف کرسکتا ہے لیکن تمہیں نہیں لوٹائے گا۔ اس سے یہ مطالبہ بھی نہ کر بیٹھنا۔ وہ میری طرف سے بدظن ہوجائے گا کہ میں نے اندر کی یہ باتیں تمہارے کانوں میں پھونک دیں۔ وہ اپنے ہر سیکرٹ ایجنٹ کی غیر ذمے داری کو سنگین جرم تصور کرتا ہے۔"

"تم سیکرٹ ایجنٹ نہیں، بیچ کی ایک لڑکی ہو۔ اسے تم سے زیادہ توقعات نہیں ہوسکتیں۔"

"ملک کے لیے خفیہ کام کرنے والا ہر شخص اس کے نزدیک سیکرٹ ایجنٹ ہے۔ بس درجوں کا فرق ہوتا ہے۔ مجھ جیسی لڑکیوں کو تم سب سے نچلے درجے کی ایجنٹ قرار دے سکتے ہو۔ تم دیکھ لو کہ تمہارے لیے انکل کے منصوبے کا پہلا پتھر میری کارکردگی پر جمایا گیا ہے۔ برسوں میں تمہارا دل لبھانے اور تمہیں انکل سے ملاقات پر آمادہ کرنے میں کامیاب نہ ہوئی ہوتی تو آج ہم دونوں کو ان تمام دشواریوں کا سامنا نہ ہوتا۔"

وہ بالکل صحیح کہہ رہی تھی۔ میرے ذہن میں پہلی بار یہ بات ابھری کہ رینا ہی اس فساد کی اصل جڑ تھی۔

"میں ہر قیمت پر وہ فلم واپس لینا چاہتا ہوں" میں نے محتاط لہجے اور دھیمی آواز میں اس سے کہا۔

"کل تم کھلے دل سے انکل سے مل لو۔ اسے بتادو کہ تم اس کے لیے کام نہیں کرسکتے۔ دیکھو، وہ کیا کہتا ہے؟ اس کے بعد کچھ سوچا جائے گا۔"

"میرے انکار کے بعد بھی تم مجھ سے ملتی رہوگی؟" میں نے حیرت اور بے اعتباری سے پوچھا۔

"یہ اقرار یا انکار تمہارے اور انکل کے درمیان ہوگا۔ جب تک مجھے تمہارے بارے میں کوئی نیا حکم نہیں ملے گا، میں تم سے ملتی رہوں گی۔"

اس کے ذریعے صرف کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کا نام اس کی بھول، غلطی یا میری چالاکی سے پہنچا تھا۔ اس کے سوا رینا نے ہر بات رضاکارانہ طور پر مجھے بتائی تھی۔ ساتھ ہی یہ اصرار بھی کرتی رہی تھی کہ میں ان میں سے کئی باتوں کا ذکر انل بسواس سے نہ کروں۔ اس کی وہ باتیں دوغلی اور ہلکی تھیں۔

میرا ذہن ایک مرتبہ پھر الجھنے لگا۔

انل بسواس ٹھنڈے خون والا ایک بے رحم حریف تھا۔ رینا مجھے اس سے کھل کر بات کرنے پر اکسا رہی تھی۔ مجھے یہ بات ہضم نہیں ہو رہی تھی کہ انل بسواس مجھے اپنے کام کے لیے آمادہ کرنے کی کوششوں میں ناکامی کے بعد آسانی سے بھول جائے گا۔ وہ یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا کہ میں بھارت سے پاکستان لوٹنے کے بعد وہاں کے افسران بالا کو اس کا کچا چٹھا بتادوں کہ وہ دہلی میں سیاحتی ویزا پر آئے ہوئے پاکستانیوں میں سے بعض کو خوبرو لڑکیوں کے ذریعے پھانس کر پاکستان کے خلاف استعمال کررہا تھا۔

میرا تجربہ میرے سامنے تھا۔ مجھ سے پہلے وہ نہ جانے کتنے لوگوں کو پھانس چکا تھا۔

اس نے دہلی سے شملہ کے راستے پر تین پاکستانی سفارت کاروں کو نہایت سفاکی سے اپنے جذبہ انتقام کی بھینٹ چڑھادیا تھا۔ اس کے لیے مجھ جیسے ضدی پاکستانی کو ہمیشہ کے لیے خاموش کردینا ذرا بھی دشوار نہیں تھا۔ فرق صرف یہ ہوتا کہ مجھے ڈینی نہیں، مظہر خان سمجھ کر مارا جاتا۔ رینا کے مشوروں میں اس سنگین امکان کا ذرا بھی ادراک نہیں تھا۔

یکایک مجھے محسوس ہونے لگا کہ رینا اجیت رائے وہ نہیں تھی جو بننے کی کوشش کررہی تھی۔ وہ بہت معصومیت کے ساتھ میرے خلاف ایک خطرناک اور دہرا کھیل، کھیل رہی تھی جس میں ہر طرف جال ہی جال تھے۔ کھلا راستہ دور دور تک نظر نہیں آرہا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

Downloaded from https://paksociety.com

گئی۔ وہ را میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو الگ الگ قوموں کی ایک پیچیدہ بدمعاشی کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ وہ سری طرف امریکا میں آئزک بیبل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر خفیہ اداروں کی وسائل پر قابض ہو کر انیس ڈیڈ اسٹار زنامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جبی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد انڈر بیبل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا تھا یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ انڈ اسٹار زاور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کے اغلاط ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں مطعون ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرکر میوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی دوران میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم اور برائن ڈی مینٹ ہمارے سامنے آیا۔ وہ بہت محتاط تھا مجھے اس سے کرنل جمال دستی کی حیثیت میں ملاقات کرنی پڑی۔ اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس تک حاصل کر لیے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر خوف زدہ بھی تھا اس لیے نئی دہلی فرار ہو گیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل کے ذریعے نئی دہلی میں ہی ٹھکانے لگوا دیا گیا۔ رستم خود بھی کم نہیں تھا، جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا سرگرم رکن تھا اور پاکستان میں رہتے ہوئے اسرائیلی مفاد کے لیے کام کر رہا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا صفایا کیا اور اس نے خود کشی کر لی۔ اس کی خود کشی پر فریم انٹر نیشنل کے غیر معمولی ردعمل پاچانے پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرام الٰہی تھا جو خود فریم انٹر نیشنل کے دفتر میں مقید پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کر رہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار روپ رائیل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ اس کی غیر معمولی اہمیت کے باعث میں اس سے ملنا چاہتا تھا مگر وہ بہت کامیاں نکلا اور سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے میں کامیاب ہو گیا جسے ہم نے میرپور خاص سے بازیاب کرالیا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا پھور کے علاقے میں وسیع تر تبلیغی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارت چلا گیا ہے۔ ہمارا اگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا جو حیدر آباد سے خرالہ اور سلطان شاہ کی مدد کا تعاقب کرکے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہو چکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہو گیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر، بہت مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو سکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے جگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی ماروفی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتا دیا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں ہری پند تک پہنچا دیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہو کر فرار ہونے کی کوشش میں نزدیک کے حادثے میں شدید زخمی ہو چکا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود رہ کر پاکستانی ونگ کے سربراہ اعلیٰ بسواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا۔ کراچی میں موجود میجر بخشی کو ہمارے بارے میں کچھ سن گن مل گئی تھی لہٰذا اسے ذہنی طور پر ناکارہ بنا دیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ جوگیندر پال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کر چکا تھا۔ جوگیندر پال اپنے دو آدمیوں کے ساتھ روی کو مارنے میں کامیاب ہوا مگر اس کے وہ گرگے میرے مقابلے میں بودے ثابت ہوئے ان سے مجھے جوگیندر پال کا نون نمبر بھی مل گیا جس کے بعد جوگیندر پال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ ہم انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئے۔ وہاں بھی این جی او زکی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں۔ ان ہی میں ایک این جی او "یونین سوسائٹی" فلاحی کاموں کی آڑ میں ہیروئن سازی میں استعمال ہونے والے کیمیکل اے این ایچ کی غیر قانونی اسمگلنگ اور لاہور میں ہیروئن پھیلانے کے مذموم کاروبار میں ملوث تھی۔ اس کا کرتا دھرتا جاوید تنویر کالاموں سرسبز بدری عظمت تھا۔ آئی بی کے جلال اور ایس بی ایف کے مقامی کمانڈو کی مدد سے یونین سوسائٹی کا قلع قمع کر دیا گیا۔ وہ راجی انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئی تھی۔ ہم نے جلال کے آدمیوں کے ذریعے بھارتی سرحد عبور کی اور امرتسر میں ایک روز قیام کے بعد دہلی پہنچ گئے۔ دہلی میں سب سے پہلے جلال کے آدمیوں سے رابطہ کیا۔ اس کی نشان دہی اور ہوٹل میں ہونے والی پولیس چیکنگ کے تجربے کے بعد ویزا کے الگ ہو کر دوسرے ہوٹل میں رہائش اختیار کی۔ ویزا کی دھمکیوں سے خوف زدہ ہو کر کراچی میں امریکی قونصلیٹ کا افسر جان اسمتھ دہلی پہنچ چکا تھا۔ اب ہمیں اعلیٰ بسواس اور جان اسمتھ دونوں سے حساب کتاب برابر کرنا تھا۔ آئی بی کے پاکستانی ایجنٹ وہاں کریں کو برانامی فائل کی جستجو میں تھے۔ ہماری دہلی میں موجودگی کے دوران میں تین پاکستانی اہل کاروں کو ٹریفک حادثے میں ہلاک کر دیا گیا۔ راء والوں کو ہماری سن گن مل چکی تھی لہٰذا ہمیں محتاط ہونا پڑا۔ اسی اثنا میں ایک خوبصورت بھارتی دوشیزہ رینا ابیجت رائے میرے قریب آئی اور مجھے ہوٹل کے کمرے کی رنگینیوں و نگینیوں تک لے گئی۔ وہ اعلیٰ بسواس سے مجھے ملوا سکتی ہے۔ اس کے مطابق وہ رینا کا اکلوتا بھائی تھا۔ میں اس سے دو سری ملاقات کا وعدہ کر کے الگ ہو گیا۔ وہ عابد علی عرف گوپال سے بتایا کہ رینا را کی ایجنٹ تھی۔ مجھے پاکستان سے اول خان نے آگاہ کیا کہ وہاں مظہر خان کے پاسپورٹ پر درج کوائف کی تصدیق کی گئی تھی۔ ویرا نے ہم سے الگ ہو کر اپنی امانت کرنے والے پولیس افسر ڈوگو ایک اطالوی سیاح کی مدد سے ہلاک کروایا۔ رینا سے اگلی ملاقات بڑی سنسنی خیز ثابت ہوئی۔ اجنتا میں ہی را کے ایک ایجنٹ نے میری انگلیوں کے نشان حاصل کیے اور مجھے رینا کے ساتھ چھوڑ گیا۔ اس کے بعد رینا نے مجھے بتایا کہ وہ عیاش پاکستانیوں کو اپنے حسن کا جال پھینک کر را کے لیے کام کرنے پر مجبور کرتی ہے اور میری اور اس کی پہلی ملاقات کی مکمل ویڈیو فلم اعلیٰ بسواس کے پاس تھی۔ مجھے احساس ہوا کہ رینا ابیجت رائے میرے خلاف ایک خطرناک اور دہرا کھیل کھیل رہی تھی۔ جس میں ہر طرف جال ہی جال تھے، کھلا راستہ دور دور تک نظر نہیں آرہا تھا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

اس وقت تک میں نے رینا کے بارے میں منفی خطوط پر کچھ نہیں سوچا تھا۔ پچھلی ملاقات سے اس وقت تک، وہ مسلسل میرے ذہن پر سوار رہی تھی لیکن اس کے بارے میں سرے سے کچھ سوچنے کی نوبت نہیں آسکی تھی۔

میں صرف اور صرف اعلیٰ بسواس کے چکر میں پاکستان سے دہلی پہنچا تھا۔ وہی میرا اکلوتا ہدف تھا۔ اس کی زد میں کوئی اور بھی آجاتا اور میرے ہاتھوں جہنم واصل ہو جاتا تو یہ اس کی بدنصیبی ہوتی۔ دہلی پہنچنے کے بعد آئی بی کے ایجنٹوں کے ذریعے مجھے نہ صرف اعلیٰ بسواس کا سراغ مل گیا بلکہ میں نے اس کا ایک دفتر اور گھر بھی دیکھ لیا مگر اہم ترین مسئلہ اس مکار تک رسائی کا تھا۔

رینا ابیجت رائے بالکل غیر متوقع انداز میں اس منظر نامے میں داخل ہوئی تھی۔ وہ آئی اور پھر آتے ہی میرے ذہن پر چھاتی چلی گئی۔ اس نے نازوادا اور اپنے تمام تر جسمانی حسن کا جادو جگا کر میرے دل ودماغ کو بڑی حد تک متاثر کیا تھا۔ اس کی بول چال میں عیاری اور مکاری کا ذرا بھی شائبہ نہیں تھا۔ وہ بولتی تھی تو ایسی سادگی اور معصومیت سے بولتی تھی کہ اس کی کہی ہوئی ہر بات پر بے اختیار یقین کر لینے کو جی چاہتا تھا۔

رینا کو میں نے اپنے جال میں نہیں پھنسایا تھا۔ وہ از خود

Downloaded from https://paksociety.com

میری طرف متوجہ ہوئی تھی۔ مجھ سے مل بیٹھنے کے بارے میں اس نے جو کہانی سنائی' وہ بظاہر ہر شک و شبے سے بالا تھی پھر جب اس نے اتفاقی انداز میں مجھے انل بسواس سے ملوانے کا ذکر چھیڑا تو میں فطری طور پر اس کے جال میں پھنس گیا۔ اس کی ذات پر اپنے سارے شکوک و شبہات کے باوجود میں نے اسے اہمیت دینے کا فیصلہ کرلیا۔

میں انل بسواس تک پہنچنے کے سلسلے میں حد سے زیادہ پریشان تھا۔ رینا نے مجھے اس سے ملوانے کی براہِ راست پیش کش کی تو میں نے اسے تائید غیبی سمجھتے ہوئے دل ہی دل میں فوراً قبول کرلیا۔ رینا کے ساتھ کچھ نمائشی پس و پیش ضروری تھا تاکہ اسے میرے عزائم پر کسی قسم کا شبہ نہ ہو۔ ان مرحلوں سے گزرنے کے بعد میں نے رینا کی تجویز کے مطابق انل بسواس سے ملنے پر اپنی آمادگی ظاہر کردی تھی۔

اس پورے قصے میں انل بسواس کی ذات اتنی طاقت ور اور ترجیحی حیثیت رکھتی تھی کہ مجھے رینا کے کردار پر دھیان دینے یا اس کے بارے میں کچھ سوچنے کا موقع نہیں مل سکا۔ میری سوچ کا ہر زاویہ انل بسواس پر مرکوز ہو کر رہ گیا تھا۔

اگر اس وقت رینا اکیلی آئی ہوتی تو میرے ذہن میں کوئی شبہ سر نہ ابھارتا لیکن وہ غیر متوقع طور پر ناگر جیسے ورشت رو پیشہ ور کے ساتھ آئی تھی جس کا رویہ کسی بھی طرح حوصلہ افزا نہیں تھا۔ وہ میرے ساتھ اس طرح پیش آیا تھا جیسے مجھے کوئی قاتل یا مجرم سمجھ رہا ہو۔ اسی انداز میں اس نے میرے فنگر پرنٹس لیے بس اتنی مہربانی ضرور کی کہ جاتے ہوئے نرمی کے دو بول بول گیا تھا۔

ناگر کی آمد نے صورتِ حال کو یکسر بدل دیا تھا۔ مجھے نہ جانے کیوں یہ محسوس ہو رہا تھا کہ رینا نے بند کمرے میں اپنے ساتھ میری قلم بندی کا راز افشا کرکے مجھے خوف زدہ یا بلیک میل کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس وقت تک وہ مجھے ایک عام' خانہ دار پاکستانی سمجھ رہی تھی جو بیوی بچوں اور عزیز و اقارب کی نظروں میں اپنی روح فرسا تذلیل سے بچنے کے لیے کوئی بھی کام کر گزرنے پر آمادہ ہو سکتا تھا۔

وہ بیک وقت دو سمتوں میں کام کر رہی تھی۔ میں انل بسواس کی خواہشات کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا تو کہیں کوئی مسئلہ پیدا نہ ہوتا۔ بھارت میں قیام کے دوران میں میرے اور رینا کے مراسم بھی جوں کے توں برقرار رہ سکتے تھے لیکن انل بسواس سے کسی اختلاف کی صورت میں میرا مار دیا جانا رینا اجیت رائے کے مفاد میں تھا۔ یہ ایک اتفاق تھا کہ کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے مقاصد کے بارے میں مجھے گوپال سے اطلاع مل گئی تھی۔ میں نے جب اپنی اطلاع کی بنیاد پر ایک پانسہ پھینکا تو رینا بری طرح خوف زدہ ہو گئی۔ کچھ ایسا محسوس ہوا تھا جیسے اکیڈمی سے را والوں کی وابستگی کا معاملہ بھارت میں بھارتیوں سے بھی چھپایا جا رہا تھا۔ رینا کی دانست میں راز کی اس بات کا میرے علم میں آنا بہت خطرناک تھا۔

رینا کی باتوں سے مجھے کچھ ایسا اندازہ ہوا تھا کہ اگر انل بسواس کو یہ پتا چل جاتا کہ رینا کے ذریعے کلاسیکل ڈانس اکیڈمی والی بات مجھ تک پہنچی تھی تو شاید وہ رینا کی کھال میں بھس بھروا دیتا۔ اس سے ہونے والے مذاکرات میں اس کی بس وہی ایک کمزوری کھل کر میری سامنے آسکی تھی۔

رینا کو صرف دو صورتیں قبول ہو سکتی تھیں۔ میرے اور انل بسواس کے درمیان مفاہمت ہو جاتی یا پھر وہ مجھے راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کرلیتا۔

اس کی ساری گفتگو کا محور یہ تھا کہ میں انل بسواس کے سامنے ایک مخصوص زاویے سے گفتگو کروں۔ بات کو کسی ایسے رخ پر نہ ڈالوں جس کا کوئی تیسرا انجام بھی ممکن ہو۔ میں نے اپنے تیوروں کی ساری نرمی اور گرمی دکھانے کے باوجود اس وقت تک یہ ظاہر نہیں ہونے دیا تھا کہ میں تفریح کے لیے بھارت آئے ہوئے ایک معمولی پاکستانی تاجر سے زیادہ کوئی اہمیت رکھتا تھا۔ وہاں میرے لیے اسی وقت تک زندہ اور آزاد رہنے کی کوئی امید باقی رہتی جب تک میں مظہر خان سمجھا جاتا جس لمحے ان بھیڑیوں کو یہ شبہ ہوتا کہ میں نے روپ بدلا ہے تو وہ میرے لہو کے پیاسے ہو جاتے۔

"کہاں کھو گئے؟" رینا اجیت رائے نے مجھے خاموش پاکر ایک ادا سے ٹوکا۔

"سوچ رہا ہوں کہ ایک خوب صورت لڑکی کے ساتھ بھارت کی سیر مجھے بہت مہنگی پڑ گئی۔"

وہ ہولے سے مسکرا دی۔ میرے لب و لہجے کی تندی زائل ہونے کے بعد اس کا کھویا ہوا اعتماد رفتہ رفتہ بحال ہو چلا تھا یا پھر وہ اس قسم کی کامیاب ترین اداکاری کر رہی تھی۔ وہ بولی "شاید تم نے سنا ہوگا۔ کسی نے کہا ہے' اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں۔ اگر تم اپنی پتنی کے ساتھ آئے ہوتے تو کوئی بھول کر بھی تمہاری طرف دھیان نہ دیتا۔ یہ گڑبڑ اس وجہ سے ہوئی کہ گجالہ تمہارے ساتھ ہے۔ وہ تمہاری بیوی ہے نہ بہن بیٹی ہے نہ ماں پھر بھی وہ تمہارے ساتھ ایک کمرے میں ٹھہری ہوئی ہے۔ ساری بات یہاں سے شروع ہوئی ہے۔ اب فیصلہ تمہاری مرضی پر

Downloaded from https://paksociety.com

ہے۔"

وہ بالکل بجا تھی۔ ہوٹل میں مقیم پاکستانیوں کی سفری دستاویزات کی چیکنگ کے لیے آنے والے پولیس افسروں نے اس انکشاف میں گہری دلچسپی لی تھی اور ان میں سے ایک نے خاص طور پر یہ تبصرہ کیا تھا کہ اونچے آدمی دکھائے پڑتے ہو۔

میں ٹیلی فون کی گھنٹی کی تیز آواز پر گہری نیند سے بیدار ہوکر ان دونوں کے روبرو پہنچا تھا۔ ہوٹل کی کسٹمر سروس والی خاتون کے ذریعے مجھے پتا چل چکا تھا کہ وہ پولیس افسران پاکستانیوں کی سفری دستاویزات کی جانچ پڑتال کے ذریعے یہ یقین کرنا چاہ رہے تھے کہ ان میں کوئی مشتبہ دہشت گرد نہیں تھا۔ میری چھٹی حس اس وقت خوابیدہ تھی یا ذہن سست تھا کہ میں پولیس افسر کے طنزیہ تبصرے میں پنہاں طنز کو یکسر نہ سمجھ سکا۔

تیزی سے بدلتے ہوئے حالات کی روشنی میں اس وقت تک یہ واضح ہوچکا تھا کہ میں نے اپنے اور غزالہ کے لیے ایک کمرے کا انتخاب کرکے سب سے بڑی غلطی کی تھی۔ مجھے اس سے دور رہنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن میرے اور اس کے نام پر الگ الگ کمروں کی بکنگ ضروری تھی تاکہ کوئی اجنبی محض ہوٹل کے ریکارڈ پر سرسری نظر ڈال کر میرے اور اس کے درمیان کسی تعلق کے بارے میں نہ جان سکے۔

میری وہ پشیمانی اور خیال آرائی بہت زیادہ بعد از وقت تھی۔ تیر کمان سے نکل چکا تھا اور مجھے اس کے نتائج کا سامنا کرنا تھا۔

انل بسواس کا نام میرے وجود میں تلخیاں گھول رہا تھا۔ کراچی چھوڑنے سے پہلے مجھے معلوم ہوچکا تھا کہ پاکستان کی سرزمین پر ہونے والی ساری ریشہ دوانیوں اور دہشت گردیوں کے پیچھے انل بسواس کا ذہن کار فرما تھا۔ وہ را کے پاکستان ونگ کا سربراہ ہونے کی وجہ سے ہمارا سب سے بڑا دشمن تھا۔ ہم تینوں اس فتنے کو اسی کے وطن کی سرزمین پر کچلنے کا عزم لے کر لاہور سے نکلے تھے لیکن یہ ہمارے مقدر کی ستم ظریفی تھی کہ ایک ذرا سی بھول کے نتیجے میں ہم اس تک پہنچنے سے پہلے اس کے پھیلائے ہوئے ایک بھیانک جال میں پھنستے ہوئے نظر آرہے تھے۔

خطرات کے مہیب بادل میرے اور غزالہ کے سروں پر سایہ فگن تھے۔ ویرا ہم سے الگ تھی اور اس خطرے سے بچی ہوئی تھی۔ اس نے بظاہر پوری کامیابی اور صفائی سے انسپکٹر ڈیوڈ کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ ہم ایک بھارتی چیونٹی کو بھی نہیں مار سکے تھے اور دلدل میں جا اترے تھے۔

اس موڑ پر پہنچنے کے بعد مجھے اندازہ ہورہا تھا کہ میرے ساتھ بہت منظم اور سازشی انداز میں کھیل کھیلا گیا تھا۔ سارا کمال رینا کا تھا جو ایک حسین اور بگڑی ہوئی رئیس زادی کے روپ میں مجھے اپنے دام میں الجھانے میں کامیاب ہوئی تھی۔

اس کے ساتھ گزارے ہوئے رنگین و سنگین لمحے ایک تصویری فیتے پر محفوظ تھے۔ ناگر دھونس اور دھمکی کے ذریعے میرے فنگر پرنٹس لے جاچکا تھا۔ ملاقات کے روپ میں اگلے روز' دو بجے مجھے انل بسواس کے سامنے پیش ہونا تھا۔ مجھے توقع تھی کہ اس مجوزہ ملاقات یا پیشی کو یقینی بنانے کے لیے انڈین سیکرٹ سروس والوں نے میرے گرد اپنا گھیرا تنگ کردیا ہوگا تاکہ میں ان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر کہیں روپوش نہ ہوسکوں۔ رینا نے مجھے ایسی کسی کوشش کے سنگین نتائج سے آگاہ ضرور کردیا تھا لیکن ضروری نہیں تھا کہ پرائی گاڑیوں کا ایک خوف زدہ پاکستانی تاجر اس آگاہی کو کوئی اہمیت دیتا۔ را والے اس امکان کو نظر انداز نہیں کرسکتے تھے۔

"بات شروع ہوگئی ہے تو اب اپنے انجام تک ضرور پہنچے گی۔" میں نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرا مشورہ یہی ہے کہ زیادہ نہ سوچو۔ کل دو بجے انکل سے مل لو۔ رام بھلی کرے گا۔" رینا نے گہری سنجیدگی سے مشورہ دیا۔

"دیکھو رینا! اب تک تم بہت کچھ بتا چکی ہو۔ میں عام لڑکیوں کے ہاتھوں بے وقوف بن جانے والا آدمی ہوں مگر آہستہ آہستہ یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ میں را والوں کے چکر میں پھنس گیا ہوں۔ انہوں نے میری اور تمہاری وڈیو فلمیں بنالی ہیں۔ اب وہ مجھے بلیک میل کریں گے کہ میں ان کے لیے کام کروں' پاکستان سے غداری کروں' ان کا جاسوس بن جاؤں۔ یہ سب کروں تو ٹھیک ہے۔ پاکستان والے کبھی کبھی مجھے پکڑ کر جیل میں سڑا دیں گے۔ نہ کروں تو تمہارا انکل مجھے مروادے گا۔ یہ۔۔۔"

"میں کہہ رہی ہوں کہ وہ مارنے والا آدمی نہیں ہے۔" رینا نے میری بات کاٹ کر اصرار کیا "تم میری بات ہی نہیں سمجھ رہے۔۔۔"

اس کے ریکارڈ کی سوئی ایک ہی جگہ پھنسی ہوئی تھی۔ میں نے بھی اسے مزید بولنے کا موقع نہیں دیا۔ درمیان میں بول پڑا "تم خود کو سیکرٹ ایجنٹ کہہ رہی ہو اور مجھے الٹی پٹی

Downloaded from https://paksociety.com

پڑھا رہی ہو۔ مجھے تو اب یہ فکر ہے کہ میں نے پاکستان جاکر انکل کے بتائے ہوئے کام شروع کیے تو پاکستان کی ایجنسیوں سے کب تک بچا رہوں گا۔ بھارت کی طرح، وہاں بھی غداری کرنے والوں کا حشر بہت خراب ہوتا ہے۔"

اس کے چہرے پر طمانیت کا ایک گہرا رنگ آکر گزر گیا۔ وہ بے پروائی سے بولی "مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تم نے ٹھیک فیصلہ کرلیا ہے اور اب ایک ہی رخ پر سوچ رہے ہو۔ یہ غداری وداری کچھ نہیں ہوتی جو لوگ دال، چاول، آٹے اور گھی تیل میں ملاوٹ کرتے ہیں وہ سب سے بڑے غدار ہوتے ہیں۔ ان کو کوئی گالی تک نہیں دیتا۔ لوگ پیٹھ پیچھے باتیں بناتے ہیں، سامنے ان کی عزت کرتے ہیں۔ کوئی دو چار باتیں ایک آدھ کاغذ اِدھر اُدھر کرکے اپنی روزی کماتا ہے تو اس میں کیا برائی ہے؟ مجھے دیکھو! بتاؤ، میں کہاں سے گھس گئی؟ میرا کیا بگڑا؟ میں پچھلے مہینے اپنی ماں سے ملنے گئی تھی تو سارے رشتے دار مجھے دیکھ کر خوش ہوئے تھے۔ کہہ رہے تھے کہ مجھے دبلی کا پانی خوب راس آیا ہے۔ میرے اوپر جوبن ٹوٹ کر برس رہا ہے۔ یہ سب پیسے کی برکت ہے جو مجھے آسانی سے مل رہا ہے۔ پہلے ہم سب فاقوں سے مر رہے تھے تو کوئی ایک وقت کی روٹی کے لیے بھی نہیں پوچھتا تھا۔ تم نے انکل کی بات مان لی تو تمہارے دن پھر جائیں گے۔"

"تمہاری بات اور ہے۔" میں نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر سگریٹ کا دھواں فضا میں بکھیرتے ہوئے جواب دیا "تم میرٹھ سے دبلی آئیں تو ایک معصوم لڑکی تھیں۔ دبلی سے میرٹھ لوٹیں تو عورت بن چکی تھیں۔ یہ تجربے اور من کی ٹھنڈ کی رونق ہوتی ہے جو عورت کے چہرے پر برستی ہے۔ لڑکا، مرد بن کر بھی فکرمند رہتا ہے۔"

اس نے ایک گہرا سانس لیا اور اپنی مخمور آنکھیں میرے چہرے پر گاڑ کر پوچھا "تم سچ کہتے ہو۔ من کی ٹھنڈک کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ تم سے ہونے والی پرسوں کی ملاقات میرے دل میں ایک کسک بنی ہوئی ہے مگر آج تمہاری نظریں کچھ بدلی ہوئی سی ہیں۔"

"جس وقت تم نے ناگر کے ساتھ اس کمرے میں قدم رکھا، خرابی کا آغاز ہوگیا تھا۔ تمہاری زبان سے پرسوں کی باتیں سن کر مجھے اپنے اوپر غصہ آرہا ہے کہ میں اسی وقت تم کو کیوں نہیں سمجھ سکا۔ اب مجھ سے کسی حماقت کی توقع نہ رکھو۔ تم نے کافی باتیں کرلیں، یہاں سے روانگی کی تیاری کرو۔"

"میں اس وقت واپس ہاسٹل گئی تو مذاق بن جاؤں گی۔"

اس نے افسردگی سے بات آگے بڑھائی "میں رات گئے لوٹنے کے ارادے سے آئی تھی۔"

"لڑکیاں رات گہری ہونے سے پہلے گھر لوٹ جائیں تو سب سکھ کا سانس لیتے ہیں۔" میں نے چوٹ کی۔

"یہ گھر والوں کی باتیں ہیں۔ ہم سب دربدر ہیں۔ باہر گزارا ہوا وقت ہمارا رتبہ بڑھاتا ہے۔"

"نہیں رینا، سوری!" میں نے نخوت سے کہا "تمہیں ابھی اور اسی وقت جانا ہوگا تاکہ میں سکون سے کچھ سوچ سکوں۔"

"میں تمہاری سوچ میں رکاوٹ نہیں ڈال رہی۔ تم اپنے کمرے میں جاکر خوب سوچو۔ مجھے یہاں پڑا رہنے دو۔ جب رات خوب گہری ہوجائے گی تو میں چابی کاؤنٹر پر دے کر خاموشی سے واپس چلی جاؤں گی۔ تم آج کی رات کے لیے کمرے کا کرایہ دے چکے ہو۔"

"کرایہ دینے یا نہ دینے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تمہارا انکل میرا یہ نقصان پورا کردے گا مگر تم چلی جاؤ کیونکہ یہ کمرا میرے نام پر ہے۔ میں یہ پسند نہیں کروں گا کہ مجھ سے جان چھڑانے کے بعد تم اپنا دل بہلانے کے لیے کسی اور کو یہاں پھانس لاؤ۔"

قد میں
اضافہ ممکن ہے
آپ خواہ
مرد ہوں یا عورت
اپنے پستہ قد میں مزید
اضافہ کرکے اپنی شخصیت کو
خوبصورت اور پُروقار
بنانے کے لئے ہمیں اپنے
موجودہ قد کی پیمائش اور عمر
کی تفصیل ہمراہ جوابی
لفافے کے لکھیں اور مفید
معلومات حاصل کریں۔
KAYBEE HOME
پوسٹ بکس نمبر 2535 - کراچی 74600۔
marksman

Downloaded from https://paksociety.com

"مظہر!" اس کی آواز میں کرب اور شکوا امڈ آیا "میں ایسی گئی گزری نہیں ہوں۔ وعدہ کرتی ہوں کہ ایک بار اس کمرے سے قدم باہر نکالا تو دوبارہ اندر نہیں آؤں گی۔ بس مجھے چند گھنٹے یہاں گزار لینے دو۔"

میں نے بس لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر کہا "ٹھیک ہے۔ میں تمہیں بارہ بجے تک کا وقت دیتا ہوں۔"

میرے فیصلے کی وہ تبدیلی مصلحت آمیز تھی۔ میرے اور اس کے درمیان بگاڑ پیدا ہو چکا تھا لیکن اس بگاڑ کا ایک حد سے تجاوز کرنا میرے لیے سود مند نہیں تھا۔ اس کے ذریعے انل بسواس سے پہلی ناگزیر ملاقات کے بعد میں اس کے بارے میں کوئی آخری فیصلہ کر سکتا تھا۔

وہ تیزی سے جھکی اور میرے کچھ سمجھنے سے پہلے اس نے میری داہنی ہتھیلی کی پشت چوم لی "اوہ! تم کتنے اچھے ہو!"

"میں بہت برا ہوں۔" اپنی جلد پر اس کے گداز ہونٹوں کا سلگتا ہوا لمس محسوس کرتے ہی میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا "مجھے بہلانے پھسلانے کی کوشش مت کرو۔ تم ایک مقصد کے تحت مجھ سے ٹکرائی تھیں، اسی تک محدود رہو۔ آگے مت بڑھو۔"

"مقصد لے کر ضرور آئی تھی لیکن تم نے میرے دل کو گھائل کر دیا۔ جی چاہتا ہے تم کو دیکھتی رہوں، تم سے باتیں کرتی رہوں۔"

"یہ شراب کا اثر ہے۔" میں نے اس کا مضحکہ اڑایا "نشہ اترے گا تو تمہارا دل انکل سے باتیں کرنے کو چاہے گا۔ میرے ساتھ یہ اداکاری مت کرو اور اتنا بتا دو کہ کل دو بجے مجھے انل بسواس کے پاس لے جانے کے لیے ناگر کے علاوہ اور کتنے آدمی اپنے ساتھ لاؤ گی۔"

"تم زبان کے بہت کڑوے ہو۔ بولتے ہو تو دل کو چیر کر رکھ دیتے ہو۔ کل میں ایک بجے اکیلی آؤں گی اور لابی سے تمہیں انٹر کام پر بتا دوں گی۔" اس نے دل گرفتہ آواز میں کہا "غلطی میری ہے کہ تمہاری ذات کے جادو میں آ کر میں نے تمہیں ہر بات سچ سچ بتا دی۔"

کچھ دیر کے لیے مجھے بھی شبہ ہوا کہ وہ مجھ سے سچ بول رہی تھی لیکن اس کا ہر سچ مجھے یہ احساس دلانے کے لیے تھا کہ میں بری طرح اس کے جنگل میں پھنس چکا تھا۔ وہ صرف اور صرف ایک بات سے خوف زدہ تھی کہ میں کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کی اصلیت سے واقف ہو چکا تھا۔

وہ دہلی کے تفریحی علاقوں میں دل پھینک پاکستانی سیاحوں کی تلاش میں بھٹکنے والی رانا کی ایک کال گرل تھی۔ اس کے لیے کال گرل کی اصطلاح اس مفہوم میں غلط تھی کہ اسے اس کے گاہک نہیں بلاتے تھے۔ وہ خود ہی موزوں شکار کی تلاش میں ماری ماری پھرتی تھی۔ وہ اس کی مستقل ڈیوٹی تھی جس کے لیے راوالے اسے کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے فنڈز سے بھاری ماہانہ مشاہرہ دیتے تھے۔

اصلیت کھل جانے کے بعد میری نظروں میں اس کی ذرا بھی وقعت نہیں رہ گئی تھی۔ میں نے اس کی جذباتی شکایت پر ذرا بھی دھیان نہیں دیا۔ کرسی چھوڑ کر سرد مہری سے ہاتھ ہلایا اور کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

رینا اجیت رائے سے میری پہلی ملاقات کا اختتام بہت امید افزا اور سنسنی خیز تھا۔ یوں محسوس ہوا تھا جیسے میں کسی رد و کد کے بغیر بہت آسانی سے انل بسواس تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاؤں گا مگر دوسری ملاقات نے اس خوش فہمی پر پانی پھیر کر مجھے سنگین اندیشوں میں مبتلا کر دیا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں راوالوں کے بچھائے ہوئے جال سے کیسے نکل سکوں گا۔ اس چکر میں پڑنے کے بعد انل بسواس کے خلاف کارروائی کا امکان معدوم ہوتا نظر آ رہا تھا۔

میں نے اوپر پہنچ کر اپنے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔ وہ انداز مخصوص اور طے شدہ تھا۔ غزالہ نے فوراً ہی دروازے کا قفل کھول دیا۔ دروازہ کھلا تو اس کی آنکھوں میں حیرت تیر رہی تھی۔ میں نے مسکراتے ہوئے اس کے رخسار کو چھیڑا اور اندر داخل ہو گیا۔

"اسے سات بجے آنا تھا اور آپ آٹھ بجنے سے پہلے لوٹ آئے۔ کیا رینا نہیں آئی؟" غزالہ اپنے تجسس پر زیادہ دیر تک قابو نہ رکھ سکی۔

"وہ سات بجے ہی آئی تھی۔ اب بھی کمرے میں پڑی اینڈ رہی ہے۔ میں کام کی باتیں کر کے لوٹ آیا۔" میں یہ کہتے ہوئے تھکے ہوئے انداز میں کرسی پر بیٹھ گیا۔

"مجھے حیرت ہے کہ اس نے اتنی آسانی سے آپ کو واپس لوٹنے دیا۔" غزالہ نے عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "میرا خیال تھا کہ وہ آزاد خیال عورت ہے۔ آپ کو روک لے گی اور میں ساری رات انگاروں پر لوٹتی رہوں گی۔"

میں نے محبت سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر جواب دیا "مجھے ہمیشہ تمہارے جذبات کا احساس رہتا ہے۔ پچھلی بار وہ اچانک مجھ سے ٹکرائی تھی۔ آج میں ذہنی تیاری کے ساتھ اس سے ملا تھا مگر آج کی ملاقات اس اعتبار سے مایوس کن تھی کہ وہ مجھے گھیر چکی ہے۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"اس کے ساتھ کوئی قد آور اور درشت رو شخص بھی آیا تھا۔" غزالہ کے اس تائید طلب سوال نے مجھے حیران کردیا۔

"تمہیں کیسے معلوم؟" میں نے بے ساختہ پوچھا۔ میرے ذہن میں اضطراری طور پر اس شبے نے سر ابھارا تھا کہ میرے روانہ ہونے کے بعد وہ چھپ کر کہیں سے نگرانی کرتی رہی ہوگی۔ رینا اور ناگر کے میرے پاس پہنچنے کے بعد وہ اپنے کمرے میں لوٹ آئی ہوگی۔"

"اپریٹس پر گوپال کی کال آئی تھی۔" غزالہ نے سادگی سے جواب دے کر مجھے دل ہی دل میں شرمندہ کردیا "وہ بتا رہا تھا کہ آج رینا را کے ایک بہت خطرناک ایجنٹ کے ساتھ ہوٹل پہنچی ہے۔ اس کے عزائم نیک نظر نہیں آتے۔ آپ اس سے بات کرلیں، وہ بہت فکر مند تھا۔"

غزالہ کے ذہن میں ترجیحات بہت واضح تھیں۔ اس نے میری اور رینا کی ملاقات کی تفصیلات کریدنے کے بجائے گوپال کی کال کے بارے میں بتانا ضروری سمجھا تھا اور یوں موضوع سخن یکایک ہی تبدیل ہوگیا تھا۔

میرے ذہن پر اول خان سوار تھا کیونکہ سات بجے کراچی سے اس کی فون کال آنی تھی۔ اول خان سے وہ پروگرام طے ہونے کے بعد رینا نے بھی ملاقات کے لیے وہی دن اور وقت دے دیا تھا۔ "سات بجے اول خان کا فون آیا تھا؟ کیا کہہ رہا تھا وہ؟"

"فون آیا تھا۔ وہ بہت فکر مند تھا۔ یہاں کام کرنے والے پاکستانی سیکرٹ ایجنٹ حالات اور واقعات کو جس نظر سے دیکھتے ہیں، اس کے مطابق اپنی خفیہ رپورٹیں اسلام آباد بھیجتے ہیں۔" وہ بتانے لگی "وہ جاننا چاہتا تھا کہ ویرا کو ستانے والا انسپکٹر ڈیوڈ پراسرار طور پر کیسے مارا گیا۔"

"دنیا بہت زیادہ سکڑ چکی ہے۔ ذرا سی دیر میں حقائق دنیا بھر میں پھیل جاتے ہیں۔ ویرا کی وہ حرکت بہت خطرناک تھی۔"

"ویرا اپنا راگ الاپ چکی۔ آپ نے بلاوجہ اسے اپنی جان کا روگ بنالیا ہے۔" غزالہ کے لہجے میں ہلکی سی ترشی اتر آئی "یہ دہلی پولیس کی نااہلی ہے کہ وہ اندھیرے میں بھٹک رہی ہے۔ جب انہیں ویرا سے تفتیش کا خیال نہیں آیا تو آپ کو اور اول خان کو کیوں تشویش ہے۔"

"تشویش نہیں، بس تھوڑا سا قلق ہے کہ اس نے ہمیں اعتماد میں لیے بغیر اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگادی۔ وہ یوں بھی ہوئی ہے کہ ایک پولیس افسر صبح سے شام تک دسیوں خطرناک ملزموں اور مجرموں سے ملتا جلتا ہے۔ اس بھیڑ میں کسی کو ویرا کا خیال نہیں آیا ورنہ وہ اب تک پس زنداں ہوتی۔ بہرحال، تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ وقت گزر گیا، خطرہ ابھی ٹلا نہیں ہے۔ ہمیں اس پر اپنا سر نہیں کھپانا چاہیے۔"

"وہ آپ کی سرگرمیوں کے بارے میں بھی جاننا چاہ رہا تھا۔ دس بجے دوبارہ فون کرے گا۔" غزالہ نے بتایا ہے۔

"وہ احمق اور جذباتی آدمی ہے۔" میں نے غصیلے لہجے میں کہا "بیرون ملک سے آنے والی فون کالز کی کثرت ہمارے لیے دردِ سر بن سکتی ہے۔ پاکستان سے چند گھنٹوں میں دو فون کالز! خدا کی پناہ! اول خان آخر کیا چاہتا ہے۔"

"وہ مخلص دوست ہے۔ آپ کی خیریت کے سوا اور کیا چاہ سکتا ہے۔" غزالہ مجھے چڑانے والے انداز میں مسکرائی "آپ کے سارے خیرخواہ ایسے ہی ہیں۔ وہ پاکستان میں رہ کر آپ کے غم میں گھلا جارہا ہے، ویرا آپ کا ہاتھ بٹانے کے لیے دم چھلے کی طرح گلی گلی یہاں آپہنچی ہے اور اب رابرٹو ویلینٹی جیسے سادہ لوح اطالوی نوجوان کو اپنی فیاضیوں سے بہرہ ور کررہی ہے۔ ایک آپ ہیں کہ ان کے جذبات کا احترام کرنے کے بجائے ان پر غصہ دکھا رہے ہیں۔"

اس کے موڈ میں وہ تبدیلی اچانک رونما ہوئی تھی۔ میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا، بس خشم ناک نگاہوں سے اسے گھور کر رہ گیا۔

میرے لیے گوپال زیادہ اہم تھا کیونکہ وہ دہلی میں تھا اور مقامی حالات سے خاصا باخبر بھی۔ میں نے اسے سختی سے منع کیا تھا کہ وہ اور اس کے آدمی میری فکر نہ کریں۔ مجھ سے دور رہیں لیکن اس نے اپریٹس پر غزالہ کو ناگر کے بارے میں بتا کر یہ ثابت کردیا کہ آئی بی والے میری طرف سے غافل نہیں تھے۔ اپنی ذات کے بارے میں میری بے پروایانہ ہدایات کو نظرانداز کرکے وہ اپنے بڑوں کے احکام پر عمل کررہے تھے۔ ان کے لیے میں وی آئی پی کا درجہ رکھتا تھا۔ غنیمت یہی تھا کہ وہ میری نظروں سے دور رہ کر میری حفاظت کررہے تھے۔ میں نے فیصلہ کرلیا کہ اب ان کو اس بارے میں مزید کوئی ہدایت دوں گا نہ تاکید کروں گا۔

کمرے کے دروازے کا قفل چیک کرکے میں نے اپریٹس سنبھالا اور گوپال سے رابطہ کرنے کی کوششوں میں مصروف ہوگیا۔ عابد علی عرف گوپال شاید کہیں پھنسا ہوا تھا۔ میں نے اس کے 'جی ٹو' کے پاس درجنوں بار اس کے لیے وقفے وقفے سے تین پیغام نشر کیے مگر اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ میں نے اپنی کوششیں ترک کردیں۔ مجھے امید تھی کہ وہ

Downloaded from https://paksociety.com

موقع پاتے ہی، پہلی فرصت میں مجھ سے رابطہ کرے گا۔

یہی ہوا۔ چند منٹ بعد اس کی کال آگئی۔ وہ کسی ایسی کھلی جگہ پر تھا جہاں ایریئس نکالنا بھی مشکل تھا۔ اس نے ایک گوشہ عافیت میں پہنچنے کے بعد ایک کھلا پیغام نشر کیا تھا کیونکہ اسے کال کا سگنل ضرور مل چکا تھا لیکن یہ معلوم نہیں تھا کہ ولی رام، سنیل اور مجھ میں سے کس نے اس تک پہنچنے کی کوشش کی تھی۔

"جی ون کالنگ!" میں نے ہلکے ریڈیائی شور میں اس کی آواز سننے کے بعد کہا "میں تمہیں تلاش کررہا تھا۔"

"اس سے پہلے مجھے تمہاری فکر تھی۔ اس وقت تم کہاں ہو؟" میری آواز سن کر اس نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"اپنے کمرے میں ہوں اور خیریت سے ہوں۔ ناگر چند منٹ بعد ہی واپس چلا گیا تھا۔"

"وہ لڑکی زہریلی ہے۔ تم اس کی معصومیت سے دھوکا کھا گئے۔ تمہارے ساتھ کوئی بہت خطرناک داؤ کھیلا جارہا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔" میں نے پرسکون رہتے ہوئے جواب دیا "ہم دشمن تک پہنچنے کی فکر میں تھے لیکن دشمن خود ہی ہمارے سامنے کھلتا جارہا ہے۔ یہ آنکھ مچولی خطرناک ضرور ہے لیکن اس طرح ہمارا کام شاید آسان ہوجائے گا۔"

"تم چیف ہو۔ میں تمہارے تجزیے سے اختلاف کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا لیکن رینا کے ساتھ ناگر کی موجودگی کی خبر سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے۔ میرے لیے یہ تصور کرنا بھی محال ہے کہ دو بدترین دشمن ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہوں اور یہ سمجھ لیا جائے کہ ان میں سے کوئی ایک غافل ہوگا۔"

"وہ لوگ غافل نہیں، بہت ہوشیار ہیں مگر پوری طرح باخبر نہیں ہیں۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟" اس کی آواز سے الجھن مترشح تھی۔

"وہ اپنی دانست میں مظہر خان نامی پاکستانی کو اپنا آلہ کار بنانے کی کوششیں کررہے ہیں۔ مظہر کا قصور یہ ہے کہ وہ ایک غیر لڑکی کے ساتھ ہوٹل کے ایک کمرے میں ٹھہرا ہوا ہے۔ پولیس چیکنگ کے دوران میں یہ بات بھارتی حکام اور را والوں کے علم میں آچکی ہے۔"

شاید تمہاری یہ بات درست ہو۔" میرے جواب سے اس کی الجھن پوری طرح دور نہیں ہوسکی "رینا عام طور پر رنگین مزاج پاکستانیوں کے گرد منڈلاتی ہوئی دیکھی جاتی ہے۔ یہ بات ابھی ابھی میرے ذہن میں آئی ہے ورنہ پہلے ہم اسے را کی ایک اوباش کارکن سمجھتے تھے۔"

"یہ بتاؤ کہ ناگر کو دیکھ کر تم یا تمہارے آدمی اتنے پریشان کیوں ہوگئے تھے۔"

"وہ اپنے ساتھیوں میں خونی بھیڑیے کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا تعلق را کے کمانڈوز گروپ سے ہے۔ یہ گروپ بلیک کیٹس کہلاتا ہے۔ اس کا آنا خطرے کی گھنٹی سے کم نہیں تھا۔ وہ تم سے ملا تھا یا باہر ہی سے واپس لوٹ گیا؟"

گوپال اس کے بارے میں بہت زیادہ متجسس تھا۔

غزالہ میرے قریب کھڑی، بہت توجہ سے دو طرفہ گفتگو سن رہی تھی کیونکہ اس وقت تک میرے اور اس کے درمیان اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔

"وہ آیا، ملا اور چلا گیا۔" میں نے اپنے فنگر پرنٹس کا تذکرہ دانستہ گول کردیا۔ وڈیو فلم بہرحال شجر ممنوعہ تھی۔

"ایں...!" اس کی تحیر زدہ آواز ابھری "اس کے آنے کا مقصد کیا تھا؟"

"رینا چارے کے طور پر استعمال کی جانے والی ایک معمولی لڑکی ہے۔ ناگر اپنے بڑے کی نمائندگی کررہا تھا۔ مجھے کل دو بجے انکل سے ملنا ہے۔"

"اوہ! کل دو بجے! لیکن وہ تم سے کیوں ملنا چاہتا ہے۔ ناگر سے تم نے کچھ تو پوچھا ہوگا۔"

"وہ مجھے شیشے میں اتارنے کی کوشش کرے گا۔ میں تمہیں بتاچکا ہوں کہ وہ مجھے اپنا آلہ کار بنانے کی کوششیں کررہے ہیں۔"

"انہیں بھنک بھی مل گئی کہ تم کون ہو تو معاملہ اچانک بہت سنگین ہوجائے گا۔"

"میں اپنی مرضی سے اس کے پاس نہیں جارہا۔ وہ لوگ خود میری طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ اس ملاقات سے بچنے کی کوئی محفوظ صورت ہو تو مجھے بتاؤ۔ میں پورے خلوص سے اس پر عمل کروں گا۔" میں نے پوری نیک نیتی سے کہا "میں اس ملاقات میں مضمر خطرات سے پوری طرح آگاہ ہوں۔"

"آج پانسہ بالکل پلٹ چکا ہے۔" اس کی سپاٹ آواز آئی "ناگر کے سامنے آنے سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ را والے تمہاری ذات میں گہری دلچسپی لے رہے ہیں۔ اس کا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ کل انکل سے تمہاری ملاقات طے ہوچکی ہے۔ یہ را کا گھر ہے۔ وہ یہاں ہزار پا بلا کی طرح ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ اگر انہوں نے تم کو تاک لیا ہے تو تم

Downloaded from https://paksociety.com

انہیں جل دے کر کہیں بھی نہیں جاسکو گے۔ وہ اپنے منحرفین کو بہت بے رحمی سے کچل ڈالتے ہیں۔"

"میں خود بھی اسی نتیجے پر پہنچا ہوں اسی لیے میں نے خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس وقت بھی ہوٹل سے نکاس کے راستوں کی نگرانی ہو رہی ہو اور میں ہوٹل سے نکلوں تو میرا پیچھا کیا جائے' کہیں نکل بھاگنے کی کوشش کروں تو وہ مجھے روک دیں۔"

"تم واقعی بہت جلد صحیح نتائج اخذ کرتے ہو۔ مجھے یہی سب خیالات پریشان کررہے ہیں مگر میں یہ باتیں دہراتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔ کہیں تم یہ نہ سمجھ بیٹھو کہ میں تم پر حاوی ہونے کی کوشش کررہا ہوں۔"

"میں اتنا نادان نہیں ہوں۔ تمہاری نیک نیتی پر مجھے پورا یقین ہے۔ شاید انسپکٹر کی موت کے بارے میں تمہارے کچھ تحفظات ہیں۔"

میرے آخری سوال پر وہ چونک پڑا "نن .... نہیں تو! تمہیں یہ خیال کیوں آیا؟"

"یہ مقامی نوعیت کا ایک واقعہ تھا۔ اس کی بازگشت اسلام آباد اور کراچی میں سنائی دے رہی ہے۔"

"تم خود سوچو۔ وہ برسوں سے یہاں کام کررہا تھا۔ اس کی بدمعاشیاں اور چیرہ دستیاں کسی سے چھپی ہوئی نہیں تھیں۔ وہ عورتوں کا رسیا تھا۔ اس کے افسروں کو بھی معلوم تھا کہ وہ اکیلی گھومنے والی مشتبہ غیر ملکی لڑکیوں سے اپنا خراج وصول کرتا تھا مگر اس کی مجموعی کارکردگی کی بنا پر اس کی ایسی حرکتوں سے چشم پوشی اختیار کی جاتی تھی۔ پھر یہ کیسے ہوا کہ ایک رات اس نے این پر ڈورے ڈالنے کی ناکام کوشش کی اور اگلی شام وہ مارا گیا۔"

"تو کیا تم این پر کسی قسم کا شبہ کررہے ہو؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں براہِ راست سوال کرڈالا۔

"اس پر شبہ نہیں ہے۔" وہ جلدی سے بولا "بس یہ ڈر ہے کہ اس واقعے سے اس کی پوزیشن مخدوش ہوگئی ہے۔"

"اور تم نے اپنی رپورٹ میں بھی یہ اندیشہ ظاہر کیا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں!" وہ میرے شبے کی تائید کرنے پر مجبور تھا "ہم جو کچھ دیکھتے' سنتے اور محسوس کرتے ہیں' اسے آگے بڑھا دیتے ہیں۔"

"اپنی رپورٹ بھیجتے ہوئے تم نے ایک لمحے کے لیے بھی یہ نہیں سوچا کہ تفتیشی افسران ان خطوط پر نہیں سوچ رہے۔ وہ کچھ مشتبہ افراد کو حراست میں لے چکے ہیں۔"

"یہ پولیس کا روایتی طریقہ کار ہے۔ اکثر وہ سست رفتاری سے پیش قدمی کرتے ہیں۔ کوئی معاملہ ان کے ریکارڈ پر زندہ ہو تو وہ دس برس بعد بھی بال کی کھال نکالنے بیٹھ جاتے ہیں۔ مشتبہ افراد سے پوچھ گچھ میں ناکامی کے بعد وہ کسی بھی وقت تفتیش کا رخ بدل سکتے ہیں۔"

میں نے اس کی بات پر غور کیا تو اس میں وزن تھا۔ میں نے پوچھا "پھر تمہاری کیا تجویز ہے؟"

"این کو یہاں سے لوٹ جانا چاہیے۔ اس سے پہلے کہ وہ تفتیش کی زد میں آئے۔ اسے یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"

"وہ نوے دن کا ویزا لے کر آئی ہے۔ چند روز بعد واپسی اسے بلاوجہ شبہات کی زد میں لے آئے گی۔"

"واپسی کے لیے بیماری کا عذر سب سے مضبوط ہے۔ ویسے بھی کسی جواز کے بغیر کسی سیاح سے پوچھ گچھ نہیں ہوتی خاص طور پر واپس جانے والوں کی زیادہ جانچ پڑتال نہیں ہوتی۔ وہ آج کل میں آرام سے نکل سکتی ہے۔ خطرات سے لڑنے کے بجائے انہیں ٹالنا زیادہ بہتر ہوتا ہے۔"

"تمہارا مشورہ مناسب ہے۔" میں نے پرخیال آواز میں کہا "میں کوشش کروں گا کہ وہ واپس لوٹ جائے۔"

"شاید تمہیں علم ہوگا کہ رابرٹو ویلینی نامی ایک اطالوی لڑکا اس کے ساتھ رہ رہا ہے۔" گوپال کی آواز سے جھجک مترشح تھی۔

"وہ ہمارا ساتھی نہیں ہے۔" میں نے ترشی سے وہ بات وہیں ختم کرنے کی کوشش کی "این کا کوئی پرانا شناسا ہے۔"

"اوکے! پھر ہمارے لیے کیا حکم ہے؟" گوپال نے وہ بات آگے بڑھانے کی کوشش نہیں کی "کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے بارے میں رینا کیا کہتی ہے؟"

اس نے میرے ایک اشارے پر ویرا اور اس کے اطالوی ساتھی کو بھول کر بالکل نیا سوال کیا تھا۔ اس کی معاملہ فہمی پر مجھے خوشی ہوئی اور میں نے دوستانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا "وہ کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کی آڑ میں اپنے مطلب کی لڑکیاں تلاش کرتے ہیں۔ خوب رو جوان اور ضرورت مند یا شوقین لڑکیاں ان کا نشانہ بنتی ہیں۔ انہیں بھرپور آوارگی کی تربیت دینے کے بعد وہ میدان میں اتار دیتے ہیں۔"

"ویری گڈ!" میری تصدیق پر وہ خوش ہوگیا "اب ہم ان کے اس اڈے کو جلد ہی تباہ کردیں گے۔"

"تباہ کردو گے!" میں نے حیرت سے دہرایا "تم لوگ تو

Downloaded from https://paksociety.com

اپنے کام سے کام رکھنے والے ہو۔ خون خرابا تو دور کی بات ہے، غیر ضروری تصادم سے بھی گریز کرتے ہو پھر کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کو کیسے تباہ کرو گے؟"

"تم غلط سمجھ رہے ہو۔ جس کو جو مشن سونپا جاتا ہے وہ تن، من، دھن کی بازی لگا کر اسی مشن پر کام کرتا ہے۔ نتائج حاصل کرتا ہے یا پھر اپنی جان پر کھیل جاتا ہے۔ ہم بلاوجہ اِدھر اُدھر الجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ ایسا کرنے سے اصل ہدف دور ہو جاتا ہے۔ ہمارا روز مرہ کا کام کچھ بھی ہو، اس کا بنیادی مقصد ایک ہوتا ہے۔ اپنے وطن کے خلاف دشمن کی کارروائیوں کو روکنا اور اس کی دہشت گرد ایجنسیوں کی قوت کو توڑنا۔ را والے اگر کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کی آڑ میں نیا خون حاصل کر رہے ہیں تو زیادہ دنوں تک ایسا نہیں ہو سکے گا۔ ان کا یہ کھیل بند ہو جائے گا۔"

"میں سب کچھ سمجھ رہا ہوں مگر تم اس اکیڈمی کے خلاف کیا کرو گے؟"

"ہمیں کچھ بھی نہیں کرنا پڑے گا۔ یہاں رہ کر ہم نے کچھ مراسم استوار کیے ہیں، کچھ دوست بنائے ہیں۔ ان میں سے کسی تیز طرار صحافی کو کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے پیچھے لگا دیں گے۔ جب اخبارات اور ابلاغ کے دوسرے ذرائع میں اکیڈمی کی مذموم کہانیاں، رینا جیسی لڑکیوں کی تصاویر کے ساتھ چھپیں گی تو پورے بھارت میں تہلکہ مچ جائے گا۔ باشعور شہری لرز کر رہ جائیں گے کہ را والے ان کی بہو بیٹیوں کو کیسی بے رحمی سے اپنی بھٹی کا ایندھن بنا رہے ہیں۔ اکیڈمی اور را کی ساکھ داؤ پر لگ جائے گی۔ پریس والے بہت ضدی اور انا پرست ہوتے ہیں۔ وہ کسی کے پیچھے لگ جائیں تو اسے تباہ و برباد کر ڈالتے ہیں۔"

"را ان کا قومی ادارہ ہے۔ وہ اس کے خلاف آواز نہیں اٹھائیں گے۔" میں نے اپنا شبہ ظاہر کیا۔

"شاید را پر وہ ہلکا ہاتھ رکھیں۔ اکیڈمی بہرحال بند ہو جائے گی۔ اس کا براہِ راست نقصان را کو ہوگا۔ یہی ہمارا بنیادی مشن ہے۔ یوں سمجھو کہ تم نے اکیڈمی کے اصل کردار کا راز فاش کر کے ہمارے بنیادی مشن کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔"

"میں تمہاری کامیابی کے لیے دعا گو رہوں گا۔ اس کہانی کا بنیادی نکتہ یہ ہونا چاہیے کہ را کے شہزادوں نے اپنی نہم جنگی تنظیم کو نائٹ کلب میں بدلنے کی کوششیں شروع کر دی ہیں اور اپنے عشرت کدوں میں محصور ہو کر آگ اور خون کا بارودی کھیل بھارتی دوشیزاؤں کو سونپ دیا ہے۔ وہ نظروں کے تیر چلا کر اور حسن کی بجلیاں گرا کر دشمنوں کو گھیرنے میں لگی رہتی ہیں۔ را کے شہزادے کیمروں کی آنکھ سے ان کی کارکردگی پر نظر رکھتے ہیں۔"

"کیمروں کی آنکھ!" میری زبان سے روانی میں بہہ نکلنے والے ان الفاظ نے اسے حیران کر دیا "تو کیا ان لڑکیوں کی پس پردہ سرگرمیوں کی فلم بندی بھی ہوتی ہے؟"

وہ ایک اٹل حقیقت تھی۔ میں اس تجربے سے گزر چکا تھا مگر اس واقعے کو ہر ایک سے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جوشِ بیان میں مجھ سے ایک لغزش ہو گئی تھی اور عابد علی عرف گوپال نے میری وہ بات فوراً پکڑ لی تھی۔ میرے پاس اس کا جواب دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں نے محتاط لہجے میں کہا "رینا اجیت رائے یہی کہتی ہے۔ ہر لڑکی پوشیدہ اور خود کار کیمروں کی نگرانی میں اپنے شکار سے پہلی ملاقات کرتی ہے۔ شکار زیادہ پھڑ پھڑانے اور جال توڑ کر نکل بھاگنے کی کوشش کرے تو بعد میں ان کیمروں کی بنائی ہوئی وڈیو فلمیں اس کو بلیک میل کرنے کے کام آتی ہیں۔"

"پریس کے لیے یہ بہت سنسنی خیز سراغ ہوں گے۔" گوپال کی خوشی دوبالا ہو گئی "وہ ایسی خبریں سونگھتے پھرتے ہیں۔ تم جلد ہی اخباروں میں اپنی کارگزاری کے تصویری فیچر دیکھو گے مگر این والی بات نہ بھولنا۔ میں اس کے لیے فکر مند ہوں۔"

میں نے اسے یقین دلایا کہ میں اس کے مشورے پر عمل کرنے کی پوری کوشش کروں گا۔

میری اور گوپال کی گفتگو ختم ہونے کے بعد غزالہ نے مضطربانہ انداز میں میرا شانہ پکڑ کر مجھے جھنجوڑ ڈالا "یہ آپ کے اندازے ہیں یا یہ ساری باتیں رینا نے آپ کو بتائی ہیں؟" اس کی آواز سے اس کی تشویش اور گھبراہٹ عیاں تھی۔

"تمہیں معلوم ہے کہ میں کسی بات پر یقین کیے بغیر اسے آگے نہیں بڑھاتا۔ یہ سب رینا کے اعترافات ہیں۔"

"میں خوش تھی کہ آج آپ اٹل بسواس کی گردن تک پہنچنے کی خوش خبری لے کر آئیں گے لیکن یہاں معاملہ ہی کچھ اور نظر آ رہا ہے۔"

"یہ ٹھوس زمینی حقائق ہیں جو میرے اختیار سے باہر ہیں۔ رینا سے آج کی ملاقات میں میری ہر خوش فہمی رفع ہو گئی ہے۔"

"اگر کیسا آدمی ہے؟ آپ کے ساتھ اس کا رویہ کیسا تھا؟" غزالہ کی آنکھوں سے ہراس نمایاں تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"بہت تند خو اور درشت رو آدمی ہے۔ اس کا رویہ توہین آمیز تھا۔ وہ زبردستی میرے فنگر پرنٹس لے گیا ہے۔"

"آپ کے فنگر پرنٹس....!" وہ بے ساختہ تقریباً چیخ پڑی "اب وہ پاتال میں بھی آپ تک پہنچ جائیں گے۔"

میں نے اسے سمجھایا کہ اس کا وہ خوف عارضی طور پر بے بنیاد تھا۔ ناگر نے جو کچھ کیا' وہ مظہر خان کے ساتھ کیا تھا۔ ڈینی کا نام اس وقت بھی پردے میں تھا۔

کئی منٹ بعد میری دضاحتیں اس کی سمجھ میں آسکیں۔ آخر اس نے کہا "آپ نے یہ بات گوپال کو نہیں بتائی۔"

"میں چیف ہوں۔ یہ میرا صوابدیدی حق ہے۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا "ناگر نے میری خاصی تذلیل کی تھی۔ مجھے اچھا محسوس نہیں ہوا کہ میں اپنی اس توہین کی کہانی کی خود تشہیر کروں۔ یہ تفصیل سن کر وہ بے چارہ بھی تمہاری طرح پریشان ہوجاتا۔"

غزالہ نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ شاید اس کے وجود میں سوئی ہوئی بیوی کی چھٹی حس یکایک بیدار ہوگئی تھی۔ اس نے تیز سرگوشیانہ آواز میں پوچھا "کیا آپ کی اور رینا کی پہلی ملاقات بھی خفیہ کیمروں کی نگرانی میں ہوئی تھی؟"

میرے حلق میں تلخی سی گھلنے لگی۔ غزالہ کا وہ سوال ٹیڑھا اور نازک تھا۔ میں نے لمحہ بھر توقف کے بعد کہا "رینا انکار کرتی ہے۔ کیمرے اسی وقت حرکت میں آتے ہیں جب بلیک میلنگ کا مواد دستیاب ہونے کی امید ہو۔ میرے اور اس کے پہلے مذاکرات میں ایسی کوئی صورتِ حال پیدا نہیں ہوئی تھی۔"

میں نے اپنی دانست میں اپنا بھرپور دفاع کرلیا تھا مگر مجھے معلوم تھا کہ غزالہ دودھ پیتی بچی نہیں تھی۔ وہ ذہین اور بردبار عورت تھی جو اپنی عمر سے کہیں زیادہ تجربے کار تھی۔ وہ بہت آسانی سے ہر بات کی تہ تک پہنچ جانے کی صلاحیت سے مالا مال تھی۔ وہ بہت پہلے شاید ہر بات سمجھ چکی تھی مگر یہ اس کی بردباری اور رواداری تھی کہ اس نے مجھ سے اس بارے میں قطعی کوئی جرح نہیں کی۔ میں نے جواب دیا' اس نے اسے من و عن تسلیم کرلیا۔

"کل کے بارے میں آپ نے کیا سوچا ہے؟" چند ثانیوں کی گمبھیر اور معنی خیز خاموشی کو غزالہ نے توڑا۔

"رینا کے پاس سے واپس آنے کے بعد سوچنے سمجھنے کا موقع کہاں ملا ہے۔ اول خان سے بات کرلوں تو انل بسواس سے ملاقات کے بارے میں کوئی ذہنی تیاری کروں گا۔ یہ طے ہے کہ میں وہاں کوئی ہتھیار لے کر نہیں جاؤں گا۔"

"جب اس کے اجنبی ملاقاتیوں کے فنگر پرنٹس لیے جاتے ہیں تو اس کے سامنے پیشی سے قبل تفصیلی جامہ تلاشی بھی ہوتی ہوگی۔ وہاں ہتھیار لے جانا خود کو مصیبت میں ڈالنے کے مترادف ہوگا۔ اس کے محافظ ہر ہتھیار برآمد کرلیں گے۔"

"وہ صرف روایتی ہتھیار برآمد کرسکتے ہیں۔" میں نے محض مشورے کے لیے بات آگے بڑھائی "میری انگلیوں میں پہنی ہوئی زہریلی انگوٹھیوں پر وہ کوئی شبہ نہیں کرسکیں گے۔"

"وہ ان کا کوئی بہت اہم اور اعلیٰ افسر ہے۔ اس کے ماتحت آپ کے جسم پر موجود ہر چیز کو شک و شبے کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ میرا خیال ہے کہ آپ ہر فکر سے بے نیاز ہوکر بالکل صاف ستھرے جائیں۔ اس ملاقات میں وہ انگوٹھیاں کس کام آئیں گی۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ ان کے خلاف زہر استعمال کرکے میں نہیں بچ سکوں گا لیکن انل بسواس کا مطالبہ بہت زیادہ سنگین اور شدید ہو تو ان کے ہاتھوں میں کھلونا بننے سے بہتر ہوگا کہ میں ایک دلیر سیکرٹ ایجنٹ کی طرح انگوٹھی کا زہر اپنے اوپر استعمال کراوں۔"

وہ اپنی جگہ چھوڑ کر والہانہ انداز میں مجھ سے لپٹ گئی "جان! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ آپ کو دیکھ دیکھ کر میں نے زندہ رہنا سیکھا ہے۔ آپ کی زبان سے ایسی مایوسانہ باتیں اچھی نہیں لگتیں۔ کیوں میرے دل کو بوجھل کررہے ہیں؟"

"بہترین امیدوں اور توقعات کے ساتھ ہمیں بدترین صورتِ حال کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ میری ان باتوں کو مایوسی کا نام نہ دو۔ یہ حالات کا بے خوفی سے سامنا کرنے کی دلیرانہ اہلیت ہے۔ را والے ایذا رسانی کے ایسے ایسے نادر آلات استعمال کرتے ہیں کہ متعدد ممالک کے افسران ان سے تربیت لینے کے لیے دہلی' ممبئی اور کول کتا آتے رہتے ہیں۔"

"آپ کہہ رہے تھے کہ اول خان سے بات کرنے کے بعد کچھ سوچیں گے مگر ابھی سے سوچنا اور فیصلہ کرنا شروع کردیا۔" وہ مجھ سے الگ ہوتے ہوئے مغموم ہنسی کے ساتھ بولی "بڑے فیصلوں میں اتنی عجلت اچھی نہیں ہوتی۔"

"ہم دونوں بلکہ شاید پانچوں بہت معمولی اور عام سے انسان ہیں مگر تم تاریخ اٹھا کر دیکھو تو تمہیں پتا چلے گا کہ سارے اہم اور تاریخ ساز فیصلے عجلت میں یا اچانک کیے گئے۔" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈال کر کہا "اول خان

Downloaded from https://paksociety.com

کے فون کے انتظار میں' میں اپنے ذہن کا سوئچ بند کرنے سے قاصر ہوں۔"

"ابھی تو نو بھی نہیں بجے۔" غزالہ نے وال کلاک کی طرف دیکھ کر کہا "اس کا فون دس بجے آئے گا۔"

"انتظار کی کوفت سے بہتر ہے کہ میں اسے فون کرلوں۔" میں نے جلی ہوئی سگریٹ ایش ٹرے میں مسل کر اپنا فیصلہ صادر کردیا "را والے ہر طرف پھیلے ہوئے ہوں لیکن ہم جنہم مکانی' بدری ناتھ کی سی ایس ڈی کی وجہ سے ہر خطرے سے محفوظ رہ کر فون استعمال کرسکتے ہیں۔"

"ہم بری طرح پھنسے ہوئے ہیں لیکن غنیمت ہے کہ ہمیں رابطے کی دو سہولتیں میسر ہیں۔ سی ایس ڈی اور اپریٹس کے بغیر ہم گھٹ کر رہ جاتے۔"

غزالہ کی بات پر میں نے اپنے سر کو تفہیمی انداز میں جنبش دی اور فون کی طرف متوجہ ہوگیا۔

اول خان کو فون پر میری آواز سن کر حیرت ہوئی کہ اپنی ناگزیر مجبوریوں کے باوجود میں نے اسے فون کیا تھا۔ اس نے سب سے پہلے ہماری خیریت دریافت کی پھر سی ایس ڈی کے فعال ہونے کی یقین دہانی چاہی۔ ان دونوں نکات پر مطمئن ہونے کے بعد وہ اپنے مدعا پر آگیا۔

اس کی تشویش کے اسباب وہی تھے جو میں سمجھ رہا تھا۔ مجھے شدت سے یہ احساس ہوا کہ زبانی کلامی طور پر مجھے گوپال اور اس کے ساتھیوں کا چیف بنا دیا گیا تھا لیکن وہ لوگ ایک ایسے مستحکم ادارے سے وابستہ تھے جس کے ڈسپلن کو توڑنا کسی کے بس کی بات نہیں تھی۔ وہ لوگ میری ہر بات سنتے تھے بلکہ عزت و احترام سے سنتے تھے مگر کرتے وہی تھے جو ان کے بڑوں نے پہلے سے انہیں ذہن نشین کرایا ہوا تھا۔

جب سے میرا جلال سے تعارف ہوا تھا' اس نے اور اس کے آدمیوں نے میری بھرپور مدد کی تھی۔ نازک لمحات میں مجھے پل پل کی اہم خبریں فراہم کی تھیں۔ معلومات کی فراہمی کا وہ تسلسل بھارت کی سرزمین پر بھی برقرار تھا۔ اس سے آگے ان کا اور میرا طریقہ کار مختلف ہوجاتا تھا۔ وہ اپنے ضابطوں کے پابند تھے۔ ان سے تجاوز نہیں کرسکتے تھے۔ ہر شخص اپنے قول اور فعل کے لیے کسی نہ کسی بڑے کو جواب دہ تھا جب کہ میرے ہاتھ کھلے ہوئے تھے۔ میں کسی ضابطے کا پابند تھا نہ کسی کو جواب دہ تھا۔ میری سب سے بڑی قوت اس حقیقت میں پوشیدہ تھی کہ اول خان سے جلال تک' ہر شخص کو میرے خلوص اور نیت کی راستی پر گہرا یقین تھا۔ میں جو کچھ بھی کرگزرتا تھا' اس پر مجھ سے کوئی باز پرس کرنے کے بجائے اس کا جواز فراہم کرنے کی ہر ممکن کوششیں کی جاتی تھیں۔

اول خان لاہور سے ہماری روانگی کے بعد سے بااختیار لوگوں سے مسلسل قریبی رابطوں میں تھا۔ ان ذرائع سے وہ باتیں اس کے کانوں تک بھی پہنچی تھیں جو گوپال مجھے تھوڑی دیر پہلے بتا چکا تھا۔ اول خان کو ویرا کی سرگرمیوں اور میری سلامتی کے بارے میں سنگین اندیشے لاحق تھے۔

میں نے اس سے بھی وہی کچھ دہرایا جو میں گوپال سے کہہ چکا تھا۔ اول خان سے میرا گہرا اور جذباتی تعلق تھا اس لیے مجھے لفاظی اور زیادہ وضاحتوں سے کام لینا پڑا لیکن اس ساری گفتگو کا خلاصہ وہی کاوہی تھا۔ اس میں سرمو فرق نہیں آیا تھا۔ میں نے اسے یہ بھی بتا دیا تھا کہ اگلے دن میری اور انل بسواس کی ملاقات ہونے والی تھی۔

خاصی بحث و تمحیص کے بعد اس کے لب و لہجے میں اعتدال پیدا ہوا تو میں نے اس سے سلطان شاہ کے بارے میں دریافت کیا۔

"وہ آج صبح سے غائب ہے۔ اس کے سر پر اس شخص کو تلاش کرنے کا بھوت سوار تھا جس نے تمہارے پاسپورٹ پر درج پتے پر پہنچ کر مظہر خان کے بارے میں معلومات جمع کی تھیں۔ وہ قسم کھا چکا ہے کہ اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔" اول خان کی افسردہ آواز ابھری۔

"تم نے اسے کیوں نہیں روکا؟ اتنے بھرے پرے شہر میں ایک بے نام و نشان شخص تک پہنچنا ناممکن ہے۔" میں نے مضطربانہ انداز میں پہلو بدل کر کہا۔

"میں نے سب کچھ بتایا اور سمجھایا تھا۔ کل رات دیر تک میرے اور اس کے درمیان بحث ہوتی رہی۔ آخر میں وہ لاجواب ہو کر خاموش ہوگیا تھا۔" اول خان فون پر بتا رہا تھا "میرے فرشتوں کو بھی اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ وہ صبح ناشتا کرتے ہی خاموشی سے اسٹیشن فور سے نکل جائے گا۔"

اول خان کا عذر جائز تھا۔ وہ سلطان شاہ کو زنجیروں سے باندھ کر نہیں روک سکتا تھا۔ اسے صرف سمجھا سکتا تھا اور یہ فرض اس نے یقیناً پورا کیا تھا۔ میں نے کہا "یہ تم نے پریشان کرنے والی خبر سنائی ہے۔ پتا نہیں وہ کہاں مارا مارا پھر رہا ہوگا اور کب واپس لوٹے گا۔"

"میں نے اس کے کمرے کا جائزہ لیا ہے۔ وہ کپڑے وغیرہ ساتھ لے کر گیا ہے۔ کامیابی یا مکمل ناامیدی سے پہلے اس کی واپسی کی امید نہیں ہے۔ میں نے اپنے پورے اسٹاف کو حکم دے دیا ہے کہ وہ شہر میں کہیں بھی نظر آجائے تو اسے

Downloaded from https://paksociety.com

اٹھالیا جائے۔۔۔"

"نگڈ!" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "تم نے یہ ہدایت کب جاری کی تھی؟"

"شام تک میں اس کی واپسی یا کسی پیغام کا انتظار کرتا رہا۔ مجبور ہو کر میں نے چھ بجے یہ حکم دیا ہے۔"

میرے دل میں ٹھنڈک سی پڑ گئی۔ میں کراچی میں نہیں تھا لیکن اول خان پوری فرض شناسی کے ساتھ سلطان شاہ کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔ مجھے امید تھی کہ اسپیشل ٹاسک فورس کی گشتی نفری سلطان شاہ کو زیادہ دیر تک شہر کی گلیوں میں نہیں بھٹکنے دے گی۔ اسے جلد ہی اسٹیشن فور کے محفوظ کیمپ میں پہنچا دیا جائے گا۔

"جب بھی اور جہاں سے بھی موقع ملا' میں کل تمہیں فون کرلوں گا۔ تم کوشش نہ کرنا کیونکہ آنے والا دن مجھے ذرا بھاری نظر آرہا ہے۔" میں نے کہا۔

"فون ضرور کرلینا۔ آدم خور شیر نے تمہیں اپنی کچھار میں بلایا ہے تو اس میں خطرہ ہی خطرہ ہے۔ میرا دھیان تمہاری طرف لگا رہے گا۔"

"ساری بات مہلت کی ہے۔ مہلت ملی تو ضرور خون کروں گا۔ مجھے ابھی سے سلطان شاہ کی فکر لاحق ہوگئی ہے۔"

"غزالہ کو بریف کردو۔ خدانخواستہ کوئی گڑبڑ ہو تو شام ڈھلنے سے پہلے وہ مجھے مطلع کردے۔ وہ بہت ذہین لڑکی ہے۔ تم اپنی مہم پر نکل گئے تو وہ تمہارے لیے دوسری دفاعی لائن کا کام سرانجام دے گی۔"

میں نے کن انکھیوں سے غزالہ کی طرف دیکھا جو میرے قریب سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے اپنے لہجے میں زبردستی مزاح پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا "میرے ساتھ کوئی گڑبڑ ہوئی تو غزالہ بھی محفوظ نہیں رہے گی۔ تم میری سرخ روئی کے لیے دعا کرتے رہو۔"

"تم اور جلال کے وہ آدمی جو اس وقت دشمن کی سرزمین پر ہیں' سب وطن اور اپنی مٹی کے لیے جانیں لٹانے والے گمنام سپاہی ہیں۔ اول خان تم سب کو سلام کرتا ہے اور اپنے دل کی گہرائیوں سے تم سب کی کامیابی کا آرزومند ہے۔۔۔"

اس کی آواز فرط جذبات سے دل گرفتہ ہونے لگی۔ اپنے دیس کی فضاؤں سے آنے والا وہ محبت بھرا پیغام سن کر میرا دل بھی بھاری ہونے لگا۔ میں نے جلدی سے خدا حافظ کہہ کر فون کا ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

○☆○

ویرا اپنے کمرے کی نرم اور آرام دہ مسہری پر دراز تھی اور ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ لیے' دلچسپی سے رابرٹو کی طرف دیکھے جارہی تھی جو مسہری سے کچھ دور رکھے ہوئے صوفے پر دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامے بیٹھا ہوا تھا۔

"تم کب تک کسی جوان بیوہ کی طرح یوں اداس بیٹھے رہو گے؟" جب کافی دیر تک رابرٹو یلینی کی حالت میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی تو ویرا کو مجبور ہو کر اسے ٹوکنا پڑا "تم یہ کیوں بھول گئے ہو کہ اس کمرے میں تم تنہا نہیں ہو۔"

رابرٹو نے دونوں ہاتھ گرا کر اپنا سر اوپر اٹھایا تو اس کے بال منتشر تھے' آنکھیں سرخ اور متورم ہو رہی تھیں' چہرے پر وحشت ناچ رہی تھی "میں اس گھڑی کو کوس رہا ہوں جب میں مرینا بار میں اپنا گلاس لے کر تمہاری میز پر آیا تھا۔ مذاق ہی مذاق میں تم نے مجھے مروا دیا۔ جب سے تمہارا ساتھ ہوا ہے۔ میں ایک رات بھی پوری نیند نہیں لے سکا۔ آنکھ لگتے ہی خواب میں پھانسی کا پھندا نظر آنے لگتا ہے۔"

"مجھے بتاؤ کہ اس میں میرا کیا قصور ہے۔ میں نے اسے صرف بے ہوش کیا تھا۔۔۔"

"تم یہ جملہ پچاسویں مرتبہ کہہ رہی ہو۔ یہ ساری مصیبت تمہاری لائی ہوئی ہے۔" رابرٹو نے بھنا کر ویرا کی بات کاٹ دی "تم کو ایک ذمے دار پولیس افسر سے ایسا گھٹیا مذاق کرنے کی کیا ضرورت تھی جس کا انجام قتل بھی ہو سکتا تھا؟"

"مجھے الہام نہیں ہوا تھا کہ وہ مار ڈالا جائے گا۔" ویرا نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں کہا۔

"تم نے اسے بے ہوش کرتے ہی یہ خدشہ ظاہر کردیا تھا کہ شہر میں اس کے ہزار دشمن تھے۔ بے ہوشی کی حالت میں کوئی اسے مار بھی سکتا تھا اور اگلے دن کے اخباروں نے اس کی موت کی تصدیق کردی۔ تمہاری زبان کالی ہے۔ اب تک میں اس امید پر خاموش تھا کہ شاید تم میری جان چھوڑ دو مگر تم نے ذرا دھوکا کر مجھے اپنا یرغمالی بنایا ہوا ہے۔ آج مجھے تمہارے شکنجے میں آئے تیسری رات ہے۔ میں آزادی چاہتا ہوں۔"

"تم ریسرچ اسکالر کے بجائے کسی پرائمری اسکول کے طالب علم جیسی باتیں کررہے ہو۔" ویرا نے منہ بنا کر سرد مہری سے جواب دیا "تم کو علم ہے کہ میں کیا کچھ چاہتی ہوں مگر اسے حاصل نہیں کرسکتی؟ انسان کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔"

"خدا مجھے سیدھی راہ پر چلا رہا تھا۔ تم نے شیطان بن کر مجھے بہکایا ہے۔" رابرٹو نے مٹھیاں بھینچ کر دانت پیسے "کل اور آج کے اخباروں میں آچکا ہے کہ پولیس والوں نے قتل

Downloaded from https://paksociety.com

کے شبے میں کئی آدمیوں کو پکڑلیا ہے۔ میرا یا تمہارا دور دور تک ذکر نہیں ہے لیکن تم مجھے ڈرائے جارہی ہو۔"

"دیکھو رابرٹو! مجھ سے الجھنے کی کوشش مت کرو۔ دانت پیستے ہوئے تم بالکل بندر جیسے ہوجاتے ہو۔ تم مسلسل میری شامیں برباد کررہے ہو۔ میں نے تمہارے ساتھ زبردستی نہیں کی تھی۔ تم کو پہلے ہی بتادیا تھا کہ میں ایک پولیس افسر کے ساتھ چھوٹا سا مجرمانہ مذاق کرنا چاہتی ہوں۔ یہ تمہاری بدنصیبی تھی کہ کسی اور نے اسے مار دیا۔ مجھے خطرات میں گھرا ہوا چھوڑ کر تم کہیں نہیں جاسکتے۔ ہمیں بھارت میں ایک ساتھ رہنا ہے اور ساتھ ہی یہاں سے نکلنا ہے۔ اپنا موڈ درست کرو تاکہ ہم یہ وقت بہتر طور پر گزار سکیں۔ اپنے ساتھ تم نے مجھے بھی ناقابلِ برداشت کرب میں مبتلا کیا ہوا ہے۔"

رابرٹو چند ثانیوں تک متوحش نظروں سے ویرا کی طرف دیکھتا رہا پھر دھیمی مگر غصیلی آواز میں غرایا "تم شرافت سے میری جان نہیں چھوڑو گی تو میں خاموشی سے تمہارا ساتھ چھوڑ کر کہیں بھی نکل جاؤں گا۔"

ویرا اس کی حماقت پر دل ہی دل میں مسکرا کر رہ گئی۔ ویرا کو دھمکی دے کر وہ اندازہ لگانا چاہ رہا تھا کہ اس کی ایسی کسی کوشش کی کامیابی کے کیا امکانات تھے۔ ویرا نے کاٹ دار لہجے میں کہا "پہلی بات تو یہ سن لو کہ تمہارے تیور دیکھ کر میں نے کل ہی تمہارے سفری تھیلے سے تمہارا پاسپورٹ اور ٹکٹ اڑالیا تھا۔ اب یہ دونوں چیزیں میرے قبضے میں ہیں۔ اس کے باوجود تم بھاگ نکلے تو کسی جہاز کی دم سے نہیں لٹک سکتے۔ بکنگ کے بغیر تمہارا نکلنا محال ہوگا۔ تم کو اپنے سفارت خانے سے دوسرا پاسپورٹ لینا ہوگا۔ اس سے پہلے میں پولیس اسٹیشن پہنچ کر اپنے ضمیر کا بوجھ ہلکا کرلوں گی۔ تم ضمیر کا بوجھ تو سمجھتے ہو نا؟ میں...."

رابرٹو نے اعصاب زدہ انداز میں اس کی بات اڑا دی "اپنے ضمیر کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے تم سارا الزام میرے سر تھوپ دو گی۔ میں انہیں بتاؤں گا کہ تم چور اور جھوٹی ہو۔ سارا کیا دھرا تمہارا ہے۔ تم کو پھانسی کے پھندے پر لٹکا دیا جانا چاہیے۔"

"گڈ!" ویرا نے برافروختہ ہوئے بغیر، زہریلے لہجے میں کہا "میں بھی یہی بتانا چاہ رہی تھی۔ میری الزام تراشی کے بعد وہ تمہیں فرار ہونے سے پہلے پکڑلیں گے۔ تم مجھ پر الزام لگاؤ گے۔ بات الجھ جائے گی۔ سچ کا فیصلہ عدالتوں میں ہوتا ہے۔ جب تک یہ فیصلہ نہیں ہوگا، ہم دونوں جیل میں سڑتے رہیں گے۔ تم کو ڈبونے کے لیے میں اپنی زندگی بھی تباہ کرلوں گی۔ میرے بدن کے رازداں بن کر تم اتنی آسانی سے نہیں بھاگ سکتے۔"

"تم بہت مکار اور صورت حرام لڑکی ہو۔" رابرٹو اپنے کانوں کو چھو کر کراہا "مجھے معلوم ہوتا کہ تم ایسی شیطان صفت نکلو گی تو بھول کر بھی تمہاری طرف نہ دیکھتا۔"

"اب سبق مل گیا۔ آئندہ ایسی غلطی نہ کرنا۔" ویرا نے اس کا مضحکہ اڑایا۔

کچھ دیر کے لیے کمرے کی فضا میں خاموشی پھیل گئی۔ رابرٹو دہشت زدہ تھا اور اندر سے کھول رہا تھا۔ ویرا اس کی حالت سے محظوظ ہورہی تھی۔ وہ رابرٹو ٹیلینی کے اعصاب کو توڑ پھوڑ کے ایک سوچے سمجھے اور مسلسل عمل سے گزار رہی تھی تاکہ اسے کسی اگلے کام کے لیے آمادہ کرسکے۔ وہ اسے اپنے مقدر کی یاوری سمجھ رہی تھی کہ اسے کام کا ایک آدمی مل گیا تھا۔ اسے وہ کسی بھی قیمت پر اپنے ہاتھ سے نکلنے نہیں دینا چاہتی تھی۔

"آخر تم کیا چاہتی ہو؟" کچھ دیر بعد رابرٹو نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"انتظار اور صرف انتظار۔" ویرا نے دل فریب مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا "مطلع صاف ہوتے ہی ہم یہاں سے نکل جائیں گے۔"

"یہ بات تم پرسوں شام سے کہہ رہی ہو۔"

بے اعتباری سے کہا "میں سمجھ رہا تھا کہ ہماری صرف رات بے یقینی کے عالم میں گزرے گی۔ اگلی صبح کی بارش اطلاعات سے سب کچھ سامنے آجائے گا اور ہم ہنسی خوشی اپنی اپنی راہ لیں گے۔ پتا نہیں اب تمہیں کس منحوس گھڑی کا انتظار ہے۔"

"ایسے واقعات کی گرد ہفتے عشرے میں بیٹھتی ہے۔" ویرا نے رسانیت سے کہا "تم مزید دو تین دن صبر کرلو۔"

"کس لیے....؟ آخر کس لیے....؟" رابرٹو پھر ہتھے سے اکھڑ گیا "میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ تم یہاں کیوں پڑی ہوئی ہو۔ میں ریسرچ کے لیے اس ذلیل ملک میں آیا تھا۔ تم یہاں کیا کررہی ہو؟ تمہیں کوئی فکر ہے نہ کہیں آتی جاتی ہو۔ بستر توڑتی اور مجھے سلگاتی رہتی ہو۔ تم آج ہی یہاں سے کیوں نہیں نکل جاتیں؟ میری بھی جان چھوٹ جائے گی۔ مجھے صرف یہ سمجھا دو کہ ہم اس کمرے میں پڑے، کیوں سسک رہے ہیں۔ میں دو تین دن صبر کرلوں گا۔"

"تمہاری خاطر میں یہ ساری احتیاط کررہی ہوں۔" ویرا

Downloaded from https://paksociety.com

نے سنجیدگی سے اسے سمجھانے کی کوشش کی "ان مشرقی ملکوں کو تم مجھ سے زیادہ نہیں جانتے۔ آج کل ہر طرف کڑی چھان بین ہو رہی ہوگی۔ کوتوالی میں کئی پولیس والوں نے تمہیں ڈیوڈ کے بارے میں معلومات حاصل کرتے دیکھا ہوگا۔ تمہاری ایک جھلک دیکھتے ہی ان کی یادداشت تازہ ہو سکتی ہے۔ کسی نے تم کو دیکھ لیا تو تم بے موت مارے جاؤ گے۔"

"میں مارا جاؤں گا نا؟" اس نے اپنے سینے پر ہاتھ مار کر غصے سے کہا "یہ میرا مسئلہ ہے۔ تم میرے راستے کی دیوار کیوں بنی ہوئی ہو؟"

"ہائے.....! تم کتنے معصوم ہو" ویرا نے استہزائیہ لہجے میں افسوس کا اظہار کیا "تم پکڑے گئے تو میں جانتی ہوں کہ پولیس کا ظالمانہ تشدد دس منٹ سے زیادہ نہ سہ سکو گے۔ جھٹ میرا نام لے دو گے۔ بتاؤ کہ پھر یہ مسئلہ کس کا ہوگا؟ میرا، تمہارا یا ہم دونوں کا؟"

"جب میں تم طاق ہو۔ تم سے جیتنا مشکل ہے۔ رفتہ رفتہ مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ تم مجھے بلیک میل کرنا چاہتی ہو مگر میں بتا چکا ہوں کہ میں ایک قلاش آدمی ہوں۔ پاسپورٹ اور ٹکٹ چراتے ہوئے تم نے دیکھ لیا ہوگا کہ میرے سفری تھیلے میں کوئی قیمتی چیز یا رقم نہیں ہے" رابرٹو کی آواز پھر دھیمی ہو گئی۔ ویرا نے اس کا ذہن اس حد تک ماؤف کر دیا تھا کہ وہ کوئی بھی ایک روبہ اختیار نہیں کر پا رہا تھا۔ کبھی گرمی دکھا رہا تھا اور کبھی ہتھیار ڈال دیتا تھا۔

ویرا نے مسہری پر پہلو بدل کر سگریٹ سلگائی۔ سوچنے کے انداز میں اس کے چند گہرے کش لے کر دھوئیں کے مرغولے فضا میں بکھیرتی رہی پھر چونک کر رابرٹو سے بولی "اگر تم میرا ایک کام کر سکو تو میں ہر خطرہ مول لے کر تمہیں یہاں سے نکلنے کی اجازت دے سکتی ہوں۔"

رابرٹو کی وحشت زدہ اور سرخ آنکھوں میں امید کی چمک جاگ اٹھی اور وہ اضطراری انداز میں صوفے سے اٹھ گیا "کیا کام ہے وہ؟ تم نے مجھے اس حال کو پہنچا دیا ہے کہ شاید اب میں تمہارے ایک اشارے پر جہنم میں بھی چھلانگ لگانے پر آمادہ ہو جاؤں گا۔"

"میں تم سے اتنا بڑا کام نہیں لوں گی" ویرا نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا "وہ ایک معمولی سا کام ہے۔"

"میرے اعصاب پہلے ہی جواب دے چکے ہیں۔ ان پر مزید زور نہ ڈالو۔ جلدی بتاؤ کہ وہ کیا کام ہے؟"

"تمہیں میرا ایک بند لفافہ میرے ایک دوست تک پہنچانا ہے۔ اس کی طرف سے لفافہ مل جانے کی اطلاع کے بعد تم آزاد ہو جاؤ گے۔"

"مجھے منظور ہے" رابرٹو نے بے تابی سے اقرار کر ڈالا "تم جس بے رحمی سے میرے ساتھ کھیلتی رہی ہو اس کی بنا پر مجھے پورا یقین ہے کہ تمہارا بتایا ہوا کام اتنا آسان اور سادہ نہیں ہوگا۔ اس میں کوئی نہ کوئی پیچ ضرور ہوگا۔ پھر بھی میں اس کے لیے تیار ہوں۔"

"میری نیت پر شبہ مت کرو۔ میں نے تم پر رحم کھا کر یہ فیصلہ کیا ہے۔ مجھے یہی انتظار تھا کہ ہر خطرہ ٹل جائے تو میں خود وہ لفافہ اپنے دوست تک پہنچا دوں۔ اس کے بعد میں فوراً بھارت سے نکل سکتی تھی۔ میں اب تک اسی کے لیے رکی ہوئی ہوں۔"

"وہ لفافہ اسی قدر اہم ہے تو تم نے ڈیوڈ سے جان لیوا مذاق کرنے سے پہلے اسے اپنے دوست تک کیوں نہیں پہنچایا؟" دباؤ کم ہوتے ہی رابرٹو کے سیلینی کے دماغ نے صحیح سمت میں کام کرنا شروع کر دیا تھا۔

"لفافے میں صرف پیغام نہیں، کوئی اور چیز بھی ہے جو میں نے ڈیوڈ کو بے ہوش کرنے کے بعد اس کی جیب سے نکالی تھی" ویرا نے بات بنائی۔

"پھر اسے تم ہی نے کوئی سریع الاثر زہر دے کر مارا ہوگا تاکہ وہ ہوش میں آنے کے بعد اس اہم چیز کے غائب ہونے کا شور نہ مچا سکے۔"

"یہ لغو بات ہے لیکن میں تم سے بحث نہیں کروں گی۔ تم ایسا سمجھتے رہو۔ اس سے تمہاری پوزیشن صاف نہیں ہوتی۔ تم میرے شریکِ کار تھے اور کوتوالی کے متعدد سپاہی ڈیوڈ کی ذات میں تمہاری دلچسپی کی گواہی دے سکتے ہیں۔"

"میں نے کل ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ تم ڈوبیں تو مجھے ضرور اپنے ساتھ لے ڈوبو گی؟" رابرٹو نے ایک گہرا سانس لے کر بے بسی سے کہا "اب ان باتوں میں کچھ نہیں رہا۔ اس وقت میں بری طرح تمہارے شکنجے میں آیا ہوا ہوں۔ تم اب کام کے بارے میں بتاؤ۔"

"تم نے چانگیہ پاری کا علاقہ دیکھا ہوگا۔ کل تمہیں اسی علاقے میں واقع ہوٹل سمراٹ میں جانا ہوگا۔"

"وہ ہوٹل میں نے باہر سے دیکھا ہوا ہے۔ اپنی مفلسی کے باعث میں اندر جانے کی ہمت نہیں کر سکا تھا۔"

"یہ تمہاری بدقسمتی تھی۔ یہاں کے لوگوں کی سوچ عجیب ہے۔ یہ مفلس ترین گورے کو بھی لکھ پتی سمجھتے ہیں۔ اس کے ہر پہناوے کو فیشن سمجھ کر توقیر کی نظر سے دیکھتے

Downloaded from https://paksociety.com

ہیں۔"

"فکر نہ کرو۔ میں بے دھڑک تمہارے دوست تک پہنچ جاؤں گا" رابرٹو نے یقین دلایا "اپنے دوست کا نام بتاؤ۔"

"ابھی سوا نو بجے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ تم اسی وقت ہوٹل سمراٹ کا ایک چکر لگا کر اس کا کمرا دیکھ لو....."

"اس کی کیا ضرورت ہے؟" رابرٹو نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا "مجھے کون سا اسے مارنا یا بے ہوش کرنا ہے۔ لفافہ دینا ہے، وہ پہلے سے کمرے کا جائزہ لیے بغیر بھی پہنچایا جاسکتا ہے۔ تم اس کا نام بتادو تو میں ابھی ہوٹل سمراٹ فون کرکے اس کے کمرے کا نمبر معلوم کیے لیتا ہوں۔"

"بھول کر بھی یہ حماقت نہ کرنا" ویرا نے اس پر آنکھیں نکالیں "احتیاط ضروری نہ ہوتی تو مجھے اور تمہیں اب تک حالات سازگار ہونے کا انتظار نہ کرنا پڑتا۔"

"مجھے اس کا نام بتاؤ اور میرا ٹکٹ اور پاسپورٹ مجھے لوٹادو۔" رابرٹو نے بے صبری سے مطالبہ کیا۔

"تمہاری دونوں چیزیں کام پورا ہوتے ہی تمہیں لوٹا دی جائیں گی۔ یہ میرا وعدہ ہے۔ اس کا نام میں تم کو صبح بتاؤں گی۔"

رابرٹو نے مزید کچھ کہنا چاہا لیکن فون کی گھنٹی کی چیخ نے اسے بولنے کا موقع نہیں دیا۔

○☆○

مرینا ہوٹل کی آپریٹر نے جوں ہی میری کال ویرا کو منتقل کی، میں نے سی ایس ڈی آن کردی۔

میری آواز سن کر وہ قیر آمیز خوشی کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکی "مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا کہ یہ تمہاری آواز ہے۔"

"یہ میری ہی آواز ہے اور میری یہ فون کال بہت اہم ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا پھر پوچھا "تمہارا اطالوی دوست کہاں ہے؟"

"یہیں صوفے پر بیٹھا ہوا ہے۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔ وہ اردو نہیں جانتا اسی لیے میں اردو بول رہی ہوں۔"

"تم کیا کر رہی ہو۔ تمہارا کیا پروگرام ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"فی الحال صرف آرام کر رہی ہوں اور سوچنے میں مصروف ہوں کہ اگلے شکار کو کیسے چارہ ڈالا جائے۔" اس نے مبہم سا جواب دیا۔

"میں چاہتا ہوں کہ تم اگلے شکار کو بھول جاؤ اور فوری طور پر وطن لوٹ جاؤ۔" میں نے پوری سنجیدگی سے اپنی تجویز پیش کردی۔

"کس وطن کی بات کر رہے ہو؟ میں تو خانہ بدوش ہوں۔ امریکا سے نکلنے کے بعد اب جہاں پڑاؤ کرلیتی ہوں، وہی میرا عارضی وطن بن جاتا ہے۔"

"میں اس وطن کی بات کر رہا ہوں جس کا اندراج تمہارے پاسپورٹ پر ہے۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کیوں؟ اس وقت تمہیں میری واپسی کا خیال کیوں ستا رہا ہے؟"

"حالات الجھ گئے ہیں۔ میں کسی وجہ سے ان کی نظروں میں آگیا ہوں۔ کل مجھے اس نے طلب کیا ہے جس کے لیے ہم یہاں آئے تھے۔" میں نے انکشاف کیا۔

"اوہ!" ریسیور پر اس کی بے ساختہ سیٹی گونجی "تمہاری بات مبہم ہے۔ فون پر زیادہ تفصیل نہیں پوچھی جاسکتی۔ کیا ہم کہیں مل سکتے ہیں؟"

"ناممکن ہے!" میں نے سختی سے کہا "اس وقت ان گنت خفیہ آنکھیں میری نگرانی کر رہی ہوں گی۔ میری اور تمہاری ملاقات ان سے پوشیدہ نہیں رہ سکے گی۔ میری بات

مرد حضرات ہی پڑھیں

آپ بھی بے پناہ قوت کے مالک بن سکتے ہیں

دیکھا گیا ہے کہ افریقی گوریلے میں اتنی بے پناہ قوت ہوتی ہے کہ وہ شیر کی ٹانگیں چیر کر پھینک دیتا ہے۔ جرمن سائنسدانوں نے اسکی قوت کے اس راز پر برسوں تحقیق کی اور کئی ناکارہ بوڑھوں کے جسم میں بندر کے غدود دوں کی کامیاب پیوندکاری کرکے جوان مرد بنا دیا۔ انگریز سائنسدانوں نے گوریلے کی خوراک میں شامل قیمتی جڑی بوٹیوں کا سالہا سال اپنی لیبارٹریوں میں تجزیہ کرکے اسے کمزور نوجوان جو خاص کمزوری میں مبتلا تھے ایک ایک ہفتہ آزما کر یہ ثابت کردیا کہ یہ جوہر بے پناہ قوت کا سرچشمہ ہے اب ہم اس جوہر کو نسخے کی شکل میں آپکی خدمت میں پیش کرتے ہوئے فخر محسوس کر رہے ہیں اس جوہر کو مزید جانچ پڑتال کے بعد پاکستانی آب و ہوا کے مطابق بنادیا گیا ہے اس نسخے کے استعمال سے آپ محسوس کریں گے کہ آپ کے رگ رگ میں بجلی کی سی لہر دوڑ گئی ہے اور رگ پٹھوں میں نئی زندگی پیدا ہوگئی ہے اور آپکو وہ تمام خوشیاں میسر ہوجائیں گی جن سے آپ ایک مدت تک محروم رہے۔

آج ہی ایک خط اپنی مکمل کیفیت لکھکر جوابی لفافے کے ہمراہ ہمیں روانہ کریں آپکو یہ نسخہ فوراً روانہ کردیا جائے گا۔

ایم۔ کے لیبارٹریز

پوسٹ بکس 2479 کراچی 74600 پاکستان

Downloaded from https://paksociety.com

سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں اس وقت سخت الجھن اور اضطراب کے عالم میں ہوں۔"

"اچانک یہ بری خبر سنا کر تم نے میرے ہاتھ باندھ دیے ہیں ورنہ کل میں ایک اور وار آزمانے کا قصد کر چکی تھی۔ اس نے تمہیں کیوں بلایا ہے؟"

"یہ اس سے ملنے کے بعد ہی معلوم ہو سکے گا۔ تم کل کس پر اور کون سا وار آزمانے والی تھیں؟"

"بہت اچھا ہوا کہ تم نے مجھے فون کر لیا۔ اب میرا کل کا پروگرام ملتوی سمجھو۔ ایک دن میں دو محاذوں کا کھلنا مناسب نہیں ہے۔ میرا داؤ چل جاتا تو کل جان کا قصہ بھی نمٹ جاتا۔"

اس کی زبان سے وہ انکشاف سن کر میں سناٹے میں آ گیا "اتنا تیز نہ چلو۔ تیز رفتاری میں بہت بری طرح ٹھوکر لگتی ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر مرتبہ قسمت تمہارا ساتھ دیتی رہے۔ کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے اس کی ناکامی کے نتائج پر غور ضرور کر لینا چاہیے۔"

"مجھے زیادہ مشورے نہ دو۔ آنے والی ملاقات پر دھیان دو۔ تم بھیڑیوں کے بھٹ میں جا رہے ہو۔ تم کو وہاں خالی ہاتھ جانا ہوگا۔"

"خالی ہاتھ جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کم از کم دو انگوٹھیاں میری انگلیوں میں موجود ہوں گی۔"

"انگوٹھیاں.....!" ویرا کی حیرت زدہ آواز ابھری "کس قدر تعجب کی بات ہے کہ میں بھی جان کو انگوٹھی کا تحفہ بھیجنے کا فیصلہ کیے بیٹھی تھی۔ میری تدبیر کارگر ہو جاتی تو وہ اپنے ہاتھوں سے موت کو گلے لگا لیتا۔ میرے پیغام پر عمل کرتے ہی انگوٹھی کا زہر اس کے بدن میں سرایت کر جاتا۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے زن سے کوئی گولی میرے کان پر سے گزری ہو۔ میں نے گوپال کے مشورے پر ویرا کو فوری واپسی پر آمادہ کرنے کے لیے وہ فون نہ کیا ہوتا تو اگلے دن ہم دونوں اپنے ہاتھوں سے خود کو تباہ و برباد کر چکے ہوتے۔

ویرا کسی مفروضہ پیغام کے ساتھ زہریلے نگینے والی انگوٹھی اس امید پر جان اتمیتھ کو بھجواتی کہ وہ اس کے نگینے کو دبائے گا اور دباتے ہی موت کے گھاٹ اتر جائے گا مگر ایسا ہونا ممکن نہیں تھا۔ وہ کوئی عام آدمی نہیں، سی آئی اے کے آپریشنز کا علاقائی سربراہ تھا۔ وہ اس پھندے میں پھنسنے سے پہلے انگوٹھی کی اصلیت جان لیتا اور یوں دہلی میں سنسنی کی ایک نئی لہر دوڑ جاتی۔ میں بے خبری کے عالم میں دو بجے انل بسواس کے دروازے پر پہنچتا تو اس کے باخبر اور دور بین محافظ میرے پاس سے اسی قسم کے دو انگوٹھیاں برآمد کر لیتے۔ ان دونوں انگوٹھیوں کا راز کھلنے کے بعد کہیں کوئی گنجائش نہ رہتی۔ ویرا کے ساتھ جو ہوتا، سو ہوتا، میرے کریا کرم کا بندوبست ضرور ہو جاتا۔

"ویرا! یہ تم کہہ رہی ہو۔" حیرت اور صدمے سے چند ثانیوں تک گنگ رہنے کے بعد میں نے زبان کھولی "تمہیں معلوم ہے کہ امریکی کتنے بزدل اور ڈرپوک ہوتے ہیں۔ جان جیسا کھاگ شخص کبھی بھی اس دھوکے میں نہیں آ سکتا تھا۔ شاید پچھلی کامیابی کے خمار سے تمہارا ذہن ابھی تک ماؤف ہے۔"

"انگوٹھی کے ساتھ میں اسے مختصر تحریری پیغام بھیجتی کہ انگوٹھی کے کھلے کیپسول میں پاکستان کی ایٹمی دھماکوں کی تیاریوں کی مائیکرو فلم پوشیدہ ہے۔ وہ کیپسول کو انگلی سے دبا کر پھاڑ دے تو وہ نایاب فلم اسے مل سکتی ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ پوکھران میں جاری بھارتی تیاریوں کو امریکی سرپرستی حاصل ہے لیکن بلوچستان کے پہاڑی ویرانوں کے بارے میں امریکی سیٹلائٹ بھی کچھ معلوم نہیں کر سکے۔ یہ امریکیوں کی کمزوری ہے۔ وہ بے ساختہ میرے مشورے پر عمل کر گزرتا۔"

"اس کے پیشہ ورانہ تجسس اور اضطراری ردِعمل کو مدِنظر رکھ کر تم نے جو فیصلہ کیا تھا وہ غلط تھا۔ تم یہ بھول گئیں کہ پہلے وہ ایک عیش کوش اور بزدل شخص ہے بعد میں سی آئی اے کا زونل چیف ہے۔ تمہارا انکشاف اس کی بزدلی کو دلیری میں نہیں بدل سکتا تھا۔" میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔

"میرا ساتھی بھاگ نکلنے کے لیے بے چین ہے۔" ویرا کی آواز دھیمی اور مصلحت آمیز ہو گئی "اس سے پہلے کہ وہ رسیاں تڑوا کر بھاگ جائے، میں اس سے یہ بڑا کام لینا چاہ رہی ہوں۔ میں نے عجلت میں فیصلہ کیا تھا غصے میں واپس لے چکی ہوں۔ اب کوئی اور بات کرو۔"

"تم اس قدر بے پروا ہو کر تمہارے عزائم کے تصور سے میرے بدن میں اب تک پھریریاں سی دوڑ رہی ہیں۔ میں کوئی اور بات کیا کروں!"

"تم نے مجھے منجدھار میں اکیلا چھوڑ دیا ہے۔ مجھے مشورے کے لیے کوئی میسر نہیں ہے۔ جسے پھانسا ہے وہ دہشت میں مبتلا ہے۔ ان حالات میں بقراط جیسے دانش مند سے بھی فیصلے کی غلطی ہو سکتی ہے۔ تمہیں یہ یقین ہونا چاہیے کہ میرا خودکشی کرنے کا ارادہ ہے نہ میں تمہارے خلاف کوئی

Downloaded from https://paksociety.com

کام کرنے کی نیت رکھتی ہوں۔"

"چند روز خاموش بیٹھی رہو تاکہ ہم میں سے کسی کے لیے کوئی نئی مشکل پیدا نہ ہو۔ ایک بار میں موجودہ نازک پوزیشن سے نکل جاؤں تو پھر کچھ بھی کیا جاسکتا ہے۔" اس وقت تم دشمن کے خیموں کو جلا ڈالنے کے جوش میں اپنا دامن بھی آگ میں دینے جارہی تھیں۔ یہ نہ بھولو کہ اب ہم ایک دوسرے کی ضرورت بن چکے ہیں۔ ہم تمہاری زندگی کے خواہاں ہیں۔ تمہاری زندگی اتنی سستی نہیں ہے کہ اسے کسی جان' ڈک یا جینن کے لیے داؤ پر لگادیا جائے۔"

"ذرا ایک بار پھر کہو۔" میرے کان میں اس کی مسرت آمیز سرگوشی ابھری "کیا تم واقعی میری ضرورت محسوس کرتے ہو؟"

میں نے اپنے قریب بیٹھی ہوئی غزالہ کی طرف دیکھ کر برا سا منہ بنایا پھر متاسفانہ انداز میں اپنا سر جھٹکتے ہوئے ریسیور میں کہا "میں بھی تمہاری ضرورت محسوس کرتا ہوں۔ بقیہ تینوں کے بارے میں بھی میں یہ دعوا کرسکتا ہوں۔"

اس کی آواز سے خوشی کا فوّر ہوگئی "میں بھول گئی تھی کہ تم نے سب کی بات کی ہوگی۔ الفاظ کا ہیر پھیر بعض اوقات انسان کو بہت بڑے دھوکے میں ڈال دیتا ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو ان ہی دھوکوں کی دنیا میں رہ کر اپنی زندگی گزار دیتے ہیں پھر بھی ان کے خوابوں کی تعبیر انہیں نہیں ملتی۔ خیر، اب تم اطمینان رکھو۔ میں اچھی طرح سوچے سمجھے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گی۔ اپنے شکار سے مل لو تو مجھے اطلاع دینے کی زحمت ضرور کرلینا۔"

"ابھی تم کہہ رہی تھیں کہ اطالوی طوطا تمہارے قفس کی تیلیاں توڑ کر اڑ جانے کے لیے بے چین ہے۔ اسے تم کیسے روکو گی؟"

"اب اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوچکا ہے۔ میں نے زیادہ زبردستی کی تو وہ کوئی ہنگامہ کھڑا کردے گا۔ میں نے اسے اتنا زیادہ ڈرا دیا ہے کہ وہ ڈیوڈ کے بارے میں مرکر بھی اپنی زبان نہیں کھولے گا۔ وہ جانا چاہے گا تو چلا جائے گا۔ اب میں اسے نہیں روکوں گی۔"

"وہ چلا گیا تو تم نیا مشیر' مددگار اور آلہ کار کہاں سے لاؤ گی؟" میں نے پوچھا۔

وہ ہنس دی "اسے میں نے ہوٹل کے بار میں تاکا تھا۔ وہ نہ سہی اور سہی۔ اکیلی رہ گئی تو کسی اور کو پکڑ لوں گی۔ تمہیں

حسین سے حسین تر بننے کیلئے

گلیسی فیشل کریم

چہرے کے فاضل بالوں کو ہمیشہ کیلئے ختم کرتی ہے

برسہابرس کے تجربے اور تحقیق کے بعد ۲۰ قیمتی جڑی بوٹیوں کے اجزاء اور عرقیات سے تیار کردہ جدید نباتاتی دھبوں، مہاسوں کو بھی صاف کرکے چہرے کی رنگت نکھارتی ہے۔

اسٹاکسٹ:

- خواجہ اسٹور ایم ٹیس مارکیٹ صدر کراچی
- صدر میڈیکل اسٹور ایم ٹیس مارکیٹ صدر کراچی
- کنگ میڈیسن اسٹور لیاقت روڈ لیاقت پلیس کراچی
- ابراہیم حسن لیاقت مارکیٹ طیر کراچی
- قمری دواخانہ ایم ٹیس مارکیٹ صدر کراچی
- قمری اسٹار جنرل اسٹور مدینہ چوک ہاشم بازار حیدرآباد
- نوری دواخانہ کلاک ٹاور روڈ سکھر
- پیر زادہ میڈیکل اسٹور پیر الٰہی روڈ سکھر
- طاہر شاپنگ سینٹر رحیل بازار کھاریاں
- جی زیڈ اسٹور ایم ٹو روہڑی
- انیس اسٹور ایم ٹو ریلوے روڈ لاہور
- راجپوت اور جمشید بازار سیالکوٹ
- شان اسٹور جناح اسٹور چوہدری بازار گوجرانوالہ
- فضل میڈیکل اسٹور شاہد مارکیٹ سیٹلائٹ روڈ فیصل آباد
- شاہی حجن دواخانہ پیپلز بازار فیصل آباد
- پنجاب جنرل اسٹور چوہدری بازار گوجرانوالہ
- شہباز جنرل اسٹور مدینہ مارکیٹ سیٹلائٹ روڈ فیصل آباد
- رمضان پنساری کوشاد روڈ چیچہ وطنی
- بادشاہ دی ہیلی ڈھوک کمپنی راولپنڈی
- خواجہ دواخانہ ایم ٹو بازار ایبٹ آباد
- احسن محمود میڈیکل سٹور میاں چنوں
- ہمدرد دواخانہ چین بازار مظفر آباد آزاد کشمیر
- چوہدری پنساری اسٹور بازار مظفر آباد آزاد کشمیر
- مدینہ پنساری اسٹور مین بازار ڈھوک کمپنی راولپنڈی
- نظام کلاتھ مشنری بازار مردان
- سعید کاٹن اسٹور ایم ٹو مین گیٹ واہ کینٹ
- دارالشفاء ہیلتھ بازار منگورہ سوات
- ست دواخانہ گھنٹہ گھر پشاور
- علی ہیلی اسٹور ایم ٹو گھنٹہ گھر گوجرانوالہ
- حنیف ہیلی اسٹور ایم ٹو ریلوے روڈ راولپنڈی
- لطیف پوسٹ ہیلی پوائنٹ ایم ٹو راولپنڈی
- مشتاق دواخانہ پاک گیٹ ملتان
- میاں ہیلی اسٹور ریلوے کالونیاں
- اللہ دتہ جنرل اسٹور ایم ٹو بازار ڈیرہ غازی خان
- حسن ہیلی اسٹور گھنٹہ گھر بازار ڈیرہ غازی خان
- گوہر دواخانہ شاہی بازار بہاولپور
- محمد صالحین اینڈ سنز شنز موتی والے چوک بازار ملتان
- حنیف تھوم جنرل اسٹور ہسپتال روڈ پشاور

ڈسٹری بیوٹر: ریاضی محمود ۱۹ نیو عالمگیر مارکیٹ شاہ عالم لاہور۔ فون نمبر 7686268 محمد علی دواخانہ ۱۹ نیرٹی شاپنگ سینٹر آبپارہ اسلام آباد فون نمبر 5502903 محمد صالحین اینڈ سنز موتی والے چوک بازار ملتان فون نمبر 542173 شاہی طبی دواخانہ ۱۰ ہزار راولپنڈی فون نمبر 5505519

گھر بیٹھے بذریعہ ڈاک وی پی پارسل منگوانے کے لئے

حکیم اینڈ سنز۔ پوسٹ بکس 2159 کراچی 74600 پاکستان

Downloaded from https://paksociety.com

معلوم ہے کہ ایسے معاملات میں مجھے ڈان مرسیانو نے خصوصی تربیت دی تھی۔ آج تک میں نے جس مرد پر توجہ دی ہے اسے اپنے قدموں میں جھکایا ہے۔ تم واحد سنگ دل آدمی ہو جو جھکنے کے بجائے جھکانا اور رلانا جانتے ہو۔ میں نے بھی تمہیں اپنے لیے چیلنج سمجھا ہوا ہے۔ زندگی رہی تو ایک نہ ایک دن تم بھی اپنی بے رخی پر پشیمان نظر آؤ گے۔"

اس کی ذہنی رو بہکنے لگی تھی۔ غزالہ کی موجودگی میں، میں اسے اس موضوع پر کوئی مسکت جواب نہیں دے سکتا تھا۔ میں نے نرمی سے کہا "یہ باتیں چلتی رہیں گی۔ یہ کال بہت لمبی ہو گئی ہے۔ اجازت ہو تو میں فون بند کر دوں۔"

"میں تمہاری اگلی کال کا کل شام انتظار کروں گی۔" یہ کہہ کر وہ یرانے خود ہی فون بند کر دیا۔

"یہ آج کی اہم ترین فون کال تھی۔" ریسیور رکھ کر میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے غزالہ کو بتایا۔

"وہ یرا بہت خطرناک عورت ہے۔" اس کے عزائم کے بارے میں سن کر غزالہ کانپ اٹھی "اس کی مہم جویانہ فطرت کسی دن ہم سب کو لے ڈوبے گی۔ وہ ہر وقت کچھ نہ کچھ کر گزرنے کے خبط میں مبتلا رہتی ہے اور اسی دھن میں بعض اوقات غلط فیصلے کر جاتی ہے۔"

"خدا کا شکر ادا کرو کہ اس وقت اس نے بات کو طول دینے کی کوشش کیے بغیر اپنی غلطی مان لی۔ اب دن کا اختتام سمجھو اور انٹر کام پر روم سروس والوں کو کھانا لانے کے لیے کہہ دو۔ پیٹ بھر لینے کے بعد آدمی کو دور کی سوجھنے لگتی ہے۔ ہم بھی نیم اندھیری خواب گاہ میں بستر پر دراز ہو کر کل کے بارے میں کوئی بہتر بات سوچ سکیں گے۔"

وہ مسکراتے ہوئے فون کی طرف متوجہ ہو گئی۔ میں غسل خانے کی طرف ہو لیا۔

ہماری وہ رات بستر پر بے آرامی سے کروٹیں بدلتے ہوئے گزری۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ میرے دل و دماغ پر انل بسواس کا خیالی پیکر چھایا جا رہا تھا۔ میں ویرا کی طرح اندھا دھند فیصلے کرنے کا عادی ہوتا تو جذبات کی رو میں بہہ کر انل بسواس کو پہلی ملاقات میں ٹھکانے لگا کر اپنی آزادی، سلامتی اور زندگی کو داؤ پر لگا دیتا۔ ایسی کوئی جنجی حرکت مصلحت کے خلاف ہوتی۔ ایک پاکستانی قاتل کے طور پر میرا نام خوب اچھالا جاتا۔ بات سے بات نکلتی تو شاید یہ راز بھی کھل جاتا کہ مظہر خان، ڈینی کا دوسرا روپ تھا۔ ان واقعات کے سنگین نتائج پاکستان کے لیے بہت بھاری پڑ سکتے تھے۔

اگلی صبح میں ناکافی نیند لینے کی وجہ سے ذہنی انتشار اور یرانگی کا شکار تھا۔ میں نے بے دلی سے اخبارات کا سرسری جائزہ لیا اور انہیں ایک طرف ڈال دیا۔ دل میں امنگ اور ولولہ نہ ہونے کے باوجود میں نے غزالہ سے ہنسی مذاق جاری رکھنے کی کوششیں کیں تاکہ مقررہ وقت تک میرا ذہن پوری طرح فعال ہو سکے۔ وہ تیار ہوئی تو میں نے اس کے ساتھ ہوٹل کے ہال میں جا کر بھرپور ناشتا کیا۔ خالی معدے میں پسندیدہ خوراک پہنچنے کے بعد رفتہ رفتہ میری ذہنی یک سوئی بحال ہونے لگی۔

ویرا ہم سے الگ تھی مگر میرا اور غزالہ کا مستقبل ایک دوسرے سے وابستہ تھا۔ انل بسواس سے ملاقات میں اگر کوئی مخاصمانہ فضا پیدا ہوتی تو غزالہ کے لیے اس کے اثرات سے بچنا ناممکن تھا۔ یہ ایک اٹل حقیقت تھی جسے کسی بہلاوے سے نہیں ٹالا جا سکتا تھا۔

دوبارہ کمرے میں پہنچنے کے بعد میں نے اپنے اسباب کی فہرست کو ذہن میں دہرایا۔ کمرے میں چند چیزیں ایسی تھیں جن کی موجودگی بجائے خود جرم تھی۔ اس فہرست میں اول خان کے خزانے سے لیے ہوئے چند چھوٹے شعبدے، ہیم گن اور گوپال کا دیا ہوا ایرپیس شامل تھا۔ وقت گزر رہا تھا۔ کمرے میں ان چیزوں کو کہیں بھی نہیں چھپایا جا سکتا تھا۔ ہوٹلوں کے کمرے عام طور پر ایسے بنائے جاتے ہیں کہ محض ایک نظر میں ہوٹل کی ملکیت اور مہمان کے اسباب کا تعین ہو سکے۔ باتھ روم کا فلش ٹینک کسی زمانے میں محفوظ تصور کیا جاتا تھا۔ پلاسٹک کی تھیلیوں میں محفوظ کر کے کوئی بھی کاغذ، آلہ یا آتشیں ہتھیار ان میں ڈال دیا جاتا تھا لیکن بڑھتے ہوئے استعمال کی وجہ سے پانی کی وہ مختصر سی ٹنکی اپنی افادیت کھو چکی تھی۔ ہر تفتیشی افسر اس پر ایک نظر ڈالنا اپنا بنیادی فرض سمجھنے لگا تھا۔

میں نے جی ٹو سے ایرپیس پر رابطہ کیا۔ شاید وہ اپنی ہر مصروفیت ترک کر کے میرے کسی پیغام کا منتظر تھا۔ گوپال نے پہلی کال پر جواب دینے کے ساتھ ہی مجھے بتایا کہ را کے متعدد ہرکارے ہمارے ہوٹل کے اندر اور باہر دیکھے جا رہے تھے۔ ان کی سرگرمیاں پراسرار اور محدود سی تھیں۔ کسی نے ہمارے فلور پر یا کمرے میں رسائی کی کوشش نہیں کی تھی۔

"میں ہوٹل چھوڑنے سے پہلے، عارضی طور پر کچھ چیزیں یہاں سے ہٹا دینا چاہتا ہوں۔ ان میں ایرپیس بھی شامل ہے۔ یہ امانتیں لینے کے لیے تم کسی کو بھیج سکتے ہو؟" میں نے اس کی بات مکمل ہونے کے بعد، اختصار سے کام لیتے ہوئے اپنا مدعا بیان کیا۔

وہ فوراً بات کی تہ تک پہنچ گیا "تم بہت دور اندیش ہو۔

Downloaded from https://paksociety.com

جی تھری تمہارے ہوٹل سے بہت قریب ہے۔ شاید وہ ہماری یہ گفتگو بھی سن رہا ہو۔ میں ابھی اسے تمہارے پاس پہنچنے کی ہدایت دیتا ہوں۔ وہ کسی کی نظروں میں آئے بغیر تمہاری چیزیں لے آئے گا۔۔۔ جی تھری! کیا تم لائن پر ہو۔ اوور!"

آخری پیغام اس نے سنیل کے لیے نشر کیا تھا۔ میں خاموش رہا۔ میرے ایرپیس پر فوراً سنیل کی آواز ابھری "میں موجود ہوں اور ہدایت سن چکا ہوں۔ تم کہو تو میں چند منٹ میں جی ون کے کمرے تک پہنچ سکتا ہوں۔ اوور۔"

اس بار بھی میری خاموشی ضروری تھی۔ گوپال نے سنیل کو فوری طور پر میرے پاس پہنچنے کا حکم دے کر دوبارہ مجھ سے رجوع کیا تو میں نے اس کا شکریہ ادا کر کے الوداعی فقرے کے ساتھ ایرپیس آف کر دیا۔

اس گفتگو سے پہلے میں نے غزالہ کو اعتماد میں نہیں لیا تھا۔ وہ باتیں سن کر اس کا چہرہ دھواں ہو گیا اور گلابی ہونٹوں پر خوف کی ہلکی سی سفیدی جھلکنے لگی "آپ کے ان اقدامات سے مجھے خوف آ رہا ہے جیسے ہماری کشتی ڈوبنے والی ہو اور اس پر سے بوجھ ہلکا کیا جا رہا ہو!"

"یہ صرف احتیاطی اقدامات ہیں۔" میں نے اسے دلاسا دیا "وہ کسی وجہ سے مجھے وہاں روک لیں اور کسی کو تمہارے پاس بھیجیں تو انہیں یہاں کوئی مشتبہ چیز نہیں ملنی چاہیے۔ کوئی اعصاب شکستہ شخص ایسی جزئیات پر غور نہیں کرتا۔ تم کو میرے یا اپنے بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"خدا اس رینا کو غارت کرے۔ یہ سارا چکر اسی کا چلایا ہوا ہے۔" غزالہ نے ثابت کر دیا کہ وہ اول اور آخر ایک عورت تھی۔

ہوٹل کے ریکارڈ پر میرے اور غزالہ کے درمیان کوئی رشتہ نہیں تھا۔ اسی ایک نکتے سے بات کا بتنگڑ بنانا تھا اور رازداں والے میری طرف متوجہ ہوئے تھے مگر مذہبی، معاشرتی اور اخلاقی حقیقت یہ تھی کہ غزالہ میری بیوی تھی، اس کی دل جوئی کرنا میرا فرض تھا۔ میں نے اس کے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے گرم جوشی سے اسے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا اور وہ میرے شانے پر سر رکھ کر سراپا سپردگی بن گئی۔ فرط جذبات سے اس کے بدن کو ہلکے ہلکے جھٹکے لگ رہے تھے لیکن اس کے لب خاموش تھے۔

خوں خوار دشمن کی جبری دعوت پر اس کی کچھار میں جانے سے پہلے وہ میری اور غزالہ کی آخری ہم آغوشی تھی جو زیادہ طویل نہ ہو سکی۔ جی تھری اپنے فرض کی ادائیگی کے لیے ضرورت سے کچھ زیادہ ہی مستعد تھا۔ دروازے پر دستک ہوئی، میں نے جھپٹ کر دروازہ کھولا تو سنیل گمبھیر چہرے کے ساتھ موجود تھا۔

اس نے مجھے اتنا وقت نہیں دیا تھا کہ میں مطلوبہ چیزیں نکال کر یکجا کر لیتا۔ میں نے اسے اندر بلا لیا اور چند منٹ میں سب چیزیں اس کے حوالے کر دیں جو بہت آسانی سے اس کی جیبوں میں سما گئیں اور وہ مزید کوئی وقت ضائع کیے بغیر کمرے سے لوٹ گیا۔

"نقارے پر چوٹ پڑ چکی ہے۔ ہمارے سارے محفوظ مواصلاتی رابطے ٹوٹ چکے ہیں اور الٹی گنتی شروع ہو گئی ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے غزالہ سے کہا۔

اس کے ہونٹوں پر پھیکی سی جوابی مسکراہٹ تیر گئی "اب ایک ایک لمحہ بھاری گزرے گا۔"

ہم چائے نوشی اور اِدھر اُدھر کی باتوں میں وقت گزارتے رہے۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ کمرے میں بیٹھ کر رینا کی کال کا انتظار کرنے کے بجائے ایک بجے سے پہلے ہوٹل کی لابی میں پہنچ جاؤں گا۔ میرا اصل ٹکراؤ انل بساواس سے تھا مگر اس تک پہنچنے سے پہلے میں رینا کو بھی یہ جتا دینا چاہتا تھا کہ میں خوف زدہ نہیں تھا۔ اس کے پیدا کیے ہوئے چیلنج کو اپنی پوری صلاحیتوں کے ساتھ قبول کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

ہوٹل کی لفٹ گراؤنڈ فلور پر رکی تو ایک بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔ خود کار دروازہ کھلنے پر میں لفٹ سے باہر نکلا تو قریب ہی رینا ایک صوفے پر ایسی جگہ لے بیٹھی تھی کہ ہوٹل کی اوپری منزلوں کی طرف ہونے والی آمد و رفت پر نظر رکھ سکے۔ میری اور اس کی نگاہیں چار ہوئیں اور وہ ہڑبڑا کر اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔

"تم دس منٹ پہلے ہی نیچے آ گئے۔ آؤ اب کسی کونے میں بیٹھ کر چائے یا کافی پیتے ہیں۔"

"ہمیں ایک بجے روانہ ہونا ہے۔ چائے وغیرہ کا وقت نہیں ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"یہاں سے تیرتھ رام اسپتال تک کا فاصلہ دس پندرہ منٹ کا ہے۔ ڈیڑھ بجے بھی نکلے تو وقت سے پہلے پہنچ جائیں گے۔ ایک بجے ہمیں یکجا ہونا تھا۔ تم فکر نہ کرو۔ ہمارے پاس کافی وقت ہے اکمل کو تم سے کوئی شکایت نہیں ہو گی۔"

وہ اپنی جگہ پہلے ہی چھوڑ چکی تھی۔ ہم دونوں ایک دور افتادہ گوشے کی طرف ہو لیے جہاں آس پاس کوئی نہیں تھا۔ ہمارے بیٹھتے ہی ایک ویٹر ہمارے سر پر آموجود ہوا۔ میرے

Downloaded from https://paksociety.com

ایما پر رینا نے اسے چائے کچھ لوازم کے ساتھ لانے کی ہدایت کی اور پھر میری طرف متوجہ ہوگئی "کل رات تم نے میری بہت بے عزتی کی۔ مجھے کمرے میں پڑا چھوڑ کر واپس لوٹ گئے۔"

"وہ تمہاری خواہش تھی۔" میں نے رکھائی سے جواب دیا "میں چاہتا تھا کہ تم میرے ساتھ اس کمرے سے چلی جاؤ مگر تمہاری ڈانس اکیڈمی میں عزت کے پیمانے ہی نرالے ہیں۔ جلد لوٹ آنے والی لڑکیوں کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ راتیں دوسروں کے شبستانوں میں گزارنے والیوں کو عزت دی جاتی ہے۔"

"میں نے تم سے التجا کی ہے کہ کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کو بھول جاؤ۔" وہ عاجزانہ لہجے میں گڑگڑائی "اگر انکل کو یہ بھنک مل گئی کہ میرے ذریعے اکیڈمی کا نام تمہارے کانوں تک پہنچا ہے تو وہ مجھے سزا ضرور دے گا۔ ایسے معاملات میں وہ بہت سفاک اور اصول پرست ہے۔"

میں نے اس کا وہ کمزور پہلو اپنی گرہ میں باندھا ہوا تھا۔ اس کی منت و سماجت کا کوئی اثر لیے بغیر میں نے کہا "وہاں میرے ساتھ شریفانہ سلوک کیا گیا تو میں اپنی زبان بند رکھوں گا لیکن میری جان پر بن آئی یا کوئی خطرہ درپیش ہوا تو میں تمہیں بھی معاف نہیں کروں گا۔ اسے بتا دوں گا کہ تم نے میرے سامنے کیا کچھ اگلا ہے۔ تم اس کی وفادار نہ سہی میری۔ خطرناک لڑکی ہو اور دونوں کو ڈبل کراس کر رہی ہو۔ اب مجھے تمہاری کسی بات پر بھروسا نہیں رہا۔"

"میں غدار نہیں ہوں۔ تم یقین کرو کہ راست وفاداری میری سرشت بنتی جا رہی ہے۔ اکیڈمی کے بارے میں تمہیں کوئی فون پر بتا چکا تھا۔ میرا قصور صرف اتنا ہے کہ میں نے تمہارے سوال کی تصدیق کی تھی۔ میں نے بلاوجہ تمہیں جھٹلانے کی کوشش نہیں کی۔ میں شروع سے اب تک راکے لیے کام کر رہی ہوں جس میں تمہارا مفاد بھی پوشیدہ ہے۔"

معاً مجھے یاد آیا کہ میں کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے گھناؤنے کردار کے بارے میں گوپال کو ٹپ دے چکا تھا۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ چند روز میں اس نام نہاد ادارے کے خلاف بھرپور اخباری مہم چل پڑے گی جس کے نتیجے میں راکے والے خام افرادی قوت بلکہ نسوانی قوت کے حصول کے ایک ذریعے سے محروم ہو جائیں گے۔ میرے لیے یہ مناسب نہیں تھا کہ میں اس مہم کے آغاز سے پہلے انل بسواس کو یہ جتاتا کہ مجھے اکیڈمی کے بارے میں سب کچھ معلوم ہو چکا ہے۔

یہ میرے ذہنی انتشار کی علامت تھی کہ ایک طرف میں نے اکیڈمی کا حوالہ دے کر رینا اجیت رائے کو پھنسوانے کا فیصلہ کیا ہوا تھا اور دوسری طرف گوپال کو اکیڈمی کے پیچھے لگا دیا تھا۔ رینا نے اکیڈمی کو بھول جانے کی التجا کر کے ایک ایک میری یادداشت تازہ کر دی تھی۔ میرے پاس گوپال سے فوری طور پر رابطہ کرنے اور اکیڈمی کے معاملے کو اچھالنے سے روکنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ ملاقات کے لیے وقت بہت کم رہ گیا تھا۔ یہ ضروری بلکہ ناگزیر ہو چکا تھا کہ میں انل بسواس کے سامنے کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کا کوئی بھی ذکر کرنے کا ارادہ فوری طور پر ترک کر دوں۔ اس ضرورت کا احساس ہوتے ہی میں نے رینا پر احسان جتانے کا فیصلہ کر لیا۔

"میرے مفاد کی بات مت کرو۔ کل میں نے تم سے صاف کہہ دیا تھا کہ مجھے انل بسواس سے ملاقات اور اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والے مالی مفادات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے ترشی سے کہا "مجھے ذرا دھوکا کر آج کی ملاقات پر مجبور کیا گیا ہے۔"

"تمہیں مجبور نہیں کیا گیا یہ ہماری مجبوری ہے۔" اس نے زور دے کر انکسار سے کہا "اس کی طرف سے ملاقات کا وقت طے ہو جانے کے بعد تم انتخاب کا حق کھو بیٹھے ہو۔ اب تم چھٹی ہونے تک وہاں نہیں پہنچے تو ہم سب کی شامت آجائے گی۔"

میرے کان کھڑے ہوگئے۔ میں نے خشک لہجے میں پوچھا "چھٹی ہونے کے بعد کیا مجھے ویران دفتر میں ذبح کروانے کا ارادہ ہے؟ یہ دو بجے چھٹی کا وقت کیا ہے؟"

اس نے بے بسی سے ایک گہرا سانس لیا اور میری طرف جھک کر بولی "اب تم ہر بات پر شبہ کرتے ہو۔ راکے بیشتر دفاتر فوجی اوقات کار پر عمل کرتے ہیں۔ صبح سات بجے سے دو بجے تک کسی وقفے کے بغیر کام ہوتا ہے۔ دو بجے کے بعد صرف وہی لوگ رکتے ہیں جنہیں اہم اور فوری نوعیت کے معاملات نمٹانے ہوں۔ یہ اعزاز کی بات ہے کہ انل بسواس نے ایک دن کے التوا کے بجائے آج اپنے اوقات کار کے بعد تمہیں بلایا ہے۔"

"واقعی بہت بڑا اعزاز ہے۔ ایسی ہولناک اور جبری مہمان داری کا رواج پچھانوں تک میں نہیں ہے۔" میں نے تلخی سے کہا۔ مجھے توقع تھی کہ اکیڈمی کے بارے میں وہ خود ہی دوبارہ بات چھیڑے گی اور ایسا ہی ہوا۔

چائے آجانے کے بعد وہ دھیمی اور خوشامدانہ آواز میں بولی "تم اکیڈمی کا نام نہیں لوگے نا؟" میں نے خشمگیں نظروں

Downloaded from https://paksociety.com

سے اس کی طرف دیکھا اور وہ جلدی جلدی بولنے لگی "تم نے شکایت کی تو میرے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ ایسے انجام سے را کا ہر ایجنٹ ڈرتا ہے۔ اس نے کوئی بڑی سزا نہ دی تو میں ملازمت سے ضرور برطرف کردی جاؤں گی۔ میری بیمار ماں دواؤں کو ترستی رہے گی، گھر والے بھوکوں مرنے لگیں گے۔ میرے پاس اس کے سوا کوئی راستہ نہیں رہے گا کہ میں کسی بالا خانے کا کوٹھا سنبھال لوں۔ بھگوان کے لیے، مجھے معاف کردو۔ میں نے تمہارے ساتھ جو کچھ کیا ہے وہ مجبوری تھی۔ ہم نے چند گھنٹے ایک دوسرے سے بہت قریب رہ کر گزارے...."

اس نے میرے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے تھے۔ میں نے اس کے ہاتھ گرا کر اس کی بات کاٹ دی "اب آگے نہ بولنا۔ دواؤں کے لیے ترستی ہوئی ماں کے نام پر میں اکیڈمی کو بھول رہا ہوں۔ تم نے کچھ اور باتوں کے بارے میں بھی کہا تھا کہ میں انل سے ان کا ذکر نہ کروں ورنہ وہ سمجھے گا کہ تم نے را کی اندر کی باتیں مجھے بتادی ہیں۔"

"وہ اکیڈمی کی اہمیت کو دھندلانے کی کوششیں تھیں۔ تم ہر بات دہرا سکتے ہو۔ تمہیں تعاون پر آمادہ کرنے کے لیے وہ سب بتانا ضروری تھا۔" اس نے مسرت سے کہا۔ میرے وعدے پر اس کے ستے ہوئے چہرے پر رونق آگئی تھی۔

ہم نے خاموشی سے چائے ختم کی۔ ایک بج کر بیس منٹ پر رینا اٹھ کھڑی ہوئی۔ چائے کا بل اسی نے ادا کیا تھا۔ میں نے اسے روکنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اس وقت میرے ذہن میں بس ایک بات گونج رہی تھی کہ انل بساس سے ملاقات کے لیے ہمیں سول لائنز کے علاقے میں تیرتھ رام شاہ اسپتال کے عقب میں جانا تھا۔ وہ مقام میں پہلے دیکھ چکا تھا۔ را کے اس دفتر کا سربراہ نریش شرما تھا۔ انل بساس اس کمنام دفتر میں کبھی کبھار دیکھا جاتا تھا۔

سنیل کے ساتھ اس دفتر کا جائزہ لیتے ہوئے میں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی تھی کہ را کا وہ ذیلی دفتر کسی پرشکوہ عمارت میں نہیں تھا۔ وہ پرانی دہلی کے قدیم سرکاری دفاتر کی طرح ایک غیر محفوظ اور سال خوردہ سی عمارت تھی جس کی ذرا سی اہمیت کا اظہار صرف اس بات سے ہوتا تھا کہ وہاں دو نوجوان اور کابل الوجود، باوردی سپاہی اپنی بندوق سمیت کرسیوں پر بیٹھے ہوئے دیکھ گئے تھے۔

پارکنگ لاٹ میں ایک قدرے نئی اور اچھی گاڑی کھڑی تھی۔ جب رینا نے چابی سے ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولا تو میں تبصرہ کیے بغیر نہ رہ سکا "دہلی کے عام شہری اس گاڑی کا تصور بھی نہیں کرسکتے جو میرٹھ کی ایک بے یارومددگار لڑکی کی ملکیت میں ہے۔"

"مجھے ڈرائیونگ سکھائی گئی ہے مگر میں بسوں میں سفر کرتی ہوں۔" اس نے آزردگی سے کہا "یہ سرکاری گاڑی آج خاص طور پر تمہاری وجہ سے دی گئی ہے۔ اگر آج تم نے پچھے دل سے مجھے معاف کردیا اور میری ملازمت جاری رہی تو اگلے ایک دو برسوں میں تمہاری کرپا سے اپنی گاڑی بھی خرید لوں گی۔"

"اس وقت تم اکیلی مجھے لینے آئی ہو؟" میں نے اس کے برابر والی نشست سنبھالتے ہوئے پوچھا۔

"تین گاڑیوں میں کم از کم سات مسلح اور چاق و چوبند محافظ چوری چھپے ہماری حفاظت کرتے ہوئے آئیں گے۔" اس نے نگرانی کی جگہ حفاظت کا لفظ استعمال کرتے ہوئے مجھے بتایا "یہ وہ پروٹوکول ہے جو ہمارے وزیروں کو بھی نہیں ملتا۔"

گاڑی حرکت میں آگئی۔ میرے ذہن پر سکون اور سناٹے کی ایک عجیب سی کیفیت محیط ہونے لگی۔

"تم نے میرا مان رکھا ہے تو اب تمہیں ایک بہت ضروری بات بتا دوں۔" چند ثانیوں تک بے چین نظر آنے کے بعد رینا نے جھجکتے ہوئے سکوت توڑا۔

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ونڈ شیلڈ سے سڑک پر نظریں جمائے رہا۔ مجھے خاموش پاکر رینا نے ٹوکا "تم نے جواب نہیں دیا۔"

"تمہاری پوری بات سن کر ہی کچھ کہہ سکوں گا۔ ابھی تمہاری بات ادھوری تھی۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"انکل سے محتاط رہ کر بات کرنا۔ ٹیڑھے کام قبول کرتے ہوئے آدمی کا ہچکچانا اور گھبرانا فطری ہوتا ہے۔ اپنے انکار کو اس حد سے آگے نہ لے جانا۔ اگر تم اس کے لیے کام نہ کرنا چاہو تو یہ بات اپنے دل میں رکھنا۔ اس پر ظاہر نہ کرنا۔ اسے یہ شبہ بھی نہیں ہونا چاہیے کہ تم اسے دھوکا دو گے۔" اس نے پتی اور شرمسار آواز میں کہا۔

وہ بار بار روپ بدلنے والی ایک عجیب لڑکی ثابت ہو رہی تھی۔ میں نے بہت تعجب سے اس کی طرف دیکھا لیکن وہ مجھ سے نگاہیں چار کرنے کے بجائے سڑک کی طرف متوجہ تھی جس پر ٹریفک کا دباؤ بہت زیادہ نہیں تھا۔

"پچھلی ملاقات میں تم نے اصرار کیا تھا کہ انکل افہام و تفہیم سے کام لینے والا آدمی ہے۔ مجھے اس سے بالکل کھل کر بات کرنی چاہیے۔ اب بالکل ہی مختلف مشورہ دے رہی

Downloaded from https://paksociety.com

ہو۔" میں نے الجھے ہوئے لہجے میں پوچھا "میری تم سے یہ تیسری ملاقات ہے۔ ہر مرتبہ تم نے ایک نئی کینچلی بدلی ہے۔ میں تمہاری کس بات پر اعتبار کروں؟ مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے تم مجھے آخری لمحے تک تذبذب اور بے یقینی میں مبتلا رکھنا چاہتی ہو۔"

"پہلے میں تم کو بہکا رہی تھی کیونکہ میرا ٹارگٹ یہی تھا۔ مجھے تم کو بہلا پھسلا اور ورغلا کر انکل تک لے جانا تھا۔ تم اس سے ڈانس اکیڈمی کا ذکر کر کے میرے لیے خطرات پیدا کر سکتے تھے۔ میرے لیے محفوظ راستہ یہ تھا کہ میں تم کو انکل سے لڑوا دوں اور وہ مشتعل ہو کر تمہارا کام تمام کر ڈالے۔ تم اس کی شرائط مان لیتے تو تمہیں اس کے سامنے اکیڈمی کا ذکر کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ میں بچی رہتی۔ میں نے ان مقاصد کے تحت برین واش کرنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔"

"پھر اب یکایک تمہارے عزائم میں تبدیلی کیوں آ گئی؟" میں نے برافروختہ ہو کر پوچھا۔

"اپنی آواز دھیمی رکھو۔ تم نے میری بیماں کے نام پر اکیڈمی کو فراموش کرنے کا وعدہ کر کے میرے ضمیر کو جھنجھوڑ ڈالا ہے۔ تم بہت عظیم کردار کے مالک ہو۔ تم جیسے نیک لوگوں کو گناہوں کی اس دھرتی پر زندہ رہنا چاہیے تاکہ ہم سب کی روزی روزگار کا سلسلہ چلتا رہے۔"

"میں اس سے انکار کر دیتا تو وہ مجھے مروا ڈالتا؟ اس نے اسی لیے دفتر کی چھٹی کے بعد مجھے بلایا ہے؟"

"غیر ملکیوں کے قتل سے دیس کی بدنامی ہوتی ہے۔ یہاں سڑکوں پر آئے دن جان لیوا حادثے ہوتے رہتے ہیں۔ آج تم اسے ٹکا سا جواب دے کر آتے۔ کل پرسوں تک کوئی گاڑی کسی بھی جگہ اتفاقاً تمہیں کچل دیتی۔ تمہاری عظمت دیکھ لینے کے بعد میں تمہیں ایسے دردناک انجام کی طرف نہیں دھکیل سکتی۔" آخر کار رینا نے کھل کر وہی بات کہہ دی جو شروع سے میرے دماغ میں گردش کر رہی تھی۔

"تم مجھ سے نظریں کیوں چرا رہی ہو۔ سڑک پر زیادہ گاڑیاں نہیں ہیں۔ میری طرف دیکھ کر اپنی بات دہراؤ۔"

اس نے گردن گھما کر مجروح اور نادم نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور لمحہ بھر بعد دوبارہ سڑک کی طرف متوجہ ہو گئی اور دھیرے دھیرے بولنے لگی "اب مجھے تم سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ یہ خوف بھی نہیں ہے کہ تم اپنے قتل والی بات کسی کو بتا دو گے۔ تم پردیسی ہو۔ پڑوس سے آئے ہو۔ میں بدن کی بھینٹ دے کر تمہارا دل نہیں جیت سکی لیکن تم نے اپنی ایک بات سے مجھے اپنی داسی بنا لیا ہے۔ میں گاڑی نہ چلا رہی ہوتی تو اسی وقت تمہارے پیر چھو لیتی۔" اس نے اپنا بایاں ہاتھ میرے داہنے گھٹنے پر رکھ دیا۔

رینا نے تین ملاقاتوں میں تین رنگ بدلے تھے۔ اس کی اداکاری اتنی کامیاب تھی کہ اپنے تمام تر تحفظات کے باوجود میں کھل کر اس پر اپنے کسی شک کا اظہار نہیں کر سکا تھا۔ مگر مجھے یقین تھا کہ اس وقت وہ اپنے دل کی گہرائیوں سے بول رہی تھی۔ قدرت نے انسان کے دل کا خمیر کیسی عجیب شے سے اٹھایا ہے۔ آدمی سنگ دلی اور بے مہری پر مائل ہو جائے تو بڑے سے بڑے احسان کو نظر انداز کر کے اپنے محسن کو آنکھیں دکھانے لگتا ہے۔ وہ معقولیت پر مائل ہو تو کسی کی ذرا سی مہربانی اس کے دل کو کچے موم کی طرح پگھلا دیتی ہے۔ وہ سوچ سوچ کر گھٹنوں روتا ہے اور کوئی ہم نفس میسر ہو تو اپنی رقت سے اسے بھی خوب رلاتا ہے۔

رینا پر اس وقت دوسری کیفیت طاری تھی۔ میں نے اسے مزید چھیڑنے کا ارادہ دانستہ ترک کر دیا۔ راکے سات مسلح بھیڑیے ہمارا پیچھا کر رہے تھے۔ رینا جذبات کی رو میں بہہ کر ذرا بھی بھٹکتی تو وہ چونک پڑتے اور کوئی نئی کہانی اٹل بسواس کے کانوں تک پہنچ جاتی۔

کنگ پیلس سے آگے ریلوے پل عبور کر کے رینا قطب روڈ پر گاڑی دوڑا رہی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ ہماری مسافت زیادہ نہیں تھی۔ خاموشی سے کار ڈرائیو کرتے ہوئے' رینا سول لائنز کے جنوبی علاقے میں داخل ہوئی جہاں داہنی طرف کملا نہرو پارک میں غدر کی یادگار سر اٹھائے کھڑی تھی اور ہماری منزل بائیں ہاتھ پر تھی۔ رینا نے گاڑی اس طرف موڑی تو میں نے دیکھا کہ ہمارے پیچھے آنے والی ٹریفک کی بھیڑ بہت کم رہ گئی تھی۔ ان میں کم از کم دو گاڑیاں ایسی تھیں' جنہیں میں نے رینا کے پیچھے پیچھے ہوٹل انٹرکانٹی نینٹل کے پارکنگ لاٹ سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔

آخر رینا نے اپنی گاڑی راکے اس دفتر کے قریب روک دی جس پر کوئی بورڈ یا تحریر نہیں تھی۔ پہرے پر مامور دونوں باوردی سپاہیوں نے بیزاری سے رکنے والی گاڑی کی طرف دیکھا لیکن اپنی کرسیوں سے ہلنے کی زحمت نہیں کی۔ رینا نے اپنا دروازہ لاک کیا اور مجھے ساتھ لے کر تیزی سے عمارت کے برآمدے کی سیڑھیاں چڑھتی چلی گئی۔ ہمارا پیچھا کرنے والی تینوں گاڑیوں کا اس وقت تک کوئی نام و نشان نہیں تھا۔

اس وقت پونے دو بجے تھے۔ راکا وہ دفتر پوری طرح آباد تھا۔ باہر سے وہ عمارت قدیم نظر آتی تھی لیکن اندر کا

Downloaded from https://paksociety.com

سماں بہت بدلا ہوا تھا۔ میں نے راہ داری طے کرتے ہوئے شیشے کی کئی دیواروں کے پیچھے کمپیوٹر اور ان سے منسلک مشینوں پر متعدد مردوں اور عورتوں کو کام کرتے ہوئے دیکھا تو احساس ہوا کہ میں واقعی بھارت کے کسی اہم اور حساس ادارے کی حدود میں پہنچ چکا تھا۔

اس طویل راہ داری کے بند اختتام پر داہنی طرف والے کمرے کے دروازے پر انگریزی اور ہندی میں لکھی ہوئی انل بسواس کے نام کی تختی نظر آرہی تھی۔ اس کے سامنے بائیں سمت والے کمرے پر نریش شرما کے نام کی تختی آویزاں تھی۔ رینا مجھ سے آگے آگے چل رہی تھی۔ وہ سیدھی انل بسواس والے کمرے میں جا گھسی۔ مجھے حیرت ہوئی وہ مقررہ وقت سے تقریباً پندرہ منٹ پہلے براہ راست انل بسواس کے کمرے میں داخل ہوگئی تھی۔ اس خیال نے لاشعوری طور پر میرے ذہن میں وسوسہ پیدا کردیا کہ رینا، انل بسواس سے اتنا قریب اور بے تکلف تھی تو وہ میری خیر خواہ کیسے ہوسکتی تھی۔

جب میں اس کی تقلید میں اس دروازے میں جھجکتے ہوئے داخل ہوا تو میرا وسوسہ خود بہ خود ختم ہوگیا۔ اس کمرے میں پڑی ہوئی اکلوتی میز کے پیچھے منحوس چہرے والا، تند خو ناگر براجمان تھا۔ رینا اس کے سامنے پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ چکی تھی۔

میں نے اس کمرے میں قدم رکھتے ہی دیکھ لیا تھا کہ میز کافی بڑی ہونے کے باوجود اس کے سامنے ملاقاتیوں کے لیے صرف ایک کرسی رکھی گئی تھی۔ اگر رینا بیٹھی رہتی تو مجھے مجبوراً کھڑے ہوکر وقت پورا ہونے کا انتظار کرنا پڑتا۔ ناگر کے دفتر میں دو اندرونی دروازے تھے۔ ایک کھلا ہوا اور دوسرا بند تھا۔ بادی النظر میں وہ دونوں بھی کمرے ہی تھے۔ میں ناگر کی میز کے قریب پہنچا تو ناگر نے بیٹھے بیٹھے سرد مہری سے مجھ سے ہاتھ ملایا اور کہا "اچھا ہوا کہ تم وقت سے ذرا پہلے آگئے۔ صاحب پہنچنے ہی والے ہیں۔ تم کو تھوڑی دیر کے لیے انتظار گاہ میں بیٹھنا ہوگا۔ میں تمہارے لیے چائے منگواتا ہوں۔"

میرے پہنچتے ہی رینا کرسی سے اٹھ گئی تھی لیکن اس نے میرے بیٹھنے کے لیے جگہ خالی نہیں کی تھی۔ میں نے ناگر کے اشارے پر کھلے ہوئے دروازے کی طرف دیکھا تو فرشی قالین سے آراستہ کشادہ اور آرام دہ کمرا نظر آیا جہاں مجھے انل بسواس سے ملاقات کا انتظار کرنا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ ناگر کے دفتر کا بند اندرونی دروازہ انل بسواس کے کمرے میں کھلتا تھا۔ ناگر کی مرضی کے بغیر کوئی انل بسواس تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔

"مجھے چائے کی حاجت نہیں ہے۔ میں سگریٹ نوشی میں اپنا وقت گزار لوں گا۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"میں جارہی ہوں۔" رینا نے مجھ سے مخاطب ہوکر کہا "تمہیں یہاں پہنچانے کے بعد میرا کام ختم ہوگیا۔ ملاقات کے بعد ناگر تمہاری واپسی کا بندوبست کردیں گے۔"

میرا خیال تھا کہ رینا آخر تک میرے ساتھ نہ سہی تو آس پاس ضرور موجود رہے گی۔ اس کی فوری واپسی کی اطلاع سے مجھے ہلکی سی مایوسی ہوئی۔ میں نے ناگر کے کریہہ وجود اور درشت چہرے پر دوسری نگاہ ڈالنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ رینا سے ہاتھ ملا کر انتظار گاہ کی طرف بڑھ گیا۔ وہ وسیع ہال خالی تھا۔ وہاں ایک وقت میں دس سے زائد افراد کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ شاید انل بسواس نے اسی وجہ سے اپنے پی اے کی میز کے مقابل صرف ایک کرسی رکھوائی تھی۔

را بھارت کی ایک خفیہ ایجنسی تھی۔ اس کے لیے ہزاروں افراد کام کرتے تھے اور ہر فرد کے فرائض میں انفرادی راز داری ضروری تھی۔ ناگر کے پاس ایک وقت

ہیپاٹائٹس سی اور بی

ہماری تیار کردہ دیسی ادویات

ANTI HEPATITIS VIRUS

اور

SAFETY HEPATITIS VIRUS

نہ صرف ہیپاٹائٹس سی اور بی کے وائرس کو مکمل طور پر خارج کرتی ہے بلکہ قوت مدافعت کو بھی انتہا زیادہ طاقتور کردیتی ہے کہ مرض ہیپاٹائٹس دوبارہ کبھی نہیں ہوتا۔ ہر ماہ دوا استعمال کرنے کے بعد اپنی پسند کی لیبارٹری سے ٹیسٹ رپورٹ کرائیں۔ دوا بذریعہ ڈاک بھی منگوائی جاسکتی ہے۔

BBB یونانی طبیب بشیر بھٹی بھیروی

فون نمبر

یونان کلینک کوہاٹی بازار راولپنڈی 5532085

Downloaded from https://paksociety.com

میں ایک شخص کی نشست کے بندوبست کی وجہ سے اس راز داری کے پامال ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں تھا۔

پچھلی رات میں نے نہایت اضطراب کے عالم میں گزاری تھی۔ صبح میرا ذہن الجھا ہوا تھا مگر اثل بسواس سے ملاقات کا وقت قریب آنے کے ساتھ میرا اعصابی دباؤ خود بہ خود ختم ہوتا چلا گیا تھا۔ را کے دفتر میں پہنچنے کے بعد میں خود کو بہت زیادہ پرسکون محسوس کر رہا تھا۔

میں دانستہ ایسی جگہ بیٹھا جہاں سے ناگر مجھے نظر نہ آسکے۔ میں نے رینا اجیت رائے سے مصالحت کرلی تھی' اثل بسواس سے ملاقات کے لیے ذہنی طور پر پوری طرح تیار تھا مگر ناگر کی ناپسندیدہ شخصیت کے ساتھ کوئی مفاہمت پیدا کرنے کے لیے میرے دل میں گنجائش نہیں تھی۔

چند منٹ بعد ناگر کے کمرے میں ہلچل سی محسوس ہوئی۔ ناگر اپنی میز کے عقب سے نمودار ہو کر ایک طرف لپکا۔ اس کے کمرے میں ایک گونجیلی اور رعب دار آواز سنائی دی "میں فائلیں دیکھ لوں' مقررہ وقت پر اسے اندر بھیج دو۔" شاید آنے والے کو راستے میں ہی میرے پہنچنے کی اطلاع مل چکی تھی۔

اثل بسواس کا سیاہ کالہ تھا ہوا میرے کانوں سے ٹکرایا۔ اس پر شکوہ آواز کی بنیاد پر میرے ذہن میں خود بہ خود اثل بسواس کا ایک خاکہ ترتیب پانے لگا۔

دو بجنے میں پانچ منٹ پر ناگر مجھے متکبرانہ انداز میں پکارنے کے بجائے اٹھ کر انتظار گاہ کے دروازے پر آیا اور سرد آواز میں بولا "آؤ!"

میرے پہنچنے تک وہ دوبارہ اپنی گھومنے والی کرسی پر براجمان ہو چکا تھا۔ میں اس کی میز کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"بیٹھو!" اس نے اکلوتی کرسی کی طرف اشارہ کیا "تمہارا پاسپورٹ کہاں ہے؟"

"ہوٹل میں ہے۔" میں نے بے پروائی سے مختصر سا جواب دیا۔ اس سے بات کرتے ہوئے بھی مجھے کوفت ہو رہی تھی۔

"تمہیں وہ ساتھ لانا چاہیے تھا۔" اس نے قدرے سختی سے کہا "یہاں اس کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔"

"وہ اتنا ضروری تھا تو تم فنگر پرنٹس کے ساتھ ہی لے آتے۔" میں نے اس سے ذرا بھی مرعوب ہوئے بغیر' بے اعتنائی سے جواب دیا "مجھے کسی نے نہیں بتایا کہ اس ملاقات کے لیے پاسپورٹ ساتھ لانا ضروری تھا۔"

وہ مجھے گھور کر رہ گیا۔ اس کے چہرے کی ساخت کچھ ایسی تھی کہ وہ مہربان نظر آنے کی کوشش میں بھی نامہربان نظر آتا۔ میرے دونوں جوابات نے اسے لاجواب کر دیا تھا۔ اپنی خفت مٹانے کے لیے وہ میز پر رکھی ہوئی فائلوں کو الٹنے پلٹنے میں مصروف ہو گیا۔

ہم دونوں کے درمیان خاموشی اور سرد جنگ جاری تھی۔ وہ مجھے کوئی اہمیت دینے سے گریز کر رہا تھا۔ میں اسے نظر انداز کرنے پر تلا ہوا تھا۔ میں نے اپنی جیب سے قلم نکالا اور اس کی نب کو ناخن پر ٹکا کر اس کا جائزہ لینے میں مصروف ہو گیا جیسے میرے سوا وہاں کسی اور کا وجود نہ ہو۔ میرے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ کہیں بھی میری جامہ تلاشی کی نوبت نہیں آئی تھی۔

ٹھیک دو بجے ناگر کے کمرے میں کسی گمنٹی کا ہاکا سا بزر بولا۔ وہ اضطراری انداز میں کرسی سے اٹھ گیا اور بند دروازے کی طرف اشارہ کر کے نیچی آواز میں غرایا۔ "قلم جیب میں رکھو اور اندر جاؤ۔ صاحب بلا رہے ہیں۔"

میرے لیے وہ بہت نازک اور کڑا وقت تھا لیکن ناگر کے خلاف میرے ذہن میں جو شورش چل رہی تھی۔ وہ اپنا رنگ لے آئی۔ قلم جیب میں لگا کر میں نے غیر ارادی طور پر اسے ٹٹولا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا' میں دروازہ کھول کر ملحق کمرے میں داخل ہو گیا۔

وہ کمرا زیادہ وسیع نہیں تھا۔ کھڑکیوں پر دبیز پردے کھنچے ہوئے تھے اور سیاہ رنگ کی بڑی میز پر صرف ایک دھری ٹیوب لائٹ جل رہی تھی۔ بند کمرے کی فضا میں ائرکنڈیشنر کی ہلکی سی گھوں گھوں کے ساتھ خوش گوار ٹھنڈک رچی ہوئی تھی۔ میز کے پیچھے سرمئی رنگ کے سوٹ میں ملبوس ایک صحت مند' دراز قامت اور پختہ عمر کا شخص بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی کنپٹیوں کے بال برف کی طرح سفید تھے۔ شفاف عدسوں کے پیچھے بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں عجیب سی حیوانی چمک تھی جو نگاہیں چار ہونے پر مجھے اپنے وجود میں اترتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ بڑھتی ہوئی عمر کی وجہ سے اس کی پیشانی کشادہ ہو گئی تھی اور چندیا پر چند بال رہ گئے تھے۔

مجموعی طور پر وہ بردبار اور باوقار شخصیت کا مالک نظر آرہا تھا۔ میرے اندر پہنچتے ہی اس نے میری طرف دیکھا اور اپنی گونجیلی آواز میں بولا "بیٹھ جاؤ!"

میں نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ اس نے اپنے سامنے رکھے ہوئے چند کاغذوں کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا "تمہارا نام مظاہر خان ہے۔"

"مظہر خان!" میں نے رسانیت سے اس کی تصحیح کی "آپ کے پی اے نے مجھ سے شاید اسی لیے پاسپورٹ طلب کیا تھا۔ مجھے بتایا نہیں گیا تھا۔ میں پاسپورٹ اور ٹکٹ ہوٹل ہی میں چھوڑ آیا ہوں۔" موقع پاتے ہی میں نے ناگر کے غیر ضروری مطالبے کی غیر محسوس انداز میں شکایت کر ڈالی۔

Downloaded from https://paksociety.com

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے میری پوری بات سنی ہی نہ ہو۔ ایک ریسیور اٹھا کر کان سے لگالیا۔ اس نے چند ثانیوں تک انتظار کیا پھر دھیمی مگر بارعب آواز میں بولا "ناگر! کیا ہمیں مظہر خان کے پاسپورٹ کی بھی ضرورت ہے؟"

مجھے خوشی ہوئی کہ میری حرکت بار آور ثابت ہوئی تھی۔ ناگر کی گوشمالی ضروری تھی۔ اس نے دوسری طرف کا جواب سنا اور مزید کچھ کہے بغیر ریسیور واپس رکھ دیا۔ اس بار وہ میری طرف متوجہ ہوگیا "میرا نام انل ہے۔ اب تک تمہیں بتادیا گیا ہوگا کہ ہمارا نیٹ ورک را کے نام سے کام کرتا ہے۔"

"جی.....!" میں نے مرعوب ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا "میں پریشان ہوں کہ را کو میری ذات میں کیا دلچسپی ہوسکتی ہے۔"

"ضروری نہیں کہ ہر شخص کو ہر بات معلوم ہو۔ تم کراچی میں رہتے ہو؟" اس کے لب و لہجے میں شائستگی بہت غالب تھی۔

میرا جواب اثبات میں پاکر اس نے دوسرا سوال کیا "پرانی گاڑیوں کا لین دین کرتے ہو؟"

"جی ہاں!" اس بار بھی میرا جواب تائیدی تھا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں کسی ملازمت کے لیے انٹرویو دے رہا ہوں۔ انل بسواس نے ایک بال پن سنبھال لیا تھا اور اپنے کاغذوں پر کچھ نوٹ کرتا جارہا تھا۔

"پڑوسیوں کے تعلقات کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" اس نے کاغذوں سے نظریں اٹھاکر پوچھا۔

"اچھے ہونے چاہئیں ..." میں نے ہچکچاتے ہوئے کہا "اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کاروباری آدمی ہوں' سیاست سے دور رہتا ہوں۔"

"تمہاری تعلیم کتنی ہے؟" وہ ایک مرتبہ پھر ذاتی نوعیت کا سوال کر بیٹھا۔

"گریجویٹ ہوں۔" میں نے اس بار سچ بتادینے میں تامل نہیں کیا۔

"تم ایک اجنبی لڑکی کو گھمانے پھرانے کے لیے اپنے ساتھ لائے ہو۔ عورتوں کے رسیا معلوم ہوتے ہو؟"

"جی ہاں ....." اقرار کرتے ہی میں نے بوکھلا کر تصحیح کی "جی نہیں!"

اس کے لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ تیر گئی پھر اس نے کہا "من پسند خوراک کھانا' نفیس ترین لباس پہننا اور خوب صورت لڑکیوں سے دوستی کرنا ہر جوان اور زندہ دل آدمی کی فطری آرزوئیں اور امنگیں ہوتی ہیں۔ لوگ ان فطری خواہشات کا اظہار کرتے ہوئے کیوں جھجکتے ہیں؟ زندگی بار بار نہیں صرف ایک بار ملتی ہے۔ اسے بھرپور انداز میں نہ گزارنا اپنے پیدا کرنے والے بھگوان' خدا' اللہ یا گاڈ کی ناشکری ہے۔"

وہ اس کا تائید طلب بیان تھا۔ میں اس کے خاموش ہونے پر بس سر ہلا کر رہ گیا۔

"ان خواہشوں کو پورا کرنے کے لیے دولت کی ضرورت ہوتی ہے جو ہر ایک کے حصے میں نہیں آتی" اس نے قدرے توقف کے بعد اپنی بات جاری رکھی "بھوکے اور بے مایہ لوگ ان چیزوں کو خرافات قرار دے کر ریہائیت سے ملتا جلتا کوئی لبادہ اوڑھ لیتے ہیں اور اپنی بے مائیگی کو چھپانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ کچھ متوسط طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جیسے تم ہو۔ ان کا ہاتھ پڑ جائے تو اپنے جوہر خوب دکھاتے ہیں ورنہ حسرتوں کی چنگاریوں میں دبے سسکتے رہتے ہیں۔ ان کا آئیڈیل وہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں سب کچھ میسر ہے اور وہ اپنی زندگی کے ہر لمحے سے من پسند خوشیاں نچوڑتے رہتے ہیں۔ تم یہ بتاؤ کہ تمہاری آمدنی کیا ہے؟"

اپنی تقریر کے آخر میں اس نے پھر ایک ذاتی سوال کر ڈالا تھا۔ وہ میری ذات کو ہدف بناکر اپنے مذاکرات کی داغ بیل ڈال رہا تھا۔ میں نے سر ہلا کر کہا۔ "یہ کوئی اگا بند صا

Downloaded from https://paksociety.com

کاروبار نہیں ہے لیکن سال میں آٹھ دس ہزار کا اوسط آجاتا ہے۔"

"ہر شخص کی کچھ نہ کچھ گھریلو اور خاندانی ذمے داریاں ہوتی ہیں۔ ان کو پورا کرنے کے لیے یہ رقم کچھ بھی نہیں ہوتی۔ اونٹ کے منہ میں زیرہ ڈال دیا جائے تو اس کے پیٹ کی آگ نہیں بجھائی جاسکتی۔ تم پاکستان سے کتنی بار سیاحت کے لیے نکلے ہو؟"

"میں پہلی بار بھارت آیا ہوں" میں نے اس کے سوال کا گول مول جواب دیا۔ جس میں سچ بھی تھا اور جھوٹ بھی۔ سچ یہ تھا کہ میں واقعی پہلی بار بھارت کیا تھا۔ جھوٹ یہ تھا کہ میں نے اپنے دوسرے سفروں کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔

"تم عالم شباب میں ہو۔ دنیا دیکھنے اور زندگی کی لذتیں سمیٹنے کی یہی عمر ہوتی ہے۔ ایک بار زندگی کے سائے ڈھلنے لگیں تو اس زوال کو کوئی نہیں روک سکتا۔ کیا تم اپنی عمر کے اس سنہرے دور کو زیادہ بار آور بنانے کے خواہش مند نہیں ہو؟" اس کی چمکیلی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"یہ خواہش ہر دل میں ہوتی ہے مگر منزل ہر ایک کو نہیں ملتی" میں نے اسے راہ دی۔

"میں ضمانت دیتا ہوں کہ تمہاری منزل تمہاری منتظر ہے۔ تم چاہو تو کوئی غیر معمولی محنت کیے بغیر پچیس ہزار روپے کی خطیر سالانہ رقم کما سکتے ہو۔ یہ اضافی آمدنی تمہاری زندگی کا رخ بدل کر رکھ دے گی۔"

"میں را کے دفتر میں بیٹھا ہوا ہوں" میں نے الجھے الجھے، خائفانہ انداز میں جواب دیا "میں را کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا۔ جو کچھ سنا اور پڑھا ہے وہ ڈراؤنا ہے۔ پاکستان میں را کے لیے کام کرنے والے ہر شخص کو غدار قرار دیا جاتا ہے۔"

"بہت اچھا ہوا کہ تم نے اپنے دل کی بات بہت آسانی سے اگل دی۔ اب مجھے تم کو سمجھانے میں آسانی رہے گی۔ تم را کے لیے نہیں، ایک عظیم انسانی مشن کے لیے کام کرو گے۔ وہ نادانستہ قوموں کو ایک دوسرے سے قریب لانا بہت بڑی خدمت ہے۔ اس سمت میں تمہارا کیا ہوا چھوٹا سا کام بھی ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ تمہارے کئی سمجھ دار ہم وطن یہ خدمت کر رہے ہیں اور اس سے خود بھی فیض حاصل کر رہے ہیں۔"

"میں اس وقت کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں" میں نے جھجکتے ہوئے کہا "لوگ کام اور نیت کو نہیں دیکھتے۔ صاف بات یہ ہے کہ پاکستان میں را کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ میں جو کچھ کروں گا، را کے لیے کروں گا۔ کسی کو یہ سن گن مل گئی تو میری بقیہ زندگی برباد ہوجائے گی۔"

"تم را کی بات کرتے ہو!" اس کی آواز میں ہلکی سی تیزی آگئی "یہاں پاکستان کی سات خفیہ ایجنسیاں کام کرتی ہیں۔ کشمیر سے مدراس تک ان کا جال پھیلا ہوا ہے۔ یہاں ان کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے مگر پھر بھی ان کے آدمی بھیس بدل کر اور ہر خطرہ مول لے کر یہاں آتے ہیں اور خاموشی سے اپنے کام میں لگے رہتے ہیں۔ جو اپنی کسی حماقت کی وجہ سے بے نقاب ہوجاتا ہے۔ اس کا انجام عبرت ناک ہوتا ہے پھر بھی کوئی عبرت نہیں پکڑتا۔ اس کی جگہ کوئی نیا اور زیادہ پرجوش پاکستانی یہاں آجاتا ہے۔ وہ اپنے گھر بار اور بیوی بچوں سے دور رہ کر اتنا نہیں کماتے جتنا تم اپنے گھر اور شہر میں بیٹھے بیٹھے کمالو گے۔"

"وہ عزت کے کام ہیں یا سمجھے جاتے ہیں۔ پاکستان میں رہ کر را کے لیے کام کرنا غداری ہوگا۔ میں شاید یہ بوجھ نہ اٹھا سکوں۔ مجھے اپنی زندگی کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے مگر اس کے لیے آپ کی لگائی ہوئی قیمت بہت زیادہ ہے۔ یہ میں ادا نہیں کرسکوں گا۔"

میں اسے یہ تاثر دے رہا تھا کہ میں اس کی شخصیت سے مرعوب اور مسحور ہوچکا تھا اس لیے میں نے براہِ راست اس کی طرف دیکھنے سے گریز کیا لیکن کن انکھیوں سے یہ جائزہ ضرور لے لیا کہ میرے دوٹوک جواب پر اس کے چہرے پر غصے کی ایک ہلکی سی سرخی پھیل گئی تھی۔

"میں تمہیں پھر سمجھا رہا ہوں کہ تمہاری سوچ غلط ہے" اس نے اپنے غصے کو ضبط کرتے ہوئے، تحمل سے اپنی بات جاری رکھی "ہماری دنیا تیزی سے سمٹ رہی ہے۔ فاصلے گھٹ چکے ہیں۔ وقت کا پیمانہ بدل گیا ہے۔ پوری دنیا ایک عالمی گاؤں ہے جس میں سب ایک دوسرے کے پڑوسی ہیں۔ ان سب کو عزت اور رواداری کے ساتھ رہنا چاہیے، میں تم سے اسی مشن کے لیے کام لینا چاہتا ہوں۔ تم نفرت کے سوداگروں کے خلاف محبت کے پیغام بر بن کر کام کرو گے۔ اس میں کوئی ذلت نہیں ہے۔ تمہاری کھال پر را کا ٹھپا نہ لگایا جائے گا، نہ تمہیں را سے کوئی رابطہ رکھنا ہوگا۔ خاموشی سے اپنا کام کرتے رہو گے اور اپنی رپورٹیں کراچی کے ایک نمبر پر فیکس کرتے رہو گے۔ کسی کو پتہ نہ لگنا ہوگا تو وہ خود تم سے رابطہ کرلے گا۔ اس میں تمہارے لیے کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔"

اس کی گفتگو کے ایک ایک لفظ سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے میری اصلیت کی ہوا بھی نہیں لگ سکی تھی۔ وہ کراچی سے میرے کوائف کی تصدیق کرانے کے بعد مطمئن ہوچکا تھا کہ میں ایک عام پاکستانی تھا اور وہ اسی بنیاد پر مجھے شیشے میں اتارنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے بھی اس کے سامنے چالاکی دکھانے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ سنبھل سنبھل

Downloaded from https://paksociety.com

کرنمایت منطقی انداز میں اس سے اتفاق یا اختلاف کررہا تھا۔

میں چند ثانیوں تک سرجھکائے خاموش بیٹھا رہا جیسے اندر ہی اندر کسی فیصلے پر پہنچنے کی کوشش کررہا ہوں۔ وہ صبر کے ساتھ میرے بولنے کا انتظار کرتا رہا۔ آخر میں نے بھرائی ہوئی، معذرت خواہانہ آواز میں کہا "میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مجھے سوچنے کے لیے وقت درکار ہے۔"

"مگر میں وقت نہیں دے سکتا۔ تمہاری بریفنگ کا مقصد یہی تھا کہ تم اچھی طرح سوچ لو۔ میں بہت مصروف آدمی ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے، رینا نے مجھے بتایا تھا کہ آپ بہت بڑے اور کھلے دل کے افسر ہیں۔ اسی لیے میں کھل کر آپ سے بات کررہا ہوں۔ میں سوچ کر آیا تھا کہ آپ پیسوں میں رہتے ہوں گے۔ جگہ جگہ میری تلاشی ہوگی تب کہیں آپ سے ملنے کی نوبت آئے گی مگر یہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ آپ کی سادگی نے مجھے متاثر کیا ہے۔"

"رینا بہت خوبصورت اور محنتی لڑکی ہے۔ وہ جس کار میں تمہیں لائی تھی، اس میں آلہ لگا ہوا تھا۔ تمہارے پاس بارود کا پٹاخہ بھی ہوتا تو الارم بج جاتا۔ اس بھول میں نہ رہنا کہ تمہارے فنگر پرنٹس لینے کے بعد میرے آدمی غافل ہوگئے ہیں۔ مجھے تمہارا آخری جواب چاہیے تاکہ میں ان کو بھی دوسرے کاموں سے لگا سکوں۔"

میں پرسکون تھا۔ اس کا سکون دھیرے دھیرے رخصت ہورہا تھا۔ میں نے لجلجائی ہوئی آواز میں کہا "مجھے تھوڑی سی مہلت دے دیں۔"

"نہیں!" اس نے سختی سے میری بات کاٹ دی "کان کھول کر سن لو کہ میں یہاں آنے والے ہر پاکستانی پر اپنا قیمتی وقت برباد نہیں کرتا۔ ہزاروں میں ایک آدھ ہی کام کا آدمی نکلتا ہے جسے احتیاط سے منتخب کرکے میرے کسی دفتر تک لایا جاتا ہے۔ ایسا بہت کم ہوا ہے کہ میرے آدمیوں سے انتخاب میں غلطی ہوئی ہو۔ یہ میرے نہیں، تمہارے مستقبل کا معاملہ ہے۔ اسے تباہ کرلو یا بنالو۔ فیصلے کا اختیار تم کو ہے۔ تم کو فخر ہونا چاہیے کہ میں نے بھارت میں آئے ہوئے ہزاروں پاکستانیوں میں صرف تمہیں ملاقات کی عزت دی ہے۔ لوگ ایسے مواقع کی تلاش میں رہتے ہیں اور تم تذبذب میں مبتلا ہو۔"

"جو سات پاکستانی ایجنسیاں یہاں کام کررہی ہیں، وہ ستان میں بھی کام کرتی ہوں گی۔ میرے لیے یہ تصور ہی زا دینے والا ہے کہ وہ میرے پیچھے لگ جائیں۔ مجھے را کا ٹ قرار دے کر آہنی سلاخوں کے پیچھے ڈال دیں۔"

"تم اتنے بے وقوف نہیں ہو۔ رازداری کے کام رازداری سے کرسکتے ہو اور خود کو ہمیشہ بچائے رکھ سکتے ہو۔"

"اٹل صاحب! میں شرمندہ ہوں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ خوش قسمتی کی دیوی نے خود میرے دروازے پر دستک دی ہے۔ میں اس کی تلاش میں نکلا ہوتا تو شاید یہ موقع ضائع نہ کرتا۔ میں اب بھی گومگو کے عالم میں ہوں۔ اگر آپ مجھے وقت دے سکتے ہیں تو شاید میں کوئی بہتر فیصلہ کرسکوں ورنہ..."

"مظہر خان! میرا نام اٹل بسواس ہے۔ میں کچی گولیاں نہیں کھیلتا" اس کی آواز سخت اور تادیبی ہوگئی "تم اس بھاری پتھر کو چوم کر نہیں چھوڑ سکتے۔ یہ بوجھ تم کو اٹھانا ہوگا۔ اپنی اور رینا کی پہلی ملاقات کو یاد کرو۔ اس کے موتی جیسے بدن کو چھوتے ہوئے تم نے انجام کے بارے میں نہیں سوچا تھا تو اب کیوں وقت کے طلب گار بنے ہوئے ہو؟ اپنے اندر سوئے ہوئے اس حیوان کو جگاؤ جو زن اور زر کا حریص ہے۔ عورتوں کے رسیا پیسے پر بھی لپکتے ہیں۔ یہ میرا تجربہ ہے۔ تم کیوں میرا وقت برباد کررہے ہو۔"

میں اندازہ لگائے بیٹھا تھا کہ وہ مجھے آمادہ کرنے کے لیے آخری حربے کے طور پر میری اور رینا کی ویڈیو فلم کا ذکر کرے گا لیکن اس نے اس کا ذکر تک نہیں کیا۔ اس کے لب ولہجے

زندگی بدلنے والی

خواتین اور مردوں کو ہمیشہ فٹ اور اسمارٹ رکھنے والی، گھریلو ورزش کی مشینیں، موٹاپا ختم کرنے والی جاگنگ سائیکل، جمنازیم مشینیں، بنچ، بار بیل، ویٹ بار، فیبل ٹینس سنی اسکوٹر، مساج چیئرز، الیکٹرک مساجرز، پاور رائیڈرز ریزرٹ وی پر دکھائے جانے والے تمام فٹنس آئٹمز، مفت ٹریننگ وڈیو اور بعد از فروخت گارنٹی کے ساتھ

بلال برادرس

A-119 سندھی مسلم سوسائٹی نزد طارق روڈ، کراچی

فون: 4531961 - 62

Downloaded from https://paksociety.com

سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے والا تھا۔ مجھے معلوم تھا اور آخری لمحات پر رینا نے میرے اس اندیشے کی تصدیق کی تھی کہ میرے لیے اقبال بسواس کے چنگل سے بچ نکلنے کی کوئی راہ نہیں تھی۔ میں اسے برہم کر کے نکلتا تو اگلے چند گھنٹوں یا چند دنوں میں دہلی کی کسی بھی سڑک پر میری زندگی کا آخری باب لہو رنگ تحریر میں لکھا جا سکتا تھا۔ اپنے سارے پس و پیش کے باوجود میں نے آخر میں ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا۔

بہت سی باتیں صاف ہو گئی تھیں مگر میں اس کی زبان سے ویڈیو فلم کے بارے میں کچھ نہیں اگلوا سکا تھا۔ پتا نہیں اقبال بسواس نے ترپ کے اس پتے کو کس وقت کے لیے بچا رکھا تھا۔ میں اس بارے میں زیادہ بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ اس سے کچھ طے ہو جانے کے بعد آگے بڑھنے کے روشن امکانات نظر آ رہے تھے۔ اس وقت تک مجھے یہ بھی پتا نہیں چل سکا تھا کہ اقبال بسواس مجھ سے رائے لیے کیا کام لینا چاہتا تھا۔

میرے ذہن میں وہ باتیں گھوم رہی تھیں لیکن میں نے اپنا چہرہ یوں لٹکایا ہوا تھا۔ جیسے میرے ذہن پر مایوسی اور ناامیدی نے حملہ کیا ہوا ہو۔

"بولو۔ تم خاموش کیوں ہو؟" اقبال بسواس نے کاٹ دار آواز میں مجھے ٹوکا۔

میں نے چونک کر سر اوپر اٹھایا۔ مغموم انداز میں اس کی طرف دیکھا اور پھر بھرائی ہوئی آواز میں کہا "کھلی چراگاہوں کی طرف ہر چوپایہ لپکتا ہے۔ رینا جھلکتی ہوئی مجھ سے ٹکرائی تو وہ ایک بالدار گھرانے کی رنگین مزاج لڑکی کا روپ دھارے ہوئے تھی۔ اس چراگاہ کے گرد مجھے رالی غیر محسوس باڑھ کا سایہ بھی نظر آ جاتا تو میں ادھر کا رخ نہ کرتا۔ وہ واقعی حسین اور توبہ شکن لڑکی ہے۔ اس نے مجھے گھیر لیا۔ کل دوسری ملاقات میں اس نے بتایا کہ وہ اور ناگر راؤ کے لیے کام کرتے ہیں اور آپ کے ماتحت ہیں۔"

"یہ سب فضولیات نہ دہراؤ۔ مجھے ان لمحوں کا سارا احوال معلوم ہے" اس نے مجھے بولنے سے روک دیا "رینا حسین ہی نہیں، بہت ذہین لڑکی ہے۔ وہ اپنے کسی شکار پر مہربان ہو کر کھلتی ہے تو اس کے ہوش و حواس پر چھا جاتی ہے۔ اپنے ناز و انداز اور اداؤں کی مار سے اسے نڈھال کر دیتی ہے۔ شکار کو ہوش آتا ہے تو وقت اس کے ہاتھ سے نکل چکا ہوتا ہے اور وہ خود کو بے بس پاتا ہے۔ تم کو سمجھ لینا چاہیے کہ اس وقت تم بھی اسی پوزیشن میں ہو۔"

"پھر آپ کی پوچھ گچھ بے سود ہے۔ مجھے ہر حال میں را کے لیے کام کرنا ہے تو مجبوری ہے۔"

"میں جبر نہیں کرتا۔ نیم دلی سے کام کرنے والوں کو میں را کے لیے گالی سمجھتا ہوں۔ مجھے اپنے لیے پر جوش اور دلیر افراد کی ضرورت ہے۔ اگر تمہارا دل میرے کام پر مائل نہیں ہے تو ابھی چلے جاؤ۔ مجھے تمہاری ضرورت نہیں ہے۔ ہاں یا ناں میں تم کو ابھی فیصلہ کرنا ہوگا۔ میں تمہیں وقت نہیں دے سکتا۔"

"میں دل لگا کر کام کروں گا۔ میں وقت کی مجبوری کی بات کر رہا تھا" میں نے جلدی سے کہا۔

"دل تم نے رینا سے لگایا ہے، کام میرے لیے کرو گے۔ کام میں دل لگی میں برداشت نہیں کرتا" اس نے گہری سنجیدگی سے تادیب کی۔

"مجھے کیا کام کرنا ہوگا؟" میں نے نیچی آواز میں سوال کیا۔

اس نے ایک بار پھر انٹر کام کا ریسیور اٹھایا اور ایک بٹن دبا کر بولا "شرما جی! ذرا اندر آ جاؤ۔ نیا پنچھی اپنے ڈھب پر آ گیا ہے۔"

ریسیور رکھ کر وہ دوبارہ میری طرف متوجہ ہو گیا "تم دو اور دو چار کے چکر میں رہنے والے خاصے بے خبر پاکستانی معلوم ہوتے ہو مگر اخبار ضرور پڑھتے ہو گے۔"

میں نے سر کو اثبات میں جنبش دی "سرسری نظروں سے دیکھتا ہوں، تفصیل میں نہیں جاتا۔"

"اخبار پڑھنے کی عادت ڈالو۔ لوگوں سے ملتے جلتے رہو۔ سرکاری اور فوجی افسروں سے دوستیاں کرو" اقبال بسواس نے پہلی بار اپنی بڑی سی کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر جھولتے ہوئے کہا۔ "ان سے جو کچھ سنتے اور سمجھتے ہو، اس کے نوٹس تیار کرو اور فیکس کر دو۔"

مجھے اقبال بسواس کی زبان سے وہ تفصیل سن کر مایوسی ہوئی۔ وہ بہت معمولی نوعیت کا عام سا کام تھا جس میں خیال آرائی اور گمراہ کرنے کی کافی گنجائش موجود تھی۔ شاید وہ کوئی خاص ہدف دینے سے قبل میری صلاحیتوں کا اندازہ لگانا چاہتا تھا۔

اسی وقت ناگر کے کمرے کی طرف کھلنے والے بند دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور ایک پستہ قامت مگر چاق و چوبند شخص قلم اور پیڈ لیے اندر آ گیا۔

"بیٹھو شرما جی!" اقبال بسواس نے کہا "یہ مظہر خان ہے، پاکستانی ہے۔ رینا کا عاشق ہے۔"

Downloaded from https://paksociety.com

اس وقت میرا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا۔ میں تصور نہیں کر سکتا تھا کہ بھارت کے شہر دہلی میں مجھے را کے دفتر میں اپنے دو بدترین دشمنوں کے ساتھ یوں روبہ رو بیٹھنے کا موقع مل سکے گا۔ ان میں سے ایک را کے پاکستانی ونگ کا سربراہ تھا' دوسرا اس کا دست راست تھا جو دہشت گردی کے امور میں خاص مہارت رکھتا تھا۔

نریش شرما نے ناقدانہ نظروں سے میرا جائزہ لیا اور سرد انداز میں مجھ سے ہاتھ ملا کر میرے برابر والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"اب یہ ہمارا آدمی ہے" انل بسواس کی بات جاری تھی "یہ ہمارے لیے پچیس ہزار روپے ماہانہ پر کام کرے گا۔ ادائیگی اور کام کا طریقہ تم طے کرلو۔ ان باتوں کو دھیان میں رکھنا جو میں پہلے بتا چکا ہوں۔ یہ بڑے ناگ کے سلسلے میں بھی کار آمد ثابت ہو سکتا ہے۔"

میرا دل اچانک اچھل کر حلق میں آگیا۔ گوپال نے کسی گرین کو برلا نامی فائل کا ذکر کیا تھا۔ انل بسواس بڑے ناگ کی بات کر رہا تھا۔ شاید ان دونوں میں کوئی گہرا اور قریبی رابطہ تھا کیونکہ نسلی طور پر انگریزی اور اردو الفاظ کا تعلق سانپوں سے ہی تھا۔

"یس سر!" نریش شرما نے سعادت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا "پاکستان میں ایک پاکستانی ہی زیادہ آزادی سے کام کر سکتا ہے۔ وہاں مذہبی اور قومی رواداری کا جو حال ہے' وہ ہمارے سامنے ہے۔ تعصب کی وجہ سے ہمارے آدمی بہت جلد مار کھا جاتے ہیں۔"

"یہ باتیں تمہارے سمجھنے کی ہیں" انل بسواس نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا "دوسری قوموں کی بات چھوڑو' پاکستان کی چھوٹی قومیتیں ہر وقت پنجابی اکثریت سے نالاں نظر آتی ہیں۔ مسلمان ہندو کو بعد میں برداشت کرے گا' وہ دوسرے عقیدے والے مسلمان کو نہیں بخشتا۔ بھارت میں فرقہ وارانہ فساد میں اتنے مسلمان نہیں مرتے جتنے پاکستان میں ہر سال مسلمانوں کے ہاتھوں مارے جاتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ میری یہ باتیں تم کو ناگوار گزریں مگر حقیقت یہی ہے۔"

"ان حالات پر ہر درد مند پاکستانی خون کے آنسو روتا ہے" میرے پاس اس سے اتفاق رائے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

"یہ مگرمچھ کے آنسو ہوتے ہیں۔ تمہیں یہ ملک تمہارے خدا نے دیا ہے اور وہی اسے چلا بھی رہا ہے ورنہ ہر پاکستانی اسے اونٹنے کھسوٹنے میں مصروف ہے۔ پتا نہیں تم میری

بیس الطور

پارٹی میں ایک خاتون دوسری خاتون کو بتا رہی تھیں "میرے باس نے مجھے ہیرے کی انگوٹھی تحفے میں دی۔ بغیر کسی غرض اور لالچ کے..."

"بہت خوب" دوسری خاتون نے کہا۔

"میرے باس نے مجھے ڈیفنس میں بنگلا بھی لے کر دیا ہے۔ اور وہ بھی بغیر کسی غرض اور لالچ کے..." پہلی خاتون نے مزید بتایا۔

"بہت خوب... بہت خوب!" دوسری خاتون نے کہا۔

"انہوں نے مجھے ایک ہنڈا اکارڈ اور ڈرائیور بھی دیا ہے.... اور وہ بھی بغیر کسی غرض اور لالچ کے..." پہلی خاتون بولیں۔

"بہت خوب.... بہت خوب!" دوسری خاتون نے سر ہلایا۔

تب پہلی خاتون نے پوچھا "اور تم سناؤ.... آج کل کیا کر رہی ہو؟"

"میں آج کل تمیز اور شائستگی سکھانے والی کلاس اٹینڈ کر رہی ہوں۔ وہاں سب سے پہلے یہ سکھایا جاتا ہے کہ جب آپ کہنا چاہیں "کیوں بے پر کی چھوڑ رہی ہو؟" تو اس کی جگہ "بہت خوب... بہت خوب" کہنا چاہیے۔" دوسری خاتون نے بتایا۔

پیشکش قبول کرتے ہوئے کیوں جھجک رہے تھے۔ تم اپنے ملک کو نہیں لوٹو گے۔ اس کے نام پر ہم سے پچیس ہزار روپے مہینہ وصول کرو گے۔"

"بار بار اس کا ذکر نہ کریں' میں ابھی تک یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ مجھے کس بات کے لیے اتنی بڑی تنخواہ دی جائے گی۔ سنی سنائی باتیں تو اخباروں اور ان میں چھپنے والے

Downloaded from https://paksociety.com

مضامین اور کالموں کے ذریعے ہر ایک کے علم میں آجاتی ہیں۔ آپ کے سفارت کار ان کے تراشے دہلی بھیج سکتے ہیں۔"

"بہت سی باتیں ہمیشہ سینہ بہ سینہ چلتی ہیں۔ کاغذ پر کبھی نہیں آتیں" نریش شرما نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا "ہمارے درمیان معاہدہ ہو چکا ہے۔ تم اپنا کام کرتے رہو۔ ہم تمہیں رقم دیتے رہیں گے۔ کوئی خاص ٹارگٹ سامنے آیا تو تمہیں اس کے بارے میں بتادیا جائے گا۔"

"ابھی انل صاحب نے کسی بڑے ناگ کا ذکر کیا تھا۔ کیا میں اس بارے میں کچھ کر سکتا ہوں؟" میں نے اپنے تجسس کے تحت سوال کیا۔

"تم نے میرا دل خوش کردیا" انل بسواس نے تحسین آمیز لہجے میں کہا "مجھے ایسے کارکن پسند ہیں جو بڑھ کر ذمے داریاں سنبھالیں' اپنی باری آنے کا انتظار نہ کریں۔ بڑے ناگ کے بارے میں اگر تم کوئی مدد کر سکے تو تمہیں تنخواہ کے علاوہ ایک بڑا انعام بھی مل سکتا ہے۔"

"مجھے کچھ بتادیا جائے تو میں اس بارے میں سر توڑ کوشش کروں گا۔" میں نے مخلصانہ خلوص سے کہا۔

"وہ بہت زہریلا ناگ ہے۔ اچانک نمودار ہو کر ڈستا ہے اور غائب ہو جاتا ہے" نریش شرما اپنے افسر کا اشارہ پاکر مجھے بتانے لگا "ہم اپنے ذرائع سے اس تک پہنچنے کی ہر کوشش میں ناکام ہو چکے ہیں۔ وہ زیادہ تر کراچی میں روپوش رہتا ہے۔"

"اس کا کوئی نام ضرور ہوگا؟" میں نے اپنے دل کی بے ترتیب دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

"ڈینی! وہ بدنام عالمی دہشت گرد ہے۔ بہت سرد مہری اور سفاکی سے بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتارتا ہے۔ اس سے ہم ہی نہیں' امریکی بھی نالاں ہیں۔"

"ڈینی...!" میں نے سوچتے ہوئے دہرایا "یہ نام کبھی میری نظروں سے نہیں گزرا۔"

"شاید تم اشتہارات نہیں دیکھتے" نریش شرما نے کہا "خبروں میں اس کا نام کہیں نہیں آتا۔ ہمیں سب سے زیادہ یقین ہے کہ اسے بعض پاکستانی ایجنسیوں کی بھرپور حمایت اور پشت پناہی حاصل ہے۔ وہ جرائم کرتا ہے اور محفوظ رہتا ہے۔ کبھی اپنے قانون کی گرفت میں نہیں آتا۔"

"تم اشتہارات کے بارے میں کچھ کہہ رہے تھے؟" اس کے خاموش ہونے پر میں نے یاد دلایا۔

"ہاں!" اسے اپنی ادھوری بات فوراً یاد آگئی "خبروں میں اس کے نام کا مکمل بلیک آؤٹ کیا جاتا ہے مگر امریکیوں نے اسے اشتہاری مجرم قرار دیا ہوا ہے۔ اس نے امریکا کے سفارت کاروں کے خلاف سنگین اور قابلِ نفرت جرائم کیے ہیں جن میں کئی خوں ریزیاں بھی شامل ہیں۔ پاکستان میں امریکی سفارت خانے نے اس کی گرفتاری میں مدد حاصل کرنے کے لیے کئی بار اخباروں میں انعامی اشتہار چھپوائے ہیں مگر ان کے جواب میں کسی نے ان سے تعاون نہیں کیا۔"

میں نے سوچنے اور اپنے ذہن پر زور دینے کی اداکاری کی جیسے کسی بھولی بسری کہانی کو یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ نریش پر امید نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر میں چونکا جیسے وہ بات یاد آگئی ہو "کچھ کچھ یاد آرہا ہے۔ اس کے ساتھ کسی امریکی عورت کا نام بھی تھا۔ ان دونوں پر کئی ملین ڈالر کا انعام تھا۔"

"بالکل وہی اشتہار تھے۔ ان میں کیے ہوئے امریکی اعلان آج بھی برقرار ہیں۔ ہماری پیشکش اس کے علاوہ ہے۔"

"وہ تمہارے ہاتھ لگ گیا تو پھر امریکی کیوں انعامی رقم دیں گے؟" میں نے نریش سے پوچھا۔

"وہ ہمارے ہاتھ لگے یا امریکیوں کے۔ بات ایک ہی ہے" انل بسواس نے اپنی بھاری آواز میں وضاحت کی "ہم سب اس خبیث کے ہاتھوں عاجز آئے ہوئے ہیں۔ ہمارا مشترکہ مقصد صرف ایک ہے کہ وہ کسی کی بھی گرفت میں آجائے یا مارا جائے تاکہ اس کی بے مہار دہشت گردی کا خاتمہ ہو۔ اس کی وجہ سے ہمارے سفارت کار اپنے فرائض کی انجام دہی میں زیادہ فعال ہوتے ہوئے ڈرنے لگے ہیں۔"

"پھر یہ بات یقینی ہے کہ کوئی نہ کوئی مضبوط ایجنسی اسے پال رہی ہے" ان کے دلوں میں اترنے کے لیے میں نے ان کی پسندیدہ بات کہہ ڈالی۔ مجھے یہ جان کر حیرت ہو رہی تھی کہ وہ اس قدر طاقت ور اور دراز دست ہوتے ہوئے' ایک فرد سے اس قدر خوف زدہ تھے۔

"تم بالکل صحیح نتیجے پر پہنچے ہو۔ امریکی اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ اس بات کو چھپانے کی کوشش کر رہا ہے مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ ماضی قریب میں ڈینی کی طرف سے ہونے والی دہشت گردی کے خوف سے تین امریکی سفارت کار پاکستان میں اپنی تعیناتی قبول کرنے سے انکار کر چکے ہیں" نریش شرما نے کہا۔

وہ اس کی غلط فہمی تھی۔ شاید امریکیوں نے دوسروں سے یہ بات چھپائی ہو مگر مجھے معلوم تھا کہ انہوں نے پاکستان

Downloaded from https://paksociety.com

کے دفتر خارجہ سے باضابطہ طور پر یہ شکایت کی تھی کہ ان کے سفارت کار پاکستان کا رخ کرتے ہوئے گھبرانے لگے تھے اور اگر وہ صورت حال قابو میں نہ کی گئی تو پاکستان میں امریکی سفارتی عملے کی تعداد میں کمی کرنا پڑے گی۔ یہ خدشہ بھی ظاہر کیا گیا تھا کہ ایسے حالات سے سفارتی مراسم کو سخت نقصان پہنچنے کا خدشہ تھا۔

مجھے ان پر اپنی معلومات کے اظہار کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ میں نریش شرما کی مبالغہ آرائی پر خاموش رہا۔

"تم بھارت میں کب تک رکے رہو گے؟" انل بسواس نے مجھ سے پوچھا۔

"کم از کم دو ہفتے کا پروگرام ہے۔ ابھی آگرہ، ممبئی اور کلکتہ بھی جانا ہے۔" میں نے کہا۔

"میرا مشورہ ہے کہ اپنا تفریحی پروگرام مختصر کردو۔" اس نے کمبیر سنجیدگی سے اپنی رائے دی "تم کام کے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ تمہیں جلد از جلد پاکستان لوٹ کر اپنا کام شروع کردینا چاہیے۔ تم ایک لڑکی کے ساتھ آئے تھے۔ یہاں مفت میں تمہیں رینا جیسی لڑکی انعام میں ملی ہے۔ کچھ کار گزاری دکھانے کے بعد تم جب چاہو گے۔ تم کو ویزا مل جائے گا۔ اگلی بار تنہا یہاں آنا ہر شریں رینا جیسی حسین اور جوان لڑکیاں فخر کے ساتھ تمہاری میزبانی کریں گی۔"

انل بسواس ادھیڑ عمر، سنجیدہ اور تعلیم یافتہ شخص تھا۔ وہ ایسے اہم عہدے پر مامور تھا کہ بھارتی صدر اور وزیر اعظم بھی اس کا احترام کرتے تھے۔ اس کے باوجود وہ حس ڈھٹائی اور بے حیائی سے اپنی قوم کی لڑکیوں کے ساتھ رنگ رلیاں منانے کی پیشکش کررہا تھا، اس سے مجھے صدمہ ہوا۔ اس کی سفید کیپٹیوں کے نیچے مجھے اس کا باوقار چہرہ یکایک کالا اور مکروہ نظر آنے لگا۔

مگر وہ انل بسواس نہیں بول رہا تھا۔ را کا شہرہ یہی تھا کہ وہ روایتی طریقوں سے ہٹ کر جاسوسی اور تخریب کاری کے غیر روایتی طریقے استعمال کررہے تھے۔ وہ ہر شعبے میں خوب رو لڑکیوں کی حوصلہ افزائی کررہے تھے۔ میں ان کی بے شرمی کے اس تجربے سے ذاتی طور پر گزر چکا تھا۔

"اگلی بار میں یقیناً اکیلا آؤں گا۔ میری کوشش ہوگی کہ میں اپنی ساتھی کو تاج محل دکھا کر واپس لے جانے پر آمادہ کرسکوں۔"

"ممبئی اور کول کٹا کو بھول جاؤ۔ آگرہ گھوم کر لوٹ جاؤ۔" انل بسواس نے تاکید کی "ہمیں وہاں تم جیسے کسی آدمی کی سخت ضرورت ہے۔ چند روز پہلے ڈینی نے ہمارے جوگیندر پال نامی ایک سفارت کار کو اس کے گھر میں ریموٹ کنٹرولڈ بم کے ذریعے دھماکے میں اڑا دیا۔ میجر جتشی نامی دوسرے اہم سفارتی افسر پر ایسا قاتلانہ تشدد کیا گیا کہ وہ اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے۔ ہمارے بہترین ڈاکٹر اسے صحت یاب کرنے میں ناکام ہوچکے ہیں۔ پاکستان میں متعین ہمارا سفارتی عملہ سخت خوف و ہراس میں مبتلا ہے۔"

"میں واپس جاکر غزالہ سے بات کروں گا۔" میں نے اس کی تشویش پر دل ہی دل میں محظوظ ہوتے ہوئے، پُرخلوص انداز میں یقین دلایا۔

"آگرہ یہاں سے صرف دو سو کلومیٹر دور ہے۔" نریش شرما نے میری رہنمائی کی "تم صبح جاکر شام کو واپس آسکتے ہو۔ آگرے میں تاج محل کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔"

"سنا ہے کہ پورے چاند کی رات میں تاج محل کا حسن قابل دید ہوتا ہے۔ ہم شام کو جاکر سویرے وہاں سے لوٹ آئیں گے۔ میں کوشش کروں گا کہ غزالہ چاند کی چودھویں رات تک انتظار کرنے کی ضد نہ کرے۔" میں نے چودھویں رات کا ذکر وقت لینے کے لیے چھیڑا تھا تاکہ وہ مجھے فوری واپسی پر مجبور نہ کرسکیں۔

"شرما جی! تم مظہر کو اپنے کمرے میں لے جاؤ۔" انل بسواس نے گویا ملاقات کے اختتام کا اعلان کرتے ہوئے کہا "اپنے ریکارڈ سے اس امریکی اشتہار دکھا دو۔ دوسرے اخباری تراشے بھی اس کی یادداشت تازہ کرسکتے ہیں۔ یہ کام کرنے پر آمادہ ہوچکا ہے تو ہمیں اس کی صلاحیتوں کو پوری طرح پرکھ لینا چاہیے۔"

نریش شرما کے ساتھ میں نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی۔ انل بسواس نے بیٹھے بیٹھے میری طرف دایاں ہاتھ بڑھا دیا۔ میں نے اس کا کشادہ اور بھرا بھرا ہاتھ بہت تپاک سے اپنی گرفت میں لیا۔ اس کے بدن کا وہ پہلا لمس میرے لیے سنسنی خیز تھا۔ میرے بائیں ہاتھ کی انگلیوں میں زہریلی انگوٹھیاں موجود تھیں۔ ذرا سے اشارے پر میں کسی انگوٹھی کا زہر اس کے بدن میں اتار سکتا تھا۔ وہی زہر نریش شرما کا کام تمام کرنے کے لیے کافی ہوتا مگر پھر میں بند گلی میں گھر جاتا۔ میرے نکاس کی کوئی راہ نہ رہتی۔ باہر بیٹھا ہوا اگر اتنا احمق نہیں تھا کہ اپنے دو بڑوں کی اچانک موت کے بعد مجھے را کے اس دفتر سے نکل جانے دیتا۔

وہ سرور اور خواب و خیال کی ایک وجدانی لہر تھی جو چند لمحوں کے لیے میرے ذہن پر طاری ہوئی پھر میں حقیقت کی دنیا میں لوٹ آیا۔ انل بسواس نے مجھے عزت ضرور دی تھی مگر

Downloaded from https://paksociety.com

اس نے میرے تپاک کے جواب میں کسی گرم جوشی کا مظاہرہ نہیں کیا۔

انل بسواس سے ہاتھ ملانے کے بعد میں نریش شرما کی تقلید میں اس نیم روشن دفتر سے نکل آیا۔

نریش نے ناگر کے پاس رکنے کی زحمت نہیں کی۔ سیدھا راہ داری میں کھلنے والے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ لمحہ بھر کے لیے میری اور ناگر کی نظریں چار ہوئیں۔ مجھے اس کی آنکھوں میں غصہ بلکہ اشتعال جھلکتا ہوا نظر آیا۔ اس بار میں نے مزید طیش دلانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اس کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ میری وجہ سے اسے اپنے باس سے ڈانٹ سننا پڑی تھی۔ مجھے امید تھی کہ وہ مجھ سے الجھنے کی کوئی نئی کوشش نہیں کرے گا۔

میری اور انل بسواس کی وہ ملاقات کافی دیر جاری رہی۔ اس وقت ڈھائی بج رہے تھے اور عمارت میں سکوت و سناٹے کا راج محسوس ہو رہا تھا۔ انسانوں کی موجودگی کی بے آواز رونق اس وقت مفقود تھی۔

رینا کی دی ہوئی اطلاع کے مطابق دو بجے اس دفتر میں چھٹی ہو چکی تھی۔ را کے عملے کے بیشتر افراد اپنے گھروں کو جا چکے تھے۔ شاید گنے چنے لوگ اس عمارت میں باقی رہ گئے تھے جن میں میرے دونوں بڑے شکار بھی شامل تھے۔ وہ میری دسترس میں تھے مگر میں ان کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

نریش شرما کے کمرے کا راستہ بھی اس کے پی اے کے کمرے سے گزرتا تھا۔ اس کا پی اے ایک ادھیڑ عمر اور منشی نما شخص تھا جو اسے دیکھتے ہی اپنی کرسی سے اٹھ گیا۔ میں نے دیکھا کہ نریش کے ملاقاتیوں کے لیے کوئی علیحدہ انتظار گاہ نہیں تھی۔ اس کے پی اے کے کمرے میں ہی قرینے سے چھ آرام دہ کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔

اپنے منصب اور میری معلومات کے مطابق انل بسواس را کے اس دفتر کا سربراہ تھا۔ ناگر اس کا ذاتی نائب تھا مگر انتظامی طور پر دوسری حیثیت نریش شرما کو حاصل تھی۔ میں نے خاص طور پر یہ بات نوٹ کی کہ اس دفتر میں افسران کی خدمت کے لیے اردلیوں اور چپراسیوں کی ریل پیل نہیں تھی۔ اسٹاف کی تعداد کو شاید اہلکاروں کی استعداد بڑھا کر محدود رکھا گیا تھا۔ ہر افسر کو اپنا کام خود کرنا ہوتا تھا۔ کم تنخواہوں والے مجبور اور بے کس ملازمین کی کمی را کے رازوں کی حفاظت کی ایک کلید بھی سمجھی جا سکتی تھی۔

"رام بابو! تم چاہو تو گھر جا سکتے ہو" نریش نے اپنے پی اے کے قریب رک کر کہا "میں ذرا دیر تک بیٹھوں گا۔"

"پھر سرکار، میں بھی بیٹھا ہوا ہوں۔ پتا نہیں آپ کو کب میری ضرورت پڑ جائے" رام بابو نے فرماں بردار ماتحت کی طرح جواب دیا۔

"تمہاری ضرورت نہیں پڑے گی۔ سارے ضروری کاغذات اندر میرے پاس موجود ہیں" نریش نے رام بابو کی حوصلہ افزائی کی۔

"بہت اچھا سرکار۔ میں اپنی میز سمیٹے لیتا ہوں" رام بابو کا جواب سن کر نریش اپنے کمرے میں گھس گیا۔

میں اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ اس کا دفتر بھی سادہ تھا۔ میز، کرسیوں اور صوفہ سیٹ کے علاوہ جس چیز نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کرائی، وہ ایک آہنی تجوری تھی جو کمرے کے ایک گوشے میں دو آہنی الماریوں کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی۔ شاید وہی تجوری گرین کوبرا فائل کا مدفن اور مخزن تھی کیونکہ انل بسواس کے دفتر کی سپاٹ دیواروں کے ساتھ مجھے ایسی کوئی جگہ نظر نہیں آئی تھی جہاں اہم کاغذات اور فائلیں وغیرہ رکھی جا سکیں۔

"تم کیا پیتے ہو؟" میز کے پیچھے، اپنی گھومنے والی کرسی پر بیٹھ کر نریش شرما نے دوستانہ لہجے میں مجھ سے پوچھا۔

"میں چائے اور ٹھنڈے پانی کے سوا کچھ نہیں پیتا" میں نے مسکرا کر جواب دیا "اس وقت اس کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

اس نے اپنی ایک مقفل دراز کھول کر شراب کا ایک شفاف بوتل نکالا۔ سفید بوتل میں سفید شراب تھی جو جن ہو سکتی تھی یا پھر واڈکا۔ "شراب کے بغیر شباب سے لطف اندوز ہونا ایسا ہی ہے جیسے چمچے سے قورمہ کھایا جائے" وہ اپنا گلاس بناتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"بڑی نادر مثال دی ہے تم نے" میں خوامخواہ ہنس دیا۔

انل بسواس کی بارعب شخصیت کے ساتھ میں نے آپ جناب کا تکلف برقرار رکھا تھا جو اس کے رتبے کے پیش نظر ضروری تھا۔ مگر نریش شرما سے میں نے ابتدا سے ہی قدرے بے تکلفی رکھی تھی۔ اس کے ساتھ بیٹھ کر میں خود کو زیادہ پرسکون محسوس کر رہا تھا۔

"قورمے کا اپنا ایک ذائقہ ہوتا ہے جو ہر حال میں برقرار رہتا ہے مگر اس کو خمیری روٹی یا شیرمال کے ساتھ کھایا جائے تو بات کچھ اور ہو جاتی ہے" اس نے جن میں لائم واٹر ملاتے ہوئے کہا "یہی حال شباب کا بھی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ابھی تم رینا کو پوری طرح دریافت نہیں کر سکے۔"

Downloaded from https://paksociety.com

انل اور نریش جس روانی سے رینا کے تذکرے کر رہے تھے' اس سے پتا چل رہا تھا کہ اس جیسی لڑکیوں کو را نے صرف "سرکاری کاموں" کے لیے ملازم نہیں رکھا ہوا تھا۔ ایسی لڑکیاں فاضل اوقات میں را کے افسروں کی شامیں رنگین بنانے اور ان کی خلوتوں کو آباد کرنے کے کام بھی آتی تھیں۔ ملک و قوم کی خدمت کے وہ دعوے دار دل کھول کر اپنی قوم کی آبرو سے کھیل رہے تھے اور ان پر کوئی قدغن نہیں تھی۔

نریش شرما کی میز کی درازیں اور میز کے ساتھ لگے ہوئے بڑے سے سائڈ ریک کے خانے اس کی ضرورت کی ہر چیز سے لیس تھے۔ اس نے اپنی کرسی سے ہلے بغیر گلاس تیار کر کے جن کا ایک گھونٹ اپنے معدے میں اتار لیا تھا۔ یہ اچھی بات تھی کہ وہ عادی شرابی تھا۔ میں کچھ دیر تک اس کے ساتھ بیٹھا رہتا تو وہ اتنے خمار میں آسکتا تھا کہ میرے ساتھ روانی سے باتیں کرتا رہے۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ اپنے سرکاری دفتر میں بیٹھا پی رہا تھا۔

"رینا تمہارے دفاتر میں بہت زیادہ مقبول معلوم ہوتی ہے۔" میں نے ایک لمحے کے لیے سوچنے کے بعد کہہ ڈالا۔

"پتا نہیں یہاں کتنی رینائیں آتی جاتی رہتی ہیں۔ تم سے اس کی بات اس لیے ہو رہی ہے کہ تم صرف اسی کو جانتے ہو" اس نے اپنی کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا "اگلی بار یہاں آؤ گے تو تم کو دوسری لڑکیوں سے بھی ملوا دیا جائے گا۔ تم بیٹھو میں ذرا کام کی فائلیں لاتا ہوں۔"

اس نے اپنا گلاس وہیں چھوڑا اور پتلون کی داہنی جیب کو ٹٹولتا ہوا آہنی تجوری کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

تجوری ایسے رخ پر رکھی ہوئی تھی کہ میں اس کے دروازے تیم وا ہونے کے باوجود اندر کا جائزہ نہ لے سکا۔ نریش تجوری کے سامنے جھکا ہوا اپنے مطلوبہ کاغذات تلاش کر رہا تھا۔

کئی منٹ گزر گئے لیکن نریش وہیں مصروف رہا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اسے اپنی ضرورت کے کاغذات نہ مل رہے ہوں۔ اس دوران میں اس نے کئی فائلیں وغیرہ نکال کر قالین پر ڈال دی تھیں۔ میں خاموش بیٹھا وہ تماشا دیکھتا رہا۔ اس وقت صبر ہی میرا سب سے بڑا ہتھیار تھا۔ غیر ضروری طور پر بولنے سے گریز کرکے میں نریش شرما سے بہت کچھ جان سکتا تھا۔ مجھے یقین ہونے لگا تھا کہ گرین کوبرا فائل اسی کی تحویل سے مل سکتی تھی۔

آخر نریش نے تجوری بند کر کے مقفل کر دی۔ اس نے فائلوں کا ایک بندھا ہوا بنڈل نکال کر ہر کاغذ تجوری میں واپس محفوظ کر دیا تھا۔ بنڈل لے کر وہ اپنی میز پر لوٹ آیا اور خود کلامی کے انداز میں بڑبڑاتے ہوئے بولا "ڈینی کے تراشوں کی فائل میں نے امرکی ریکارڈ کے ساتھ رکھی تھی۔ پتا نہیں وہ کہاں ہے۔ شاید ان پاکستانی فائلوں میں مل گئی ہو" اس نے بنڈل کا بند کھول کر اپنے گلاس سے ایک چھوٹا سا گھونٹ لیا اور فائلیں دیکھنے لگا۔

وہ پاکستان سے متعلق را کی فائلیں لیے بیٹھا تھا۔ میرے ذہن میں بے اختیار بچپن میں سنی ہوئی وہ پہیلی گونج اٹھی جو ماں اکثر مجھ سے پوچھا کرتی تھی۔ چار گھڑے' رس کے بھرے۔ چوپر تنکے' لے نہ سکے۔ اس پہیلی کا جواب گائے بھینس کے تھن ہوتا تھا جو میں ہمیشہ بھول جاتا تھا اور ماں میرا مذاق اڑایا کرتی تھی' خوش ہوتی تھی کیونکہ اس بہانے میں اس کی باتوں میں بہلا رہا کرتا تھا۔

اس وقت کی صورت حال پر وہ پہیلی پوری طرح صادق آرہی تھی۔ فائلیں میرے سامنے تھیں' شاید ان میں گرین کوبرا فائل بھی تھی۔ میں اس پلندے کو ندیدی نگاہوں سے تک رہا تھا لیکن انہیں نریش شرما سے چھین لینے پر قادر نہیں تھا۔

انل بسواس سے میری وہ ملاقات ضرورت سے زیادہ بار آور ثابت ہوئی تھی۔ ملاقات سے پہلے رینا اپنی مکاریوں سے تائب ہو کر میری خیر خواہ بن چکی تھی۔ میں نے انل بسواس کو اپنے ہاتھ سے چھو کر دیکھ لیا تھا۔ وہ پاکستان کے خلاف را کی سرگرمیوں کا ناخدا تھا۔ اس تک پہنچنا میرا اور پاکستانی ایجنسیوں کا خواب تھا۔ اسے اور نریش کو دیکھ لینے کے بعد میں موقع پا کر کسی بھی وقت اپنی کاری ضرب لگا سکتا تھا۔

"اجازت ہو تو میں سگریٹ سلگا لوں؟" میں نے نریش کی محویت میں دخل اندازی کی "شاید تم بھول گئے کہ میں یہیں بیٹھا ہوا ہوں۔"

"پیو' پیو" اس نے پلندے سے نگاہیں ہٹائے بغیر کہا "شراب نہیں تو سگریٹ ہی پیو۔ اس وقت میں تمہارے لیے تراشوں کی تلاش میں سرگرداں ہوں۔"

"اپنے رام بابو سے مدد لے لو" میں نے سگریٹ اور ماچس نکال کر اسے مشورہ دیا۔

"یہ تجوری شجر ممنوعہ ہے۔ اسے میرے اور بڑے صاحب کے سوا کوئی نہیں کھولتا۔ بے چارہ رام بابو کچھ نہیں کر سکتا۔"

وہ فائلیں الٹ پلٹ رہا تھا۔ میری عقابی نگاہیں اسی

Downloaded from https://paksociety.com

طرف جمی ہوئی تھیں۔ میں فائلوں پر لکھی ہوئی خفیہ تحریریں پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس وقت تک صرف ایک فائل کا جلی عنوان میری نظروں میں آسکا تھا۔ اس پر سرخ مارکر سے پی اے ای سی ون لکھا ہوا تھا۔

وہ را کے دفتر میں محفوظ کی ہوئی ٹاپ سیکرٹ فائلیں تھیں۔ میرے ذہن میں انگریزی کے وہ حروف بھی گھومتے رہے۔ اسی کے ساتھ میں پاکستان کے ان اہم قومی اداروں کے بارے میں سوچ رہا تھا جن کی کارکردگی اور پیش رفت میں بھارت غیر معمولی دلچسپی لے سکتا تھا۔ وہ ایٹمی دھماکوں سے پہلے کا کشیدہ دور تھا جب عالمی قوتیں دونوں فریقوں کو ایٹمی کلب میں شمولیت سے روکنے کی سرتوڑ کوششیں کر رہی تھیں۔

یکایک میرے ذہن میں روشنی سی کوند گئی۔ وہ انگریزی حروف پاکستان اٹامک انرجی کمیشن کا مخفف ہو سکتے تھے۔ ون شاید اس فائل کا نمبر تھا۔ میرے وجود میں ہیجان برپا ہو گیا۔ حوصلہ کرنے اور ہاتھ بڑھانے کی دیر تھی۔ فائلوں کا وہ پورا پلندہ میرے قبضے میں آسکتا تھا۔

پھر پلاسٹک کی ایک سفید فائل نریش شرما کے ہاتھوں سے لڑھکی۔ فائل پر جی سی کا دو حرفی اور خاصا بڑا کمپیوٹر پرنٹ چسپاں تھا جسے دور سے بھی پڑھا جا سکتا تھا۔ وہ دونوں حروف گرین کو برا کے سوا کسی اور فائل سے متعلق نہیں ہو سکتے تھے۔ پتا نہیں اس فائل میں کیا تھا۔ میں اپنے اصل روپ میں ان کے لیے بڑا ناگ تھا۔ بڑے ناگ اور گرین کوبرا میں کوئی معنوی یا لفظی مطابقت نہیں تھی۔ الفاظ کی نسلی یکسانیت پہلے سے میرے ذہن میں موجود تھی۔ میرے اضطراب میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔ سب کچھ جان لینے اور چھین لینے کی خواہش میرے دل و دماغ میں زور پکڑتی جا رہی تھی مگر اس کا ممکنہ انجام میری آرزوؤں کی لگام بنا ہوا تھا۔

وہ پتلی اور موٹی، کل گیارہ فائلیں تھیں جو ایک جگہ بندھی ہوئی تھیں۔ دسویں فائل دیکھ کر نریش شرما نے اطمینان کا سانس لیا۔ وہ اتنی دیر سے اسی فائل کی تلاش میں جھک مار رہا تھا۔ اس نے دوسری فائلوں کو بے پروائی سے ایک طرف سرکا دیا اور مطلوبہ فائل اپنے سامنے رکھ لی۔

اٹل بسواس کے قول کے مطابق نریش اپنے ڈھب پر آئے ہوئے ایک نئے پنچھی کو اس کے نئے کام پر بریفنگ دینے کی تیاری کر رہا تھا۔ وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک عام پاکستانی کو را کے اندرونی ریکارڈ سے کوئی واقفیت یا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ میں خود اپنے اندرونی اضطراب اور ہیجان پر قابو پائے بیٹھا تھا۔ میں نے اضطراری طور پر بھی ایسی کوئی حرکت نہیں کی تھی جس سے نریش کو یہ شبہ ہوتا کہ میں اس کے سامنے رکھی ہوئی فائلوں کی طرف توجہ دے رہا تھا۔

نریش را کا ایک تجربے کار افسر تھا۔ وہ بے وقوف، غبی یا بے پروا نہیں تھا۔ اس کی ذہانت ہر شک و شبے سے بالا تھی۔ وہ اپنے مخصوص کاموں میں ماہر تسلیم کیا جاتا تھا جس کی گواہی گوپال بھی دے چکا تھا۔ اس کی بدنصیبی یہ تھی کہ اسے بلکہ اس کے بڑے کو بھی میری اصلیت کا ادراک نہیں ہو سکا تھا۔ ان دونوں نے مجھے اپنا مہمان بنا کر اپنے دفتر میں بلایا اور بٹھایا ہوا تھا اور مجھ سے میری تلاش میں مدد کے خواہاں تھے۔

ان کے اطمینان کا سبب یہ تھا کہ اول خان نے میرے لیے کراچی کے جس نام، پتے اور پیشے کا انتخاب کیا تھا۔ وہ فرضی نہیں تھا۔ خود مجھے بھارت پہنچنے تک علم نہیں تھا کہ میرے کاغذات کی تیاری میں اول خان نے اتنی احتیاط سے کام لیا ہوگا۔ یہ عقدہ اس وقت کھلا جب را والوں نے اپنے ذرائع سے ان کوائف کی تصدیق کرنے کے بعد رینا اجیت رائے کو میرے پیچھے لگا دیا۔ وہ بجا طور پر مجھے مظہر خان سمجھ رہے تھے۔ اول خان نے میری روانگی کے بعد اصلی مظہر خان کو اس کے ٹھکانے سے کہیں اور منتقل کر دیا تھا۔ وہ ذہانت اور دور بینی کی پرکار تھی جس میں اول خان فتح یاب رہا تھا اور را کے اعلیٰ دماغ مار کھا گئے تھے۔

نریش شرما نے وہ فائل مجھے دکھانے سے پہلے، اپنے اطمینان کے لیے اس کی ورق گردانی شروع کر دی۔ اس میں صرف اخباری تراشے نہیں تھے۔ ان کے درمیان سفید اور گدلے اوراق بھی لگے ہوئے تھے جو اخباری کاغذ سے بہت مختلف تھے۔ درمیان میں اس نے اپنے گلاس سے مزید ایک گھونٹ لیا اور پھر امریکی اشتہار کا تراشا کھول کر فائل میرے سامنے کر دی۔ دوسرے اوراق کو اس نے اپنے ہاتھوں سے اس طرح دبا لیا تھا کہ کاغذ اڑنے کی وجہ سے وہ میری نظروں میں نہ آسکیں۔

وہ بڑا اشتہار میں زندگی بھر فراموش نہیں کر سکتا تھا۔ اس میں ویرا کی پرانی تصویر لگی ہوئی تھی۔ اس حوالے سے کوئی اور اسے نہیں پہچان سکتا تھا مگر میرے لیے وہ تصویر اجنبی نہیں تھی۔ میری ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ را والوں کا ریکارڈ مکمل اور بھرپور تھا۔ ہم دونوں کھڑی ڈھلان کے سب سے اوپری کنارے پر اٹکے ہوئے اپنی جیت اور بقا کی لڑائی لڑ رہے تھے۔ ہماری ذرا سی لغزش ہمیں آناً فاناً

Downloaded from https://paksociety.com

میں تحت الثریٰ میں پہنچا سکتی تھی جہاں ناکامی' مایوسی اور موت کی سسکاریاں مارتی ہوئی اتھاہ دلدلوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔

"یہ اشتہار آج بھی موثر ہے۔ ڈبی کا قصہ نمٹ جائے تو ویرا خود تباہ ہو جائے گی" نریش شرما نے کہا اور میں پھر لرز کر رہ گیا۔

نریش شرما نے بہت عارفانہ انداز میں میرا اور ویرا کا نام لیا تھا۔ مجھے اچانک احساس ہوا کہ نادانستگی میں ہم سے ایک سنگین غلطی ہوئی تھی۔ اس سفر کے لیے غزالہ کا نام تبدیل کیا جانا بہت ضروری تھا۔ جو لوگ میرے لہو کے پیاسے تھے وہ بہت باخبر تھے۔ میرے اور ویرا کے ناموں کے ساتھ یہ بات ان سے چھپی ہوئی نہیں رہ سکتی تھی کہ میری بیوی کا نام غزالہ تھا۔ یہ ہماری خوش بختی تھی کہ کسی نے اس نکتے پر دھیان نہیں دیا تھا۔

میری گردن صرف اول خان کی ہوشیاری کی وجہ سے بچی ہوئی تھی۔ راواؤں کو مکمل یقین تھا کہ میں مظہر خان تھا۔ انہیں میری ذات اور شناخت پر ذرا بھی شبہ ہوتا تو وہ غزالہ کی طرف ضرور متوجہ ہوتے۔ ان کی نظروں میں' میں مظہر خان تھا اس لیے وہ کوئی بھی غزالہ ہو سکتی تھی۔ غزالہ بہت عام نام تھا۔ اس کی اپنی جگہ کوئی اہمیت نہیں تھی۔ میری عرفیت کے حوالے سے وہ عام نام یکایک بہت زیادہ اہمیت اختیار کر لیتا تھا۔

مجھے انل بسواس کے خود غرضانہ مشورے میں اپنا مفاد نظر آنے لگا۔ حالات بہت تیزی سے اپنا رخ تبدیل کر رہے تھے۔ غزالہ کا نام ایک نیا خوف بن کر میرے اعصاب پر سوار ہونے لگا۔ ڈھلان کے سرے پر میرے پیروں کے نیچے سے ایک اور پتھر نکل کر نیچے لڑھک گیا تھا۔ پوزیشن مخدوش تر نظر آنے لگی تھی۔ بہتر یہی تھا کہ ہم کسی سے کوئی چھیڑ چھاڑ کیے بغیر' خاموشی سے پاکستان لوٹ جاتے اور نئی تیاریوں کے ساتھ دشمن کے گڑھ پر پلٹ کر حملہ کر دیتے۔

"کاش' میں اس معاملے میں تمہارا ہاتھ بٹا سکتا" میں نے اشتہار پڑھتے ہوئے کہا۔

"یہ تمہاری لاٹری ہوگی" نریش اوراق کو دبوچے کھڑا رہا۔ میں نے اشتہار پڑھ لیا تو اس نے احتیاط سے فائل بند کی اور اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

میرے لیے وہ موضوع اچانک وحشت ناک ہونے لگا تھا۔ نریش نے اپنا گلاس ہونٹوں سے لگایا تو میں نے زبردستی مسکراتے ہوئے پوچھا "برا نہ مناؤ تو ایک بات پوچھ لوں؟"

"ایک نہیں' دو باتیں پوچھو۔ اب تم اپنے آدمی ہو" اس نے کشادہ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"کیا را کے افسروں کو اپنے دفاتر میں شراب نوشی کی اجازت ہے؟" میں نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

اس نے گلاس رکھ کر تیز نگاہوں سے مجھے گھورا پھر بولا "میں دفتری اوقات کے بعد تخلیے میں کبھی کبھی جن لے لیتا ہوں۔ دیکھنے میں یہ شراب پانی جیسی ہوتی ہے۔ اس کی بو بھی بہت کم ہوتی ہے۔ پیتے ہوئے میں زیادہ انہماک سے کام کرتا ہوں۔ باہر جا کر تم ڈھول نہ پیٹ دینا۔ تم جیسے مہمانوں کے لیے ہمیں چھوٹ ہے کہ چاہیں تو دفتری اوقات میں بھی ضرورت کے تحت شراب سے میزبانی کر سکتے ہیں۔ ہمارا کام دوسرے سرکاری دفتروں سے بہت مختلف ہے۔"

"ابھی رام بابو اور تمہارے بڑے صاحب اپنے اپنے دفتروں میں موجود ہیں؟" میں نے اسے چھیڑا۔

"رام بابو کی ایک بیٹی بیمار رہتی ہے۔ چھٹی کے بعد وہ مشکل سے دفتر میں رکتا ہے۔ اب تک اپنے گھر کا آدھا راستہ طے کر چکا ہوگا۔ بڑے صاحب خود کسی کے کمرے میں نہیں آتے' جس سے کوئی کام ہو' اسے انٹر کام پر اپنے کمرے میں بلاتے ہیں.... سمجھ گئے پوری بات؟"

اس کے سرد لہجے نے مجھے بے ساختہ ہنسنے پر مجبور کر دیا۔ انل بسواس کے مقابلے میں وہ بہت دوستانہ مزاج کا مالک تھا۔

"اگر پورا دفتر خالی ہو گیا تو مجھے ہوٹل کون پہنچائے گا؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"باہر آسانی سے ٹیکسی مل جاتی ہے' میں تمہیں چھوڑ سکتا ہوں مگر ایسا نہیں ہوگا۔ اگر تمہارا انتظار کرے گا۔ تمہاری واپسی کا بندوبست اس کی ذمے داری ہے۔"

"تمہارا گلاس خالی ہونے کے بعد میں واپسی کی اجازت چاہوں گا" میں نے اس کے سامنے پڑی ہوئی فائلوں کے رنگ ذہن نشین کرتے ہوئے کہا۔

"صرف اشتہار دیکھ لینے کے بعد کام ختم نہیں ہوا۔ میں تمہیں وہ موضوعات بتانا چاہتا ہوں جن پر تمہاری توجہ مرکوز رہنی چاہیے۔"

"ضرور بتاؤ' اس سے میرا کام آسان ہو جائے گا۔" میں نے خوش دلی سے کہا۔

"سب سے پہلے ایک اہم بات سن لو۔ ہمارے کام کی نوعیت ایسی ہے کہ ہم اجنبیوں پر اعتماد نہیں کرتے۔ چھان بین کے بعد کسی سے معاہدہ کر لیتے ہیں تو پھر اس کی پوری

Downloaded from https://paksociety.com

پاسداری کی امید رکھتے ہیں۔ اپنے مقاصد اور وعدوں سے انحراف کو معاف نہیں کیا جاتا۔ اس کی سزا صرف ایک ہوتی ہے۔"

"راکا نام سامنے آجانے کے بعد شاید یہ بتانے کی ضرورت نہیں رہی تھی" میں نے نرمی سے کہا۔

نریش نے اس ناخوشگوار نکتے پر مزید کچھ نہیں کہا۔ پرخیال لہجے میں بولا "تم کو معلوم ہے کہ ہمارا ملک آبادی اور رقبے میں پاکستان سے بہت بڑا ہے۔ ہماری ضروریات اور ترجیحات بڑی ہیں لیکن پاکستان کی ہر تیاری میں ہمیں پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ ہمیں پاکستان کی ایٹمی تیاریوں پر بہت زیادہ تشویش ہے۔ فوجوں کی تعداد، ان کے زیر استعمال ہتھیاروں کی تفصیل، ٹینکوں اور توپوں کی صحیح تعداد، فضائی بیڑے کی صلاحیت، آبدوزوں کا دائرہ کار، بڑے سیاسی لیڈروں کے نجی رجحانات.... یہ سب ہماری دلچسپی کے موضوعات ہیں۔"

"تمہیں پاکستان کے سیاسی اور دفاعی منظرنامے کی ہر تفصیل درکار ہے؟" میں نے تائید طلب لہجے میں پوچھا۔

"تم سمجھ دار ہو، اس میں ہر بات آجاتی ہے۔ ہمارے مزائم نیک ہیں لیکن بہت بڑا بھائی اپنے بہت چھوٹے بھائی کو یہ اجازت نہیں دے سکتا کہ وہ اس کی برابری کرنے کی کوشش کرے۔ یہ بدقسمتی ہے کہ پاکستان کا رویہ ہمیشہ یہی رہا ہے۔ اس میں بہتری کے وقفے بہت مختصر رہے ہیں۔"

"انل صاحب نے جو گیند ریال کے گھر بم پھٹنے کا ذکر کیا تھا۔ وہ واقعہ میں نے اخباروں میں پڑھا تھا۔ میجر بخشی والے قصے سے میں بے خبر ہوں۔ وہاں ایسے واقعات ہوتے ہیں تو ہماری طرف سے بھی کوئی نہ کوئی جوابی قدم اٹھایا جاتا گا؟" میں نے سوال کیا۔

"بھارت عدم تشدد اور اہنسا کے اصولوں پر کاربند ہے۔ ہم جوابی کارروائی نہیں کرتے" اس نے شراب کا ایک گھونٹ لے کر مکاری سے کہا "یہ تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"ایسی عملی کارروائیوں سے مجھے خوف آتا ہے۔ مجھے ریشہ تھا کہ کہیں مجھ سے ایسی توقعات نہ باندھ لی جائیں" ملہ کے راستے میں مرنے والے پاکستانی سفارت کاروں کے ے میں، میں سوچ کر رہ گیا۔

وہ ہنس پڑا "ایسا نہیں ہوتا۔ ضرورت پڑجاتی ہے تو ں آدمی ایسے کام انجام دیتے ہیں" ہنستے ہوئے اس کے ید دانت بھیڑیئے کے دانتوں کی طرح چمک رہے تھے۔

"پھر مجھے کوئی فکر نہیں ہے۔ یہ بتاؤ کہ میرے مستقبل بطے کس سے رہیں گے؟"

"صبر سے کام لو۔ وقت آنے پر ہر بات بتادی جائے گی۔ سب سے پہلے تمہیں یہ فیصلہ کرنا ہے کہ پاکستان کب لوٹ رہے ہو۔"

"میں کل شام تک بتادوں گا۔ مجھے کس سے اور کیسے رابطہ کرنا ہوگا؟ ریٹا مجھے الگ ہوتی ہوئی نظر آرہی ہے۔"

اس نے اپنی دراز سے ایک کارڈ نکال کر میری طرف بڑھادیا "اس پر میرے دفتر اور گھر کے فون نمبر ہیں۔ تم رات بارہ بجے سے پہلے کہیں بھی فون کرسکتے ہو۔"

وہ بہت سادہ وزیٹنگ کارڈ تھا جس پر نریش شرما کے نام اور دونوں فون نمبروں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ میں نے کارڈ کو دونوں طرف سے دیکھا پھر حیرت سے کہا "اس پر تمہارا عہدہ، دفتر کا نام یا گھر کا پتا، کچھ بھی نہیں ہے۔"

"میرا دفتر تم نے دیکھ لیا، گھر قرول باغ میں ہے۔ بڑے صاحب کے بعد میں اس دفتر کا دوسرا بڑا ہوں" اس نے میرے تجسس سے محظوظ ہوتے ہوئے جواب دیا۔

"ناگر نے میرے فنگر پرنٹس لے لیے تھے۔ ریٹا نے بتایا ہے کہ میری اور اس کی پہلی ملاقات کی ویڈیو فلم بھی بنائی گئی تھی۔"

"اس بارے میں تم کیا جاننا چاہتے ہو؟" اس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے استہزاء آمیز لہجے میں پوچھا۔

"میری معلومات ادھوری ہیں۔ میں دہلی میں ہوں۔ ہر وقت تمہاری دسترس میں ہوں۔ تمہارے لیے ان چیزوں کی کیا افادیت ہے؟"

"یہ طے ہوچکا تھا کہ تمہیں ہمارے لیے کام کرنا ہے" نریش نے تھوڑے سے توقف کے بعد کہا "تم ہمیشہ دہلی میں نہیں رہو گے۔ تمہیں جلد از جلد پاکستان واپس جاکر اپنا کام شروع کرنا ہے۔ اپنے گھر پہنچ کر تم ہم سے منحرف ہوگئے تو یہ دونوں چیزیں ہمارے کام آئیں گی۔"

"تم انہیں میرے خلاف استعمال کروگے؟" میں نے تھوک نگلتے ہوئے اپنی بے آرامی کی اداکاری کی۔

"تم نے ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کی تو انہیں استعمال کیا جائے گا۔ اس سے پہلے یہ دونوں چیزیں محفوظ رہیں گی۔ تمہاری وعدہ خلافی کی صورت میں ویڈیو کی نقلیں کراچی میں پھیلادی جائیں گی۔ وہاں ایسی فلموں کی بہت مانگ ہے۔ اس میں تمہاری فطری تصویریں ہیں۔ فنگر پرنٹس کے ذریعے تم دنیا کے کسی بھی گوشے میں پہچان لیے جاؤ گے۔ یہ دونوں چیزیں اب ہمارے ریکارڈ کا حصہ بن چکی ہیں۔ تمہاری نیت صاف ہے تو تم کو ان سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"میرا ایسی چیزوں سے کبھی واسطہ نہیں پڑا لیکن میں نے فلموں وغیرہ میں دیکھا ہے کہ فائلیں اور فنگر پرنٹس' دونوں چیزیں خطرناک ہوتی ہیں۔ غلط ہاتھوں میں پہنچ گئیں تو میری زندگی حرام ہوسکتی ہے" میں یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ وہ دونوں چیزیں کس کے قبضے میں تھیں۔ میں سیدھا کوئی سوال کرتا تو نریش شرما کے کان کھڑے ہوجاتے۔ میں گھما پھرا کر اپنے سوال کا جواب لینے کی کوشش کررہا تھا۔

"را کا سارا اثاثہ ریکارڈ ہی ریکارڈ ہے" نریش نے کہا "یہاں ہر چیز صحیح مقام پر صحیح آدمی کی تحویل میں ہوتی ہے۔ جس دن اس نظام میں کوئی خرابی پیدا ہوئی' سب کچھ تباہ ہوجائے گا۔ اس بارے میں تم کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم اپنی بازی کا ہر کارڈ اس کی ناگزیر ضرورت کے وقت کھیلنا جانتے ہیں۔"

"یہ تمہارے پیشے کی باتیں ہیں۔ انہیں تم ہی سمجھ سکتے ہو۔ میں امید کرسکتا ہوں کہ تم ان چیزوں کی حفاظت کرو گے۔"

"میں نے کب کہا کہ وہ چیزیں میرے پاس ہیں جو تم مجھ سے امید باندھ رہے ہو؟" اس نے شاطرانہ انداز میں پوچھا پھر کہا "مگر تم مطمئن رہو۔ وہ چیزیں جس کے پاس بھی ہیں' پوری طرح محفوظ ہیں" اپنی بات پوری کرکے اس نے اپنا گلاس خالی کردیا۔

وہ بہت چالاک تھا' اپنی سادہ لوحی برقرار رکھتے ہوئے اس سے کچھ اگلوانا آسان نہیں تھا۔ میں نے مزید کوئی سوال کرنے کا ارادہ ترک کردیا۔ اس وقت تک سارے معاملات ہموار اور صاف ستھرے انداز میں چل رہے تھے۔ میرا زیادہ اصرار اسے میری طرف سے بدظن کرسکتا تھا۔

اس نے فائلوں کو احتیاط سے یکجا کرکے مضبوط فیتے میں باندھا اور بنڈل اٹھا کر دوبارہ تجوری کی طرف چل دیا۔

مجھے رینا نے بتایا تھا کہ انل بسواس اہم کاغذات اور اشیا کے بارے میں کسی پر اعتبار نہیں کرتا۔ انہیں اپنی تحویل میں رکھتا ہے لیکن اس کے دفتر میں ایسی کوئی جگہ نظر نہیں آئی تھی جہاں وہ اپنا ذاتی ریکارڈ وغیرہ محفوظ کرسکے۔ ویسے بھی وہ اس دفتر میں کبھی کبھار آتا تھا۔ اس کا اصل آفس را کے مرکزی دفاتر میں تھا جو دہلی کے کسی اور علاقے میں واقع تھے۔ مجھے شبہ ہورہا تھا کہ میری ذات سے تعلق رکھنے والی دونوں چیزیں نریش کی تجوری میں ہوسکتی تھیں۔

پاکستان کی فائلیں تجوری میں مقفل کرنے کے بعد نریش روانگی کے لیے تیار ہوگیا۔ اپنا کمرا اس نے خود مقفل کیا۔ رام بابو کا کمرا خالی تھا۔ طویل راہداری سنسان نظر آرہی تھی۔ اس کے آخری سرے پر ایک چوکیدار کرسی ڈالے بیٹھا ہوا تھا۔

نریش مجھے لے کر دوسرے کمرے میں پہنچا تو ناگر اکیلا بیٹھا پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ نریش کمار کے لیے اپنی کرسی سے اٹھنا اسے ناگوار گزرا۔

"بڑے صاحب بیٹھے ہیں یا چلے گئے؟" نریش نے رسمی طور پر اس سے پوچھا۔

"تم دونوں کو رخصت کرنے کے چند منٹ بعد وہ چلے گئے تھے۔ میں یہاں مکھیاں مار رہا ہوں" وہ بے زاری سے بولا۔

"مظہر کو اس کے ہوٹل پہنچانے کے بعد تمہارا کام ختم۔" نریش نے اسے نوید سنائی۔

"صاحب کہہ کر گئے تھے" ناگر نے نریش کی بات کی اہمیت ختم کرتے ہوئے کہا پھر وہ میری طرف متوجہ ہوگیا "آؤ!"

ناگر اور پھر نریش نے باری باری انل بسواس کے کمرے کا دروازہ دیکھا جو مقفل تھا پھر ہم تینوں ایک ساتھ باہر چل دیے۔ دروازے پر بیٹھے ہوئے چوکیدار نے ہمیں دیکھا تو اپنے ہاتھ میں موجود چابیوں کا وزنی گچھا ہلاتا ہوا ہماری طرف آنے لگا۔ درمیان میں ہمارے پاس سے گزرتے ہوئے اس نے جھک کر سلام کیا اور آگے نکل گیا۔

"ہمارے جانے کے بعد شاید یہی اس عمارت میں رہ جائے گا" میں نے روا روی میں کہا۔

"ہاں' یہ محکمے کا چوکیدار ہے۔ خالی کمروں میں تالے ڈالنے کے بعد چھت پر چلا جاتا ہے۔ وہیں اس کا کمرا ہے" نریش نے جواب دیا۔

میرے ذہن میں چرخہ چلنا شروع ہوگیا۔ نریش ایسے موڈ میں تھا کہ اس سے کچھ باتیں کی جاسکتی تھیں لیکن ناگر کی موجودگی میں میرا خاموش رہنا زیادہ بہتر تھا۔

دونوں موٹے سپاہی اپنی وردیاں اتار کر' کرسیاں برآمدے میں لے آئے تھے۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے وہ دن رات وہیں مامور رہتے ہوں۔ دن بھر کرسیاں اور رات میں چارپائیاں توڑنے کے نتیجے میں ان کا کاہل اور بے زار ہونا قابل فہم تھا۔ ان کی زندگیوں میں اکتا دینے والی یکسانیت نظر آتی تھی۔ ان کی بندوقوں کی حالت سے ظاہر ہورہا تھا کہ ان سے برسوں سے کوئی گولی نہیں چلائی گئی تھی۔ کسی ایمرجنسی اور ہنگامے کے بغیر وہ دونوں اپنی بندوقوں کی طرح زنگ آلود

Downloaded from https://paksociety.com

ہو رہے تھے۔

اس عمارت کے لیے کوئی باقاعدہ پارکنگ نہیں تھی۔ شام کے دراز ہوتے ہوئے سایوں میں عمارت کے ساتھ دو گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ نریش ہم دونوں سے ہاتھ ملا کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ ناگر کے بیٹھنے کے بعد میں اس کی ماروتی کی اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

نریش تیزی کے ساتھ گاڑی نکال کر لے گیا۔ ناگر کی گاڑی کا سیلف پھنس رہا تھا۔ اس کے روانہ ہونے سے پہلے دونوں سپاہی برآمدے سے اٹھ کر عمارت کی بغلی دیوار کے ساتھ بنے ہوئے نیم پختہ کمرے کی طرف ہو لیے کیونکہ رالوں کے چوکیدار نے اندر سے دروازہ بند کر لیا تھا۔

مہذب ملکوں اور شہروں میں کسی بھی سرکاری یا غیر سرکاری املاک کے لیے غیر معمولی حفاظتی انتظامات کی ضرورت نہیں ہوتی' بس رسمی سی دیکھ بھال کافی سمجھی جاتی ہے۔ وہاں وہ بندوبست موجود تھا۔ اندر سے دروازہ مقفل کرنے کے بعد عمارت میں ایک نگراں موجود تھا۔ باہر دو سپاہی اپنے کمرے میں پڑے سوتے رہتے۔ عمارت کی حفاظت کے لیے ان کی موجودگی کا بھرم ہی کافی تھا۔ مگر مجھے رالوں کی وہ بے پروائی عجیب محسوس ہو رہی تھی۔

اس عمارت میں کوئی خزانہ محفوظ تھا نہ حسّاس دفاعی تنصیبات تھیں۔ جو کچھ تھا وہ کمپیوٹروں کی یادداشت یا پھر فائلوں' الماریوں اور تجوریوں میں محفوظ تھا۔ جن لوگوں کی نظروں میں ان چیزوں کی کوئی اہمیت نہیں ہو سکتی تھی' انہیں روکنے کے لیے وہ حفاظتی بندوبست بہت ناقص بلکہ ناکارہ تھا۔

ناگر اپنی گاڑی کی برا بھلا کہتا اور اس سے ناگفتہ مادری رشتے جوڑتا' سیلف لگاتا رہا۔ اس کے چڑچڑے پن کا ادراک کرتے ہوئے میں نے اپنی زبان بند رکھی۔ جوں ہی انجن بیدار ہوا' ناگر نے غصے سے گاڑی آگے بڑھا دی۔

"کیا مجھ سے کچھ ناراض ہو؟" چند منٹ گزر جانے کے بعد میں نے رسانیت سے پوچھا۔

"تم نے انکل سے میری شکایت کر کے اپنے حق میں کانٹے بو لیے ہیں" وہ میری طرف دیکھے بغیر غرایا "اس وقت تم اس کے مہمان ہو اس لیے میں تمہیں برداشت کرنے پر مجبور ہوں لیکن یہ یاد رکھنا کہ ناگر کسی کا قرض باقی نہیں رکھتا۔ میں جلد ہی تمہیں دیکھ لوں گا۔"

اس نے آخری فقرہ کہہ کر اپنی حیثیت کا بھرم تو ڑدیا۔ سے یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کے انکل یا صاحب کی خواہش تھی کہ میں جلد از جلد بھارت چھوڑ دوں۔ وہ دوسروں پر خود کو جو کچھ بھی ظاہر کرتا رہا ہو' انل بساس کا منہ چڑھا اور چہیتا معتمد ہرگز نہیں تھا۔

"اوہو۔ تم تو واقعی ناراض ہو۔ میں نے تمہاری شکایت نہیں کی تھی۔ بر سبیل تذکرہ مجھے بتانا پڑا کہ تم میرے پاسپورٹ کی حاجت محسوس کر رہے تھے۔"

"تم نے اندر جانے سے پہلے مجھے آنکھ ماری تھی۔ تمہارے دل میں کوئی بدمعاشی سر اٹھا رہی تھی' اندر جا کر تم نے رنگ دکھا دیا۔"

"تم مجھے دس دفعہ آنکھ مار لینا مگر مجھ سے یوں منہ نہ پھیرو۔ اب میں تمہارا ساتھی بن چکا ہوں۔ مجھے تم سب کے تعاون کی ضرورت ہے۔"

"میرے منہ مت لگو اور چپ چاپ بیٹھے رہو ورنہ گاڑی سے یہیں اتار دوں گا" اس کا موڈ بدستور بگڑا ہوا تھا۔

میں نے ایک گہرا سانس لیا اور اپنی سمت کی کھڑکی سے باہر کا نظارہ کرنے میں مصروف ہو گیا۔ اس دوران میں میرا ذہن مسلسل سوچنے میں مصروف تھا۔

چار بجے میں اپنے کمرے میں واپس پہنچا تو غزالہ مسرت سے جھوم اٹھی۔ اسے امید نہیں تھی کہ میری گلو خلاصی میں اتنا کم وقت لگے گا۔

"آج کی ملاقات نے نقشہ بدل دیا ہے" میں نے پرجوش لہجے میں اسے بتایا "انل بساس اور نریش شرما سے ملاقاتیں ہوئیں اور گرین کو بر افائل کا سراغ بھی مل گیا ہے۔ اگر میرا منصوبہ کارگر رہا تو ہم پوری سرخ روئی کے ساتھ کل بھارت سے نکل جائیں۔"

"کل؟" حیرت سے غزالہ کی آنکھیں پیشانی پر جا چڑھیں "یہ کیسے ممکن ہے؟"

"سب ممکن ہے۔ آج رات ہم شاید ہوٹل چھوڑ دیں اور آگرہ روانہ ہو جائیں۔ صبح کی پہلی پرواز سے ہم امرتسر پہنچیں گے اور ٹرین سے لاہور کے لیے روانہ ہو جائیں گے۔ وہاں سے صبح دس گیارہ بجے کے لگ بھگ ٹرین اٹاری اور واہگہ کے راستے لاہور کے لیے روانہ ہوتی ہے۔"

"ہم آگرہ کیوں جائیں گے؟ یہ سب کیسے ہو گا؟ ویرا کا کیا بنے گا؟" میرے انکشافات نے اسے بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔

"ویرا کے بارے میں مجبوری ہے۔ سی ایس ڈی ہاتھ سے نکلی ہوئی ہے۔ کچھ پتا نہیں کہ میری نگرانی جاری ہے یا ختم کر دی گئی ہے۔ جب تک یہ بات صاف نہیں ہوتی' میں نیچے جا کر پبلک بوتھ بھی استعمال نہیں کر سکتا۔ ان کا کوئی نہ

Downloaded from https://paksociety.com

کوئی آدمی میرے آس پاس منڈلانا شروع کردے گا۔"

"منڈلا تا رہے۔ اشاروں کنایوں میں وہ بات سمجھ لے گی۔ اسے معلوم ہے کہ آج آپ کی ایک اہم ملاقات ہونے والی تھی" اس نے زور دے کر کہا پھر اسے اپنا پہلا سوال یاد آگیا "یہ آگرے کا ذکر اچانک کیسے نکل آیا۔ حالات میں کوئی ڈرامائی تبدیلی آئی ہے تو اس میں آگرہ جانے کی کیا ضرورت پیش آگئی۔"

"ان کے لیے ہم ہوٹل چھوڑ کر آگرہ کے لیے روانہ ہوں گے مگر ایسا نہیں ہوگا۔ عین ممکن ہے کہ آج کی رات تمہیں سرلا کے گیسٹ ہاؤس میں بسر کرنی پڑے۔ اس پروگرام پر اسی وقت عمل ہوسکے گا جب میرا گوپال' سنیل یا ولی رام سے کوئی رابطہ ہو۔ ان کی مدد کے بغیر میں کچھ نہیں کرسکوں گا۔"

"آپ کی ہر بات الجھی ہوئی اور میری سمجھ سے بالا ہے۔ اگر آپ کچھ سوچ چکے ہیں تو کھل کر مجھے بتایئے کہ کیا کرنے کا ارادہ ہے؟" وہ خفگی سے بولی "ہم کن لوگوں کے لیے آگرہ روانہ ہوں گے؟"

مجھے احساس ہوا کہ وہ حق بجانب تھی۔ میں ناگر کے ساتھ سفر کے دوران میں جو کچھ سوچتا چلا آیا تھا' میں نے وہی بولنا شروع کردیا تھا۔ ان باتوں میں بظاہر کوئی ربط نہیں تھا مگر میرے ذہن میں درمیانی کڑیاں جنم لے چکی تھیں "راو والے چاہتے ہیں کہ میں جلد از جلد پاکستان واپس جاکر ان کے لیے کام کرنا شروع کردوں" میں نے بہت اختصار سے اپنی بات شروع کی "میں نے وقت لینے کے لیے ان سے بہانہ کیا کہ تم بھرپور چاندنی رات میں تاج محل دیکھنا چاہتی ہو۔ اٹل بسواس کا دباؤ ہے کہ چاندنی رات کا انتظار کرنے کے بجائے ہم جلد از جلد آگرے کا چکر لگائیں اور واپس چل دیں۔"

اپنی رو میں بات کرتے کرتے میں چونک پڑا۔ میں نے پچھلے تین گھنٹوں کے بارے میں غزالہ سے ایک لفظ نہیں پوچھا تھا۔ جوش اور ہیجان کے عالم میں اپنی کتھا چھیڑ دی تھی۔ قدرے توقف کے بعد میں نے پوچھا "میرے جانے کے بعد کسی نے تم کو ستانے یا کمرے میں دخل انداز ہونے کی کوشش تو نہیں کی تھی؟"

"مجھے مداخلت کا خوف لاحق تھا لیکن خدا کا شکر ہے کہ کسی نے ادھر کا رخ نہیں کیا۔ آپ اپنی بات پوری کریں۔"

"بعد میں صورت حال اچانک بدل گئی...." میری بات ادھوری رہ گئی کیونکہ فون کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔

غزالہ نے استفہامیہ نظروں سے میری طرف دیکھا اور میں نے بڑھ کر ریسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف گوپال تھا۔

اس کی آواز سن کر میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔ اس روز مقدر میری یاوری کررہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "میں نیچے سے بول رہا ہوں۔ جاتے ہوئے سات نفری بھیڑ تمہارے پیچھے لگی ہوئی تھی۔ اب میدان صاف ہے۔ دور دور تک کسی کا پتا نہیں ہے۔"

"میں بہت بے چینی سے اس پیغام کا انتظار کررہا تھا۔ امانتیں لے کر فوراً اوپر آجاؤ۔" میں نے کسی توقف کے بغیر کہا۔

"ابھی ہمارا ایک جا ہونا مناسب نہیں۔ سنیل سامان لارہا ہے۔ میں اپنے ٹھکانے پر پہنچ کر خود تم سے رابطہ کرتا ہوں۔"

"میں انتظار کروں گا۔ آج ہمارا ایک ایک لمحہ بہت قیمتی ہے۔" یہ کہہ کر میں نے فون بند کردیا۔ سی ایس ڈی ٹیلی فون لائن سے جوڑے بغیر گفتگو کو طول دینا ہم سب کے لیے خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔

غزالہ میرے مکالموں سے اس گفتگو کا متن سمجھ گئی تھی۔ اس نے کوئی سوال کرنے کے بجائے کہا "حالات میں اچانک تبدیلی آگئی...."

"ہاں۔" میں نے دوبارہ بات شروع کردی اور اسے گرین کو برا فائل کے بارے میں بتادیا۔

"یعنی پچھلے تین گھنٹوں میں تین اہم ترین ہدف خود بخود آپ کے سامنے آگئے۔" اس نے خوشی کا اظہار کیا۔

"میرا خیال ہے کہ ان میں گرین کو برا فائل سب سے زیادہ اہم ہے۔ گوپال نے میرا ساتھ دیا تو آج ہم اسے حاصل کرسکتے ہیں۔ پتا نہیں کل وہ فائل کہاں ہو۔"

"گوپال ضرور ساتھ دے گا۔ وہ لوگ آپ سے پہلے اس فائل کی تلاش میں ہیں۔"

"گرین کو برا سمیت وہ گیارہ فائلوں کا بنڈل ہے۔ تجوری میں اور بھی بہت کچھ ہوگا۔ ہم بہت آسانی کے ساتھ وہ سب حاصل کرسکتے ہیں۔"

"مجھے سرلا کے ساتھ چھوڑ کر آپ ان لوگوں کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں؟" اس نے خوش دلی سے پوچھا۔

"اس پروگرام میں تمہاری کوئی گنجائش نہیں ہے۔ وہ تینوں شہر کے راستوں سے اچھی طرح واقف ہیں۔ کسی گڑبڑ کی صورت میں بہت کام آئیں گے۔ سی ایس ڈی آجائے تو میں این کاویل کو ہوشیار کردوں گا تاکہ وہ بھی جلد از جلد یہاں سے نکل جائے۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"یعنی ہم گیارہ فائلوں پر قناعت کرکے یہاں سے رخصت ہوجائیں گے؟"

"مجھے یقین ہے کہ راولوں کی تیار کی ہوئی ہر فائل ہوشربا ہوگی۔ فائلوں سے محرومی ان کے لیے اہل یا نرلیش کی موت سے زیادہ مایوس کن ثابت ہوگی۔ گرین کوبرا ان کے ٹاپ سیکرٹ کے طور پر ہینڈل کی جارہی ہے۔"

"گوپال سے گفتگو کے بعد تعین ہوسکے گا کہ تینوں میں سے کس کی اہمیت زیادہ ہے۔" غزالہ اپنے شانے اچکا کے بولی۔

اس گفتگو کے دوران میں میرے کان دروازے کی طرف لگے ہوئے تھے۔ پہلی دستک ہونے پر میں تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔ ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا تو سنیل کا مسکراتا ہوا آسودہ چہرہ میرے سامنے تھا۔ میری بخیریت واپسی پر وہ بہت شاداں نظر آرہا تھا۔

"نئی زندگی مبارک ہو۔ تم موت کے جبڑوں میں سے واپس آئے ہو۔" مجھے ایک مختصر سی تھپلی دیتے ہوئے اس نے تہنیتی لہجے میں کہا اور میرے جواب کا انتظار کیے بغیر الٹے قدموں واپس لوٹ گیا۔ میں نے دروازہ دوبارہ مقفل کردیا۔ میرے اہم ترین ہتھیار مختصر سی محرومی کے بعد واپس آچکے تھے۔

میرے ذہن میں ترجیحات خود بخود طے ہوچکی تھیں۔ سب سے پہلے مجھے ویرا کو ہوشیار کرنا تھا کہ وہ فوراً دہلی چھوڑ دے۔ اگر رابرٹو ویلینی کو اس وقت تک ویرا نے روکا ہوا تھا تو اس کو بھی ویرا کی جبری رفاقت سے آزادی مل جانی چاہیے تھی۔

میں نے سی ایس ڈی کو چھلے ہوئے تاروں سے جوڑ کر مرینا ہوٹل کا نمبر ملایا۔ ویرا اپنے کمرے میں موجود اور میری طرف سے کسی اطلاع کی منتظر تھی۔ اس کی آواز سن کر میں نے بدری ناتھ سے چھینی ہوئی سی ایس ڈی آن کردی۔

"میں اس سے مل آیا ہوں۔ واقعات نے بہت تیزی سے نیا رخ اختیار کیا ہے۔ ہم کل یہاں سے نکل جانے کی منصوبہ بندی کررہے ہیں۔ ہوسکے تو تم آج ہی امرتسر کی طرف نکل جاؤ۔ اطالوی احمق کو ابھی تک روکا ہوا ہے تو اسے بھی رخصت کردو۔"

"ہمیں یہاں سے نکل ہی جانا ہے تو میں کیوں نہ رابرٹو کو داؤ پر لگادوں۔ میں نے ابھی تک اسے الجھایا ہوا ہے۔"

"میں پھر کہہ رہا ہوں کہ تمہاری تجویز احمقانہ ہے۔ وہ اس دام میں نہیں آئے گا۔ انگوٹھیوں کا راز فاش ہوجائے گا اور ہم ان خاموش ہتھیاروں کے استعمال سے محروم ہوجائیں گے۔ تم آخر اپنی عقل پر زور دینے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں۔"

"اس کے بارے میں زیادہ سوچنا سمجھنا میرے بس سے باہر ہے۔ میں یہ جانتی ہوں کہ ایسے موقع زندگی میں بار بار نہیں ملتے۔ وہ ہمارے ساتھ اسی شہر میں ہے۔ ہمیں اس کو یہیں بیوند خاک کردینا چاہیے۔" ویرا کے لب و لہجے سے اندازہ ہورہا تھا کہ وہ اندر ہی اندر کھول رہی تھی۔

"میں بھی جانتا ہوں کہ یہ نادر موقع ہے مگر تم کوئی ڈھنگ کی راہ نکالو۔ میں بڑھ کر تمہارا ساتھ دوں گا۔"

"اب سوچنے اور کوئی نیا منصوبہ بنانے کا وقت نہیں رہا۔ تم امرتسر کی طرف روانگی کا فرمان سنا چکے ہو۔"

"تم خود اس تک پہنچنے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں۔ ایک مرتبہ تم اس کے کمرے میں پہنچنے میں کامیاب ہوجاؤ تو اس پر انگوٹھی استعمال کرکے اطمینان سے واپس لوٹ سکتی ہو۔ جب تک کوئی کمرے میں داخل ہونے کی کوشش نہیں کرے گا' اس کا انجام دنیا کی نظروں سے پوشیدہ رہے گا۔"

"میرے چہرے اور بالوں سے لے کر بدن تک میں بہت تبدیلیاں رونما ہوچکی ہیں مگر میں جانتی ہوں کہ وہ پہلی نظر میں مجھے پہچان لے گا اور شور مچانا شروع کردے گا۔ میں نے سب سے پہلے اسی امکان پر غور کیا تھا مگر اس کے [illegible] فرسا نظر آئے تو میں نے کسی ساتھی کی تلاش شروع کی تھی۔"

"ساتھی سے تم ہر کام لے سکتی ہو مگر جو کام تم نے سوچا ہوا ہے وہ یوں انجام نہیں ہوگا۔ میرے دعوے پر یقین نہ ہو تو تجربہ کرکے دیکھ لو مگر یہ یاد رکھنا کہ ہم آئندہ کبھی رازداری کے ساتھ انگوٹھیاں استعمال نہیں کرسکیں گے۔ ڈیوڈ کے معاملے میں تم ان کا کمال دیکھ چکی ہو۔"

"مجھے بھی یہ خدشہ تھا۔" اس نے پہلی بار اعتراف کیا "مگر مجھے کامیابی اور ناکامی کے امکان برابر نظر آرہے تھے۔"

"مجھے ننانوے فیصد ناکامی ہی ناکامی نظر آرہی ہے۔" میں نے پرزور لہجے میں کہا۔

"میں سوچتی ہوں۔ تم بھی غور کرو۔" اس کی تھکی ہوئی آواز ابھری "میں رات کی آخری ٹرین سے نکلنے کی کوشش کروں گی۔ ابھی ہمارے پاس کئی گھنٹے ہیں۔"

"میرے ذہن میں کوئی متبادل تجویز آگئی تو ضرور فون کروں گا۔" میں نے غزالہ پر نظر ڈال کر کہا "تم آج یہ شہر ضرور چھوڑ دینا۔"

"تم فکر نہ کرو۔ آخری ٹرین کسی وجہ سے نکل گئی تو میں

Downloaded from https://paksociety.com

رات ریلوے ویٹنگ روم میں گزار لوں گی مگر شہر میں واپس نہیں آؤں گی۔" ویرا نے مجھے یقین دلایا "میں تمہاری ہدایتوں اور مشوروں کو ہمیشہ بہت اہمیت دیتی ہوں۔ یہ بتاؤ کہ تم کب تک یہاں سے نکلو گے۔"

"کوشش یہ ہے کہ کل امرتسر سے تمہارے ہم سفر بن سکیں گے۔ آگے کا حال کاتب تقدیر ہی جانتا ہے۔"

مسائل نے یکایک یلغار کی تھی مگر وہ رفتہ رفتہ حل ہوتے جارہے تھے۔ گوپال سے ابتدائی رابطہ ہوگیا تھا۔ سی ایس ڈی، ہیم گن اور اپریٹس کی واپسی عمل میں آچکی تھی۔ ویرا اپنی تجویز سے دستبردار ہونے اور امرتسر روانہ ہونے پر آمادہ ہوگئی تھی۔ مجھے گوپال سے بات کرکے آخری فیصلے کرنے تھے۔

"شاید تمہیں قلق ہورہا ہوگا کہ آج تم بیکار بیٹھی رہو گی۔" میں نے غزالہ سے کہا۔

"مجھے اندازہ ہے کہ رات کی مہم میں میری شمولیت سے مدد ملنے کے بجائے شناخت کے مسائل پیدا ہوسکتے ہیں۔"

میں اس کے بے لاگ تجزیے پر حیران رہ گیا۔ میں نے وہ بات سوچی ضرور تھی مگر اسے بتائی نہیں تھی۔ اس نے از خود وہ دور رس نتیجہ اخذ کرلیا تھا۔ میں نے کہا "تم بہت دور تک سوچتی ہو۔ اسی لیے بحث کی نوبت نہیں آتی۔ چاہو تو تمہارے لیے ایک بڑا کام نکالا جاسکتا ہے۔"

"مجھے خوشی ہوگی کہ میں نے یہاں بیکار رہ کر وقت نہیں گزارا۔" اس کی آنکھوں میں چمک عود کر آئی۔

"جان! سمتھ یہاں ہے اور ہم بھی یہاں ہیں۔ اس کے ناپاک خون سے پاکستان کی سرزمین کو محفوظ رکھتے ہوئے اسے سزایاب کرنے کا یہ سنہرا موقع ہے۔"

وہ کھل اٹھی۔ میں نے فون پر ویرا سے جو کچھ کہا تھا، غزالہ نے بھی سنا تھا۔ وہ میرے ایک اشارے سے پوری بات سمجھ گئی۔ بولی "کام بننا ہوا تو چند منٹ میں سارا کھیل نمٹ جائے گا۔ بات نہیں بن سکی تو میں وقت برباد کرنے کے بجائے لوٹ آؤں گی۔ وہ کہاں ٹھہرا ہوا ہے؟"

"کمرا نمبر تین سو دس۔ ہوٹل سمراٹ۔ چانکیہ پوری۔" میں نے جان اسمتھ کا ٹھکانا بتادیا۔

"آپ گوپال سے بات کرلیں۔ اس کے بعد میں خاموشی سے ٹیکسی میں نکل جاؤں گی۔ کام ہوگا یا نہیں ہوگا۔ دونوں صورتوں میں مجھے کسی اور کی مدد کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ میں اندھیرا پھیلنے سے پہلے لوٹ آؤں گی تاکہ آپ کے اگلے پروگرام خراب نہ ہوں۔"

"ویری گڈ! میں تمہاری کامیابی کا منتظر رہوں گا۔" میں نے اٹھ کر برجستہ اس کی پیشانی چوم لی۔

اس نے اپنی جگہ چھوڑی اور وقت بچانے کے لیے اسی وقت اپنی مہم پر روانگی کی تیاری شروع کردی۔

غزالہ روانگی کے لیے تیار ہوتی رہی۔ میں اپریٹس آن کیے، گوپال کی کال کا انتظار کرتا رہا۔ ساڑھے چار بجے وہ لائن پر موجود تھا۔

"میری طرف سے واپسی مبارک ہو۔ مجھے یقین ہے کہ ان لوگوں کو کوئی بڑا چکما دے کر آئے ہو۔ سب کو تمہاری واپسی کے بارے میں تشویش تھی۔ یہ تمہارا حوصلہ تھا کہ تم نے خالی ہاتھ وہاں جانے کا فیصلہ کرلیا۔" پاس ورڈز کے تبادلے کے بعد اس نے خوشی سے لبریز آواز میں کہا۔

"وہ جو کچھ چاہتے تھے اس پر رضامند ہونے کے سوا کوئی اور راہ نہیں تھی۔ میں نے سمجھوتا کرلیا۔"

"کیسا سمجھوتا؟ وہ تم سے کیا چاہ رہے تھے؟" گوپال نے پوچھا۔

"میں پاکستان میں رہ کر ان کے لیے کام کروں گا۔ وہ مجھے پچیس ہزار روپے ماہانہ معاوضہ دیں گے۔"

"ویری گڈ۔ تمہیں مزید مبارک ہو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ پاکستان سے تمہارے کوائف کی تصدیق کروانے کے بعد اب وہ تمہیں مظہر خان سمجھ رہے ہیں۔"

"ہاں! لطف بلکہ لطیفہ یہ ہے کہ وہ ڈینی کی تلاش کے سلسلے میں میری مدد کے خواہاں ہیں۔ اس کی گرفتاری یا موت کی صورت میں مجھے نہ صرف امریکی انعام دلوائیں گے بلکہ راوالے بھی لاکھوں روپے کا انعام دیں گے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"وقت انہیں بتائے گا کہ دہلی اور واشنگٹن والوں کی یہ بھاری رقوم ہمیشہ محفوظ رہیں گی۔" گوپال کی آواز میں ہلکا سا افتخار نمایاں تھا "تمہاری زندگی اس سے ہزار گنا بڑے انعاموں سے بھی زیادہ قیمتی ہے اور یہ ہمیشہ دشمنوں کی دسترس سے محفوظ رہے گی۔"

"اب تمہارے لیے ایک پیچیدہ سوال ہے۔ تم کو سوچ سمجھ کر اس کا جواب دینا ہوگا۔" میں نے مطلب کی طرف آتے ہوئے کہا۔

"میں اپنی بساط کے مطابق تمہارے ہر سوال کا جواب دینے کے لیے تیار ہوں۔"

"گرین کوبرا، انل بسواس اور نریش شرما۔ ان تینوں میں سے ایک کے انتخاب کا موقع دیا جائے تو تمہاری پہلی

Downloaded from https://paksociety.com

ترجیح کیا ہوگی؟" میں نے پوچھا۔

"گرین کو برا فائل۔" اس کی طرف سے کسی توقف کے بغیر جواب آیا "اس وقت اس فائل نے سب کو الجھایا ہوا ہے۔"

"یہ کمپیوٹر کا دور چل رہا ہے۔" میں نے اس سے کوئی نئی بات اگلوانے کے ارادے سے کہا "آج کل فائلوں کی بات فرسودہ معلوم ہوتی ہے۔"

"میں بہت معذرت کے ساتھ کہوں گا کہ یہ بات کمپیوٹر کو سمجھے بوجھے بغیر کہہ دی جاتی ہے۔" اس نے واقعی معذرت خواہانہ لہجے میں کہا "اس پر سب کچھ ہو سکتا ہے لیکن یہ انسانی ذہن اور انگلیوں کا محتاج ہے۔ یہ وہی بتاتا اور دکھاتا ہے جو اس میں محفوظ کیا جاتا ہے۔ اپنی طرف سے کوئی نئی اپج پیدا نہیں کرتا۔ مجھے یقین ہے کہ راؤ والوں نے گرین فائل کا سارا مواد کمپیوٹر پر محفوظ کرلیا ہوگا مگر اس سے ہمارے لیے فائل یا اس کی نقل کی اہمیت کم نہیں ہوئی۔ وہ آج بھی ہمارے لیے پہلی ترجیح کا درجہ رکھتی ہے۔ انل اور نریش کو بعد میں بھی دیکھا جا سکتا ہے.... تم نے یہ سوال کیوں کیا ہے۔"

"تینوں سامنے ہیں۔ ایک پر ہاتھ ڈالا تو بقیہ دو کو فی الحال بھولنا ہوگا۔"

"بس پھر اپنی ساری توجہ گرین کو برا فائل پر مرکوز کردو اور مجھے بتاؤ کہ ہم اسے حاصل کرنے کے لیے کیا کر سکتے ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے کہ آج کی رات وہ فائل کہاں محفوظ رہے گی۔ وہ کل کہاں ہوگی' اس بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اسے حاصل کرنے کے لیے ہمیں آج رات ایک عمارت میں نقب لگانی ہوگی۔ مقدر نے ساتھ دیا تو گرین کو برا فائل کے ساتھ بہت سا اہم ترین مواد ہمارے ہاتھ آجائے گا۔"

میری اس اطلاع نے اسے سنسنی اور ہیجان میں مبتلا کردیا "تفصیل بتاؤ۔ اس کے لیے ہم آگ میں کودنے کے لیے بھی تیار ہیں۔"

میں نے اسے اپنے منصوبے کی جزئیات سے آگاہ کرنا شروع کردیا۔

میری اور گوپال کی گفتگو ایک نپا تلا اور خاص رخ اختیار کرچکی تھی۔ غزالہ اپنی مہم پر روانگی کے لیے تیار ہوچکی تھی۔ اس معاملے میں اسے کسی قسم کی مدد کی ضرورت نہیں تھی۔ اس نے فضا میں ہاتھ لہرا کر مجھ سے روانگی کی اجازت چاہی اور میں نے اپنا سر اثبات میں ہلا دیا۔

غزالہ نے قریب آکر میری داہنی کنپٹی پر ہاکا سا بے آواز بوسہ لیا اور جان اسمتھ کو اس کے کیفر کردار تک پہنچانے کے سنگلاخ عزم کے ساتھ کمرے کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ میں گوپال کو نریش شرما کے دفتر میں گھسنے کے بارے میں بتاتا رہا۔

کام ایکایک اور بہت تیزی سے شروع ہوا تھا۔ ہمارے پاس صرف وہی ایک رات تھی اور ہمیں صبح ہونے سے پہلے یہ سب سمیٹ لینا تھا تاکہ سکون اور ایک سوئی کے ساتھ اگلی صبح واپسی کے سفر کا آغاز کرسکیں۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

چراغ بجھتے چلے جارہے ہیں سلسلہ وار
میں خود کو دیکھ رہا ہوں، فسانہ ہوتے ہوئے

(جمال احسانی)

مشہور مصنف جناب ابوضیاء اقبال 18 مئی بروز جمعہ 2001ء کی صبح اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم گزشتہ چند سال سے شدید بیمار تھے۔ جس کی وجہ سے لکھنے پڑھنے کی تمام مصروفیات کا سلسلہ منقطع تھا۔ انہوں نے ایک طویل عرصے تک اپنی قلم کاری کے جوہر دکھائے۔ ادارہ جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز سے ان کی رفاقت خاصی طویل تھی۔ ان کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا وہ کبھی نہیں بھر سکتا۔ ادارہ ان کے پس ماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے اور دعا گو ہے کہ رب کریم انہیں اعلیٰ درجات سے نوازے، ان کے پس ماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے..... آمین

(ادارہ)

Downloaded from https://paksociety.com

گئی۔ وہ را میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ژون کو انگ نُو نامی ایک چینی بدمعاش کے ہاتھوں یرغمال بننا پڑا۔ وہ دوسری طرف امریکا میں آئرک بیل نامی ایک سفید پوش دہشت گرد اپنے اژدہا سورج کی پناہ میں شمی کے بے انداز مالی وسائل پر قابض ہو کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پُراسرار ہلاکت کے بعد آئرک بیل اس ٹولے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا جا رہا تھا مگر طیارہ ہی اغوا کر لیا گیا جہاں ہماری کوششوں سے اس کی ہمدردیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں مستعفی ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ یہاں بنے بنگلے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آ گئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی دوران میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم اوبرائن ڈی منٹ ہمارے سامنے آیا۔ وہ بہت محتاط تھا مجھے اس سے کرنل جمال دتی کی حیثیت میں ملاقات کرنی پڑی۔ اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس حاصل کر لیے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر ظہور زادہ بھی تھا' اس لیے نئی دہلی فرار ہو گیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل کے ذریعے نئی دہلی میں ہی ٹھکانے لگوا دیا گیا۔ رستم خود بھی کم نہیں تھا' جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا سرگرم رکن تھا اور پاکستان میں رہتے ہوئے اسرائیلی مفاد کے لیے کام کر رہا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا صفایا کیا اور اس نے خود کشی کر لی۔ اس کی خود کشی پر فریڈم انٹرنیشنل کے غیر معمولی ردعمل نے ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کارتھ رما کرام الٰہی تھا جو خود فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں متعین پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کر رہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار روب رائیل کو بھی اپنے عمدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد ظریف بھی تھا مگر وہ سندھ اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ اس کی غیر معمولی اہمیت کے باعث میں اس سے ملنا چاہتا تھا مگر وہ بہت کایاں نکلا اور سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے میں کامیاب ہو گیا جسے ہم نے میرپور خاص سے بازیاب کرا لیا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا پھور کے علاقے میں مسیح ترنیجی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارت چلا گیا ہے۔ ہمارا اگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا جو حیدر آباد سے غزالہ اور سلطان شاہ کی کار کا تعاقب کر کے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہو چکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہو گیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر بہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو سکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے جگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی مادھوی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتا دیا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں ہری چند تک پہنچایا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہو کر فرار ہونے کی کوشش میں ٹریفک کے حادثے میں شدید زخمی ہو گیا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ انل بسواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا۔ کراچی میں موجود میجر جنرشی کو ہمارے بارے میں کچھ سن گن مل گئی تھی لہٰذا اسے ذہنی طور پر ناکارہ بنا دیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ جوگیندر پال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کر چکا تھا۔ جوگیندر پال اپنے وہ آدمیوں کے ساتھ روی کو مارنے میں کامیاب ہو کر اس کے گھر گئے میرے تعاقب میں پورے ثابت ہوئے' ان سے مجھے جوگیندر پال کا نون نمبر بھی مل گیا جس کے بعد جوگیندر پال نواس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ ہم انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئے۔ وہاں بھی این جی او زکی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں۔ ان ہی میں ایک این جی او "یو من سوسائٹی" فلاحی کاموں کی آڑ میں بیرونِ ملک سازی میں استعمال ہونے والے گھیلیک ایجوکیشنل اور لاہور میں بیرونِ پھیلانے کے مذموم کاروبار میں ملوث تھی۔ اس کا کرتا دھرتا جاوید تاثیر کا مامیں سسر چوہدری عظمت تھا۔ آئی بی کے جلال اور ایس بی ایف کے نقاش کمانڈو کی مدد سے یو من سوسائٹی کا قلع قمع کر دیا گیا۔ وہ ابھی انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئی تھی۔ ہم نے جلال کے آدمیوں کے ذریعے بھارتی سرحد عبور کی اور امرتسر میں ایک روز قیام کے بعد دہلی پہنچ گئے۔ دہلی میں سب سے پہلے جلال کے آدمیوں سے رابطہ کیا۔ اس کی نشان دہی اور ہوٹل میں ہونے والی پولیس بریفنگ کے تجربے کے بعد ویرا نے الگ ہو کر دوسرے ہوٹل میں رہائش اختیار کی۔ ویرا کی دھمکیوں سے خوف زدہ ہو کر کراچی میں امریکی قونصلیٹ کا افسر جان' اسمتھ دہلی پہنچ چکا تھا۔ اب ہمیں انل بسواس اور جان اسمتھ دونوں سے حساب کتاب برابر کرنا تھا۔ آئی بی کے پاکستانی ایجنٹ وہاں کرین کوہرا نامی فائل کی جستجو میں تھے۔ ہماری دہلی میں موجودگی کے دوران میں تین پاکستانی سفارتی اہل کاروں کو ٹریفک حادثے میں ہلاک کر دیا گیا۔ راداتوں کو ہماری سن گن مل چکی تھی لہٰذا ہمیں محتاط ہونا پڑا۔ اسی اثنا میں ایک خوبصورت بھارتی دوشیزہ ریتا اجیت رائے میرے قریب آئی اور مجھے ہوٹل کے کمرے کی رنگینیوں سے آگاہ کیا کہ وہ انل بسواس سے مجھے ملوا سکتی ہے۔ اس کے مطابق وہ ریتا کا انکل تھا۔ میں اس سے دو سری ملاقات کا وعدہ کر کے الگ ہوا تو عابد علی عرف گوپال نے بتایا کہ ریتا را کی ایجنٹ تھی۔ مجھے پاکستان سے اول خان نے آگاہ کیا کہ وہاں مظہر خان کے پاسپورٹ پر درج کوائف کی تصدیق کی گئی تھی۔ ویرا نے ہم سے الگ ہو کر اپنی اہانت کرنے والے پولیس افسر ڈوگ کو ایک اطالوی سیاح کی مدد سے ہلاک کروایا۔ ریتا سے اگلی ملاقات بڑی سنسنی خیز ثابت ہوئی۔ ابتدا میں ہی را کے ایک ایجنٹ نے میری انگلیوں کے نشان حاصل کیے اور مجھے ریتا کے ساتھ تنہا چھوڑ گیا۔ اس کے بعد ریتا نے مجھے بتایا کہ وہ مایا نگر پاکستانیہ کا اپنے حسن کا جال پھینک کر را کے لیے کام کرتی ہے اور میری اور اس کی پہلی ملاقات کی مکمل ویڈیو فلم انل بسواس کے پاس تھی۔ مجھے احساس ہوا کہ ریتا اجیت رائے میرے خلاف ایک خطرناک اور دیرا کھیل رہی تھی۔ بعد میں اس نے اقرار کیا کہ وہ واقعی مجھے انل بسواس سے بھروسا کم کیمرا تمام کروانا چاہتی تھی۔ وہ کاسیکل ڈانس اکیڈمی کے انشائے راز سے ہراساں تھی اس لیے اپنی کو تاہی پر وہ ڈانٹنے کے لیے مجھے انل بسواس کے ہاتھوں مروانا چاہتی تھی۔ ویرا کی کارروائی کی بازگشت اسلام آباد تک میں سنی گئی اور میں نے اسے محتاط ہونے کی ہدایت کی۔ انل بسواس سے ملاقات طے ہونے کی خبر نے اسے بھی پریشان کر دیا تھا۔ وہ جان اسمتھ سے بھی نمٹ لینا چاہتی تھی مگر میری تادیب پر اس نے اپنے ارادے کو مؤخر کر دیا۔ میں را کے دفتر میں انل بسواس اور شرما' دونوں سے ملا۔ انل مجھے پاکستان کے خلاف جاسوسی پر آمادہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا جسے بظاہر قدرے تامل کے بعد میں نے قبول کر لیا۔ میری خواہش پر "ذہنی" کی تلاش کا بڑا کام بھی میرے سپرد کر دیا گیا۔ شرما کے دفتر میں بہت کچھ تھا جس میں کرین کوہرا فائل' ٹاسک ارنج کیشن فائل اور میری اپنی فائل۔ را کے دفتر سے میری بخیریت واپسی ہوئی اور میں نے اسی رات وہاں نقب لگا کر یہ سارا مواد اڑا لینے کا منصوبہ بنا لیا۔ ہمارے پاس صرف ایک رات تھی' اس میں غزالہ نے جان' اسمتھ کو بھی اپنا نشانہ بنانا تھا اور مجھے اپنا کام مکمل کرنا تھا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

میں گوپال کے ساتھ پروگرام طے کر کے فارغ ہوا تو غزالہ کو ہوٹل سے گئے کافی دیر ہو چکی تھی۔ میں نے غیر ارادی طور پر سگریٹ سلگائی اور پھر اپنی جگہ چھوڑ کر ہوٹل کے کشادہ کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا۔

میں نے غزالہ کو جان اسمتھ کی طرف روانہ کر دیا تھا کیونکہ اس امریکی درندے کے شکار کرنے کے لیے ہم میں سے وہی سب سے زیادہ موزوں تھی مگر غزالہ کے جاتے ہی میرے ذہن میں فکر و تشویش کے سائے منڈلانے لگے تھے۔ اگر

Downloaded from https://paksociety.com

غزالہ کسی وجہ سے اپنے مشن میں ناکام رہتی' جان اسمتھ تک پہنچنے یا اسے ٹھکانے لگانے میں کامیاب نہ ہوتی اور بے نیل و مرام واپس لوٹ آتی تو اس مایوسی کو نوشتہ تقدیر سمجھ کر قبول کیا جاسکتا تھا لیکن میرے ذہن پر حملہ آور ہونے والے' خوف کے دوسرے سائے زیادہ مہیب تھے۔

غزالہ کی وہ مہم ناکامی سے زیادہ بڑے کسی خطرے سے بھی دوچار ہوسکتی تھی۔ جان اسمتھ کا بال بھی بیکا نہ ہوتا لیکن کسی نہ کسی وجہ سے غزالہ کی زندگی سنگین خطرات سے دوچار ہوسکتی تھی۔ یہ ایسا خوف تھا کہ اس نے مجھے اندر سے بے چین کردیا۔ سمراٹ ہوٹل میں جان اسمتھ کی کمین گاہ کی طرف جانے کی تجویز غزالہ نے پیش نہیں کی تھی۔ ویرا سے گفتگو کرنے کے بعد اس خیال نے میرے ذہن میں جنم لیا تھا کہ جان اسمتھ ان دنوں کراچی سے بھاگ کر دہلی آیا ہوا تھا۔ سنسارتی مراسم میں پیدا ہونے والی متوقع پیچیدگیوں کی بنا پر ہم پاکستان میں اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ بھارت کی سرزمین پر اسے اس کی مذموم سرگرمیوں کی قرار واقعی سزا دینا خاصا سہل تھا۔ سانپ بھی مرجاتا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹتی۔ ان وجوہ کی بنا پر اسے دیکھنا ضروری ہوگیا تھا۔

ویرا نے رابرٹو ویلینی کے ذریعے جو طریقہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا تھا' وہ بالکل بودا اور غیر یقینی تھا۔ اس کی کامیابی کا ذرا بھی امکان نہیں تھا۔ دوسری طرف یہ خدشہ قوی تھا کہ جان اسمتھ کو زہریلی انگوٹھیوں کا راز معلوم ہوجاتا اور ہم اپنے اس حربے کے آزادانہ استعمال کی سہولت سے محروم ہوجاتے۔ ہمارے پاس بیم گن جیسا خوفناک ہتھیار موجود تھا جو دشمن کے وجود سے لے کر فولادی چادر تک کو لمحوں ہی لمحوں میں گلا دینے کی صلاحیت رکھتا تھا مگر خرابی یہ تھی کہ ہمارے ہر قابل ذکر دشمن کو یہ معلوم ہوچکا تھا کہ ہم بیم گن سے لیس تھے۔ کہیں بھی اسے استعمال کیا جاتا تو دشمنوں کو فوراً ہماری موجودگی کا علم ہوجاتا اور وہ اپنے سارے وسائل ہماری تلاش پر مرکوز کردیتے۔

بیم گن کے برعکس بے ہوش کرنے یا ہلاک کرنے والے زہریلے سیال سے بھری ہوئی انگوٹھیاں بہت غیر روایتی حیثیت رکھتی تھیں۔ ان کا شکار ہونے والے کے بارے میں یہ پتا ضرور چل جاتا کہ اسے زہر دیا گیا ہے لیکن زہر دینے کا طریقہ کسی کے خواب و خیال میں بھی نہیں آسکتا تھا۔ اس کا سب سے بڑا اور تازہ ترین ثبوت یہ تھا کہ ویرا نے دہلی پولیس کے انسپکٹر ڈیوڈ کو ایسی ہی ایک انگوٹھی کے ذریعے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا لیکن دہلی پولیس انگوٹھی کے راز تک نہیں پہنچ سکی تھی۔

رابرٹو ویلینی کے ذریعے کوئی انگوٹھی جان اسمتھ تک پہنچ جاتی تو وہ اتنا احمق نہیں تھا کہ ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر' پراسرار انداز میں ملنے والی انگوٹھی کا شکار ہوجاتا۔ وہ تجسس اور احتیاط کے ساتھ انگوٹھی کا جائزہ لیتا اور بالکل صحیح نتیجے پر پہنچ جاتا۔ وہ بات جان اسمتھ تک محدود نہیں رہتی۔ اس کے بھارتی حلیفوں کو بھی معلوم ہوجاتا کہ دہلی میں کچھ لوگ اپنے دشمنوں کو مارنے کے لیے زہریلے نگینوں والی انگوٹھیاں استعمال کررہے تھے۔

بھارت میں پہلے ہی نامعلوم اور خطرناک پاکستانی دہشت گردوں کی آمد کی خبر پھیلی ہوئی تھی۔ بات کہیں سے کہیں پہنچ جاتی۔ را اور سی آئی اے والے ایک جا ہو کر مغز زنی کرتے تو ان کے لیے صحیح نتیجے پر پہنچنا زیادہ دشوار نہ ہوتا۔ ایک امکان یہ بھی تھا کہ نئے انکشاف کی روشنی میں انسپکٹر ڈیوڈ کے قتل کی تفتیش یکایک کوئی نیا رخ اختیار کرلیتی اور ویرا کی یہ دھمکی حقیقت کا روپ دھار لیتی کہ دہلی کی کوتوالی کے بعض اہلکاروں کو ڈیوڈ کے بارے میں معلومات جمع کرنے والا اطالوی نوجوان یاد آجاتا۔

جان اسمتھ پر طبع آزمائی ضروری تھی۔ رابرٹو ویلینی کو استعمال کرنے کے بارے میں ویرا کی تجویز ناقابل عمل تھی۔ ویرا بذات خود جان اسمتھ کا رخ کرتی تو دور ہی سے پہچانی جاسکتی تھی۔ یہ سب امکانات ذہن میں رکھتے ہوئے میں نے غزالہ کو جان اسمتھ کی طرف بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اپنے ذہن میں ان تمام واقعات اور حالات کا جائزہ لیتے ہوئے مجھے پورا یقین تھا کہ میرا فیصلہ غلط نہیں تھا۔ نظر آنے والے حالات کی روشنی میں اس سے بہتر فیصلہ کرنا ممکن نہیں تھا۔ یہ اور بات تھی کہ غزالہ کے روانہ ہوجانے کے بعد مجھے اس فیصلے میں مضمر خطرات کا بہت شدت سے احساس ہورہا تھا۔

وقت سدا سے ایک ہی رفتار سے چلتا چلا آیا ہے لیکن تشویش اور اضطراب کے ان لمحات میں مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے وقت کا پہیہ رک رک کر' بہت سست رفتار سے چل رہا ہو۔ میرا اندازہ تھا کہ کوئی غیر معمولی رکاوٹ پیش نہ آئی تو غزالہ کو کامیابی یا ناکامی کی ہر دو صورتوں میں دو گھنٹے کے اندر اندر چانکیہ پوری کے علاقے سے واپس لوٹ آنا چاہیے۔ مجھے کسی نہ کسی طرح خود پر قابو رکھ کر وہ دو گھنٹے گزارنے تھے۔

ٹہلتے ٹہلتے میں اچانک ٹیلی فون کے پاس رک گیا۔ ذہن میں ایک روسی آئی تھی کہ میں ویرا سے رابطہ کروں اور اسے

Downloaded from https://paksociety.com

بتاؤں کہ غزالہ شکار کی تلاش میں نکلی ہوئی تھی۔ وہ خود بھی ہوٹل سمراٹ کے کمرا نمبر تین سو دس کی طرف روانہ ہوجائے تاکہ جان امتحہ سے دور رہ کر ضرورت کے لمحات میں غزالہ کی مدد کرسکے مگر میں نے فوراً ہی وہ ارادہ منسوخ کردیا۔ ہوٹل کے اطراف میں ویرا کی موجودگی کسی نئے مسئلے کو جنم دے سکتی تھی۔

○☆○

ویرا نے گلاس سے اسکاچ کا ایک چھوٹا سا گھونٹ لیا اور پھر تخیلی نظروں سے رابرٹو کو گھورنے لگی "شاید تم نے سنا نہیں کہ میں نے تم سے کیا کہا ہے۔ میں نے تمہیں بہت برداشت کرلیا۔ آج کی رات میں آزاد رہ کر بسر کرنا چاہتی ہوں۔"

"مگر کیوں؟" رابرٹو نے الجھی الجھی نظروں سے ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "مجھے یہ جاننے کا حق ہے کہ تم نے ذرا سی دیر میں اپنا فیصلہ کیوں بدل دیا؟ تم صبح میرے ذریعے ایک بند لفافہ ہوٹل سمراٹ میں کسی کو بھجوانے والی تھیں۔"

ویرا خاصے ناکافی لباس میں مسہری پر نیم دراز ہو کر سگریٹ کے ہلکے ہلکے کش لے رہی تھی۔ مسہری کی سائیڈ ٹیبل پر اس کی مے نوشی کے لوازم موجود تھے جبکہ رابرٹو ٹیلیفنی ٹیلی ویژن کے سامنے صوفے پر ادا اس بیٹھا ہوا تھا۔ ٹیلی ویژن کی اسکرین پر تصاویر چل پھر رہی تھیں لیکن آواز بند تھی۔

"میں تمہاری ملازم نہیں ہوں۔ اپنی مرضی کی مالک ہوں۔ میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ تم ایک بزدل اور زن مرید شخص ہو۔ لڑکیوں کو اغوا کرنا مفت میں اپنا وقت رنگین بنانے کے عادی ہو۔ عملی طور پر کوئی بھی کام کرنے کے اہل نہیں ہو۔"

"میں ہر کام کرسکتا ہوں۔" رابرٹو نے احتجاج کیا "یونیورسٹی میں میرا شمار دس بہترین شاگردوں میں ہوتا تھا۔"

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔ دس بیس کتابوں سے نقل کرکے بہترین طلبا عمدہ مقالے تیار کرلیتے ہیں۔" ویرا نے اس کا مضحکہ اڑایا "ایسے منظورِ نظر شاگرد جب عملی زندگی کی ٹھوس حقیقتوں سے ٹکراتے ہیں تو ان کے اوسان خطا ہوجاتے ہیں۔"

"اسے نقل نہیں، تحقیق کہتے ہیں۔ کسی موضوع پر تحقیق کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔"

"تم جو چاہو، کہتے رہو۔ میرے نزدیک نقل، نقل ہی رہتی ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم کب جارہے ہو؟"

"میں تم سے وعدہ کرچکا ہوں۔ تمہارا لفافہ مطلوبہ شخص تک پہنچانے کے بعد کل صبح چلا جاؤں گا۔ آج کی شب مجھے اپنی رنگینیِ زلفوں کے سائے میں گزار لینے دو۔ پچھلی تین راتوں سے تم نے مجھے اپنا کھلونا بنایا ہوا ہے۔ ہنستی کھیلتی ہو، اکساتی ہو اور پھر دل توڑ دیتی ہو....."

"بکواس مت کرو۔" ویرا اس پر غرائی "تھوڑی دیر پہلے میں نے تم کو بلاوجہ اپنے بدن کا رازداں قرار نہیں دیا تھا۔ میں نے تم کو بہت زیادہ قرب سے نوازا ہے۔"

"ایسی ناملائم بیانی مت کرو!" رابرٹو نے کراہتے ہوئے کہا "تم پیاسے کو کنویں کی منڈیر تک ضرور لے گئی ہو لیکن پانی سے بھرا ہوا ڈول اس کے ہاتھوں سے چھین کر کنویں میں الٹ دیتی ہو۔ اسے اپنی پیاس نہیں بجھانے دیتیں، تشنگی اور بڑھا دیتی ہو۔ میں جب سے تمہارے اس کمرے میں آیا ہوں، سلگ اور سسک رہا ہوں۔ اس وقت بھی دیکھ لو کہ تم نے بے پروائی سے کتنا کم اور بے ڈھنگا لباس پہنا ہوا ہے۔ میری خاطر جو بھی اس کمرے میں ذرا سی دیر کے لیے آئے گا تمہارے بدن کا راز داں بن جائے گا۔ میں تمہارے ساتھ رہنے کے باوجود تم سے بہت دور ہوں۔ تمہیں کچھ دیر کے لیے مہربان دیکھنا میری حسرت ہے۔ اسے پورا کردو۔"

"میں ہر شخص کو اس کی حد بلکہ اوقات میں رکھتی ہوں۔" ویرا نے دوسرا گھونٹ لے کر بے رخی سے کہا "میں نے پہلے ہی دن اندازہ لگالیا تھا کہ تم بہت زیادہ دلیر اور قابلِ اعتماد نہیں ہو۔ میں بہادر مردوں کی قدر کرتی ہوں۔ بزدلوں سے دور رہتی ہوں۔"

"تم مجھے بار بار بزدلی کا طعنہ کیوں دے رہی ہو؟ میں نے اب تک تمہاری ہر بات مانی ہے۔ تم نے....."

ویرا نے ہاکا سا قہقہہ لگا کر اس کی بات اڑا دی "یہ تمہاری سب سے بڑی بزدلی ہے کہ میرا قرب حاصل کرنے کے لیے، اپنی انا کی پروا کیے بغیر میرے اشاروں پر ناچ رہے ہو۔ تم میں ذرا سی بھی غیرت ہوتی تو میرے بال پکڑ کر دو تھپڑ لگاتے اور اپنی راہ لیتے۔"

حیرت اور بے یقینی سے رابرٹو کی آنکھیں پھیل گئیں "اب تم حد سے تجاوز کررہی ہو۔ میں دس بار جاچکا ہوتا مگر تم نے دھمکیاں دے کر مجھے یہاں رکنے پر مجبور کیا ہوا ہے۔"

"پھر میری فرماں برداری کا دعویٰ کیوں کررہے ہو؟ میں کہہ رہی ہوں کہ جاؤ تو اب چلے جاؤ۔"

بات رابرٹو کی برداشت سے تجاوز کرگئی۔ اس نے ایک

Downloaded from https://paksociety.com

جھٹکے سے اپنی جگہ چھوڑ دی "میں جارہا ہوں۔ میرا پاسپورٹ اور ٹکٹ کہاں ہے؟"

ویرا نے اطمینان سے مسہری کے گدے کے نیچے ہاتھ ڈالا اور رابرٹو کی دونوں چیزیں نکال کر اپنے قدموں کی طرف اچھال دیں "میں تمہیں جانے کی اجازت دے رہی ہوں لیکن یہ یاد رکھنا کہ انسپکٹر ڈیوڈ کے بارے میں تم نے کہیں زبان کھولنے کی حماقت کی تو میرے ساتھ تم بھی مصیبت میں پڑجاؤ گے۔"

"مجھے معلوم ہے۔" رابرٹو نے اپنی سفری دستاویزات بے صبری سے مسہری پر سے اٹھاتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا "میں یہ بات اٹلی پہنچ کر بھی یاد رکھوں گا۔ مجھے پہلی بار اندازہ ہوا ہے کہ خوب صورت اور بھولی بھالی نظر آنے والی لڑکیاں درحقیقت کتنی مکار اور سنگ دل ہوتی ہیں۔"

"اگر بھولے سے کبھی شادی کر بھی لو تو اپنی ہونے والی اولادوں کو بھی اپنے تجربے سے آگاہ کردینا۔" ویرا نے اپنی جگہ سے جنبش کیے بغیر' مسکراتے ہوئے کہا "یہ راز کی باتیں ہیں۔ ہزاروں میں ایک آدھ ہی مرد کے علم میں آتی ہیں۔"

رابرٹو یلینی زندگی کے سرد و گرم کو نوشتہ تقدیر سمجھ کر برداشت کرلینے والا ایک روایتی سیاح تھا۔ اس نے بس ایک نظر بھر کر ویرا کی طرف دیکھا' جھک کر اپنا اکلوتا سفری تھیلا اٹھایا' پاسپورٹ اور ٹکٹ اس کی بغلی جیب میں رکھا اور تھیلا کندھے پر لٹکا کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"اوکے۔ گڈ بائے فار ایور۔" کمرے کے بند دروازے پر اس نے لمحہ بھر کے لیے رک کر ویرا کو ہمیشہ کے لیے الوداع کہا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

دروازہ قدرے آواز کے ساتھ بند ہوا۔ وہ آواز سنتے ہی ویرا نے کسی بازی گر کی طرح اچھل کر مسہری چھوڑ دی۔ وہ دیر سے شراب نوشی کررہی تھی لیکن عملی طور پر خمار کے اثرات سے عاری نظر آرہی تھی۔ اس نے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے سامنے اپنے سراپے کا جائزہ لیا اور کچھ سوچ کر مسکرانے لگی۔

فون پر مجھ سے گفتگو کرنے کے بعد ہی وہ رابرٹو یلینی سے اپنا پیچھا چھڑانے کا فیصلہ کرچکی تھی۔ اس کی چھٹی حس اسے بتا رہی تھی کہ نئی تبدیلیوں کے بعد حالات اچانک کوئی خطرناک رخ اختیار کرسکتے ہیں۔ ایسا کوئی نازک موڑ آنے سے پہلے اسے رابرٹو سے الگ ہوکر ہوٹل چھوڑ دینا چاہیے۔

ویرا کا آدھا گلاس باقی تھا۔ اس نے گلاس کے برابر میں رکھی ہوئی بوتل پر نگاہ ڈالی اور اس میں بچی ہوئی اسکاچ بھی

وجہ

ایک صاحب نے ویٹر کو بلا کر شکایت کی "میرے سوپ میں ایک پتا تیر رہا ہے؟"

"یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے جناب!" ویٹر نے اطمینان سے جواب دیا "دراصل ہر بڑے شہر میں ہمارے ریستوران کی شاخیں ہیں۔"

گلاس میں انڈیل لی۔ کمرا چھوڑنے سے پہلے وہ گلاس اور بوتل میں موجود شراب کا آخری قطرہ تک اپنے معدے میں اتارنے کا ارادہ کرچکی تھی۔

اس کے پاس کافی وقت تھا۔ وہ گلاس سے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لے کر تیار ہوتی رہی۔ اپنے بدن سے اتارا ہوا' جالی کا مختصر لباس اپنے تھیلے میں ڈالا۔ ڈریسنگ ٹیبل سے اپنی گنی چنی چیزیں سمیٹیں اور پھر رومال کی مدد سے ہر اس چیز کو صاف کرنے میں مصروف ہوگئی جس پر اس کی انگلیوں کے نشانات باقی رہ سکتے تھے۔

اس کا آخری کام خاصا طویل اور صبر آزما ثابت ہوا۔ رہ رہ کر اسے کمرے کی متعدد اشیا یاد آتی رہیں جنہیں وہ استعمال کرتی رہی تھی۔ آخر میں باتھ روم کے واش بیسن وغیرہ پر لگی ہوئی پانی کی ٹونٹیوں کے دستے صاف کرکے وہ مطمئن ہوگئی۔

کمرا چھوڑنے سے پہلے اس نے کاؤنٹر پر انٹرکام کے ذریعے بتا دیا تھا کہ اس کا حساب فوری طور پر تیار کرلیا جائے۔

تھوڑی دیر بعد اس نے دستی بیگ سنبھال کر اپنا کمرا چھوڑ دیا۔ وہ لفٹ کے ذریعے نیچے پہنچی تو لابی میں چند قدم آگے بڑھتے ہی اسے ایک ذہنی جھٹکے کا سامنا کرنا پڑا۔ رابرٹو یلینی نے اس کا کمرا چھوڑ دیا تھا مگر ہوٹل کو خیرباد نہیں کہا تھا۔ وہ پاؤں پسارے' ایک صوفے میں ڈھیر تھا۔ اس کا سفری تھیلا اس کی گود میں رکھا ہوا تھا جسے اس نے اپنی چہیتی اولاد کی طرح دونوں ہاتھوں کی گرفت میں لیا ہوا تھا۔

ویرا اس وقت رابرٹو کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس کے دل میں شدید خواہش پیدا ہوئی کہ وہ اپنا راستہ بدل لے لیکن سیدھا چلتے چلتے' اچانک مڑجانے پر وہ کئی متعجب نگاہوں کا مرکز بن سکتی تھی۔ وہ دل کڑا کرکے سیدھی بڑھتی چلی گئی۔ قریب پہنچنے پر اسے اندازہ ہوا کہ رابرٹو آنکھیں بند کیے' صوفے پر اونگھ رہا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

ویرا کے ساتھ ہوٹل کے ایک کمرے میں محبوس مگر ویرا سے دور رہنے کی وجہ سے شاید وہ ایک رات بھی پوری نیند نہیں لے سکا تھا۔ خواب گاہ میں جلنے والے زیرو واٹ کی ناکافی روشنی میں حسرت بھری نگاہوں سے ویرا کو دیکھنے اور بے چینی سے کروٹیں بدلتے رہنے کی وجہ سے وہ یکایک نیند سے مغلوب ہوگیا تھا۔

ویرا دبے قدموں اس کے قریب سے گزر کر کاؤنٹر پر پہنچی۔ ضروری اندراجات کے بعد اس نے اپنے ذمے واجب الادا رقم ادا کی۔ اس دوران میں عملے نے ٹال مٹول کرکے اتنا وقت لے لیا تھا کہ ویرا کے فلور پر مامور روم سروس کے عملے سے یہ تصدیق ہوسکے کہ ویرا کے چھوڑے ہوئے کمرے میں ہوٹل کی ملکیتی ہر چیز صحیح سلامت تھی۔ وہ تصدیق نہ ہونے کی صورت میں ویرا کے ذمے واجب الادا رقم میں مناسب اضافہ ہو سکتا تھا۔

ویرا ہوٹل سے نکلی تو کناٹ پلیس کا علاقہ روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ ہر طرف لوگوں کی بھیڑ تھی جس میں ہر رنگ اور نسل کے شوقین سیاح بھی نظر آرہے تھے۔ مقامی فن، صناعی اور دست کاری کے شاہکاروں سے لدی پھندی، وکٹورین طرز کی اونچی دکانوں اور مارکیٹوں میں بھی خریداروں اور شائقین کی بھیڑ تھی۔

ویرا نے کچھ سوچے سمجھے بغیر ہوٹل چھوڑا تھا۔ اس کے ذہن میں ایک بات جم کر رہ گئی تھی کہ میں نے اسے دہلی سے فرار کی ہدایت کی تھی۔ اس نے ہوٹل چھوڑ دیا تھا اور رات کی آخری ٹرین سے امرتسر روانہ ہونے کا ارادہ تھا لیکن ہوٹل سے نکلنے کے بعد اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اپنا درمیانی وقت کہاں گزارے۔

ہوٹل مرینا سے کچھ دور نکل آنے کے بعد ایک ٹیکسی رینگتی ہوئی قریب سے گزری اور ویرا نے بے اختیار ہاتھ ہلا کر اسے روک لیا۔

دہلی میں ٹیکسیاں میٹر کے حساب سے کرایہ لیتی ہیں لیکن متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے مقامی ان میٹروں پر اعتبار نہیں کرتے کیونکہ ایک ہی فاصلے کے لیے ہر ٹیکسی کا میٹر الگ کرایہ بتاتا ہے۔ اس لوٹ مار کے انسداد کے لیے قوانین موجود ہیں لیکن ان کا نفاذ کہیں نظر نہیں آتا۔ ویرا مقامی نہیں تھی۔ اس کی جیب میں خاصی رقم موجود تھی۔ ڈرائیور نے اپنی نشست پر بیٹھے بیٹھے جھک کر عقبی دروازہ کھولا۔ اس کی طرف سے وہ ویرا کی گوری چمڑی یا شاید خوب صورتی کے لیے خراجِ عقیدت تھا۔ ویرا بے نیازی سے پچھلی نشست پر بیٹھ گئی اور دروازہ بند کرلیا۔ اس وقت وہ ہوٹل مرینا اور اس کی لابی میں اونگھتے ہوئے رابرٹو ویلینی سے بہت دور نکل جانا چاہتی تھی۔

کناٹ پلیس کی پرہجوم سڑک پر گاڑی چند ثانیوں تک رینگتی رہی۔ وہاں شہر کے مختلف علاقوں سے آنے والی دس سے زائد سڑکیں یک جا ہوتی تھیں۔ ڈرائیور کو بہت جلد فیصلہ کرنا تھا کہ اسے کہاں سے مڑنا ہے۔ جب ویرا نے اپنی منزل کے بارے میں زبان نہیں کھولی تو ڈرائیور نے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں اس سے سوال کیا۔ ویرا چونک پڑی۔ اس وقت اس کے ذہن پر یہ خلش سوار تھی کہ جان اسمتھ دہلی میں موجود ہونے کے باوجود مفت میں چھوڑا جارہا تھا۔ اس نے بے ساختہ ہوٹل سمراٹ کا نام لے دیا اور ٹیکسی کی رفتار میں ہلکی سی تیزی آگئی۔

ڈرائیور ہندی میں کچھ بڑبڑایا۔ چند ٹھیٹ الفاظ کو چھوڑ کر بقیہ الفاظ وہی تھے جو اردو میں بولے جاتے ہیں۔ مفہوم ویرا کے لیے واضح تھا۔ وہ دل ہی دل میں ہنسے بغیر نہ رہ سکی۔ ڈرائیور اپنے ماں باپ کو کوس رہا تھا جنہوں نے اسے پانچویں جماعت سے آگے نہ پڑھنے دیا اور بے چارہ انگریزی میں کورا رہ گیا۔ اسے جھنجلاہٹ تھی کہ قسمت سے ایک میم کی سواری ملی تھی تو وہ اس سے بات کرنے کے قابل نہیں تھا۔

ویرا ابتدا سے ہی اردو سے انجان بنی ہوئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کی زبان سے صاف ستھری اردو سن کر ہر مقامی حیران رہ جائے گا۔ وہ بات زیادہ پھیلتی تو ویرا کی اصلیت کا بھانڈا پھوٹ سکتا تھا۔ وہ بظاہر لاتعلق بنی کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی۔

دہلی میں اچھی بات یہ تھی کہ لوگوں کی رہنمائی کے لیے سڑکوں اور اہم مقامات کے نام انگریزی اور ہندی میں نمایاں مقامات پر کندہ یا لکھے ہوئے تھے۔ وہ بہت معمولی اور بنیادی سہولت تھی جو سیاحوں کے لیے حوصلہ افزا تھی۔ وہ شہر کے کسی ٹھگ کے چنگل میں پھنسے بغیر کسی نہ کسی طرح اپنی راہ تلاش کرسکتے تھے۔

ٹیکسی کناٹ پلیس سے نکل کر جان پاتھ نامی سڑک پر سفر کرتی رہی۔ اسی سڑک پر ونڈسر پلیس کا چوراہا گھومتے ہوئے ڈرائیور نے استفہامیہ انداز میں انڈیا گیٹ کا نام لیا۔ ویرا سمجھ گئی کہ ڈرائیور اسے شہر کی سیر کرانے اور کرایہ بڑھانے کی فکر میں تھا۔

ویرا کے ذہن میں کوئی خاص کام یا منصوبہ نہیں تھا۔ وہ خود وقت گزاری کے موڈ میں تھی۔ اس نے فوراً یس کہہ

Downloaded from https://paksociety.com

دیا۔

ٹیکسی ونڈ سرپلیس سے فیروز شاہ روڈ پر گھوم گئی۔ ویرا کو سمت اور راستوں کا کوئی ادراک نہیں تھا۔ ٹیکسی کستوربا گاندھی مارگ سے ہوتی ہوئی انڈیا گیٹ کے حسین اور جگمگاتے ہوئے علاقے میں داخل ہوگئی۔ ڈرائیور اپنی گوری مسافر کی رہنمائی کے جوش میں' ہاتھ ہلا ہلا کر مختلف نام لیتا رہا جن میں جنگی یادگار' میوزیم' آرٹ گیلری اور بچوں کے پارک وغیرہ کے نام اہم تھے۔

اس بار ٹیکسی شاہ جہاں روڈ پر نکلی تو ویرا سوچے بغیر نہیں رہ سکی کہ ہندوؤں نے اپنے بے مثال تعصب کے باوجود نہایت مکارانہ مصلحت اندیشی سے کام لیا تھا۔ اپنی سرزمین پر مسلمانوں کی طویل حکمرانی کے نقوش کو تہس نہس کرنے کے بجائے سڑکوں اور یادگاروں وغیرہ کے پرانے نام تک برقرار رہنے دیے تھے تاکہ آنے والوں کو اپنی مذہبی رواداری سے مرعوب کرسکیں۔ دوسری طرف پاکستانیوں کی جذباتی حماقتوں کا یہ عالم تھا کہ آئے دن سڑکوں' بستیوں اور مقامات کے ناموں کو تبدیل کیا جاتا تھا۔

وہ ویرا کا ذاتی تجزیہ تھا جس سے کسی کا متفق ہونا ضروری نہیں تھا لیکن اس کی اہمیت یہ تھی کہ وہ پاکستانی یا بھارتی نہیں تھی۔ پیدائشی طور پر امریکی نژاد تھی اور ہر امریکی کی طرح اس کی کہی ہوئی بات بھی توجہ کی مستحق تھی۔

دہلی کے ایک حصے کے اس مختصر سے سفر میں ویرا نے مسلمان زمانہ کے ناموں پر متعدد سڑکیں دیکھیں۔ اورنگ زیب روڈ' صفدر جنگ روڈ اور کمال اتاترک روڈ سے گزرنے کے بعد ٹیکسی چانکیہ پوری کے جدید علاقے میں داخل ہوگئی جو یقیناً مسلمانوں اور انگریزوں کی طویل حکمرانی کے بعد بسایا گیا تھا اور وہاں ہر طرف ہندوانی ناموں کا تسلط تھا۔ کچھ دیر بعد ڈرائیور نے ٹیکسی ہوٹل سمراٹ کے پورچ میں گھمانی چاہی تھی کہ ویرا نے بوکھلا کر اسے روک دیا۔

وہ اپنے خیالات کی رو میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اسے پتا ہی نہیں چلا کہ وہ جان استھیہ کی کمین گاہ کے نزدیک پہنچ چکی تھی۔ وہ براہِ راست ہوٹل میں داخل ہوکر کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتی تھی۔ اس نے فٹ پاتھ کے کنارے' ٹیکسی ڈرائیور کو دو سو روپے دے کر فارغ کردیا۔ وہ رقم کرایے سے بہت زیادہ تھی۔ توقع سے زیادہ انعام پاکر اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ اس نے واپسی کے بارے میں پوچھا۔ اس کا ایک لفظی سوال انتظار کے بارے میں تھا۔

ویرا نے اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑا کر اندازہ لگالیا تھا کہ چانکیہ پوری دہلی کے روسا اور سفارتی معززین کا علاقہ تھا جہاں صرف کار نشینوں کا ہی گزر ہوسکتا تھا مگر ہوٹل کی حدود میں ٹیکسی وغیرہ کی آمدورفت یقینی تھی۔ بس ایک نکتہ تھا کہ کسی ہنگامی ضرورت کے پیش آنے پر وہاں سے روانگی کے لیے فوری طور پر کوئی گاڑی دستیاب ہوسکے۔ غالب امکان یہ تھا کہ ہوٹل سمراٹ میں ایسی کوئی ہنگامی ضرورت پوری نہیں ہوسکے گی۔ جب بھی ٹیکسی ملے گی' اپنے وقت پر ملے گی۔

ویرا نے ڈرائیور کو رکنے کا عندیہ دے دیا اور اشاروں کی مدد سے سمجھا دیا کہ وہ باہر رکنے کے بجائے ہوٹل کی پارکنگ لاٹ میں ویرا کی واپسی کا انتظار کرے۔

اس بار ڈرائیور نے سخت انداز میں نو' نو کی تکرار کی اور ویرا کے لیے پچھلا دروازہ کھول دیا۔

"ویٹ..... اونلی ویٹ!" ویرا نے ہاتھ سے دروازہ بند کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"ہائے رام!" ڈرائیور اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بے بسی سے بڑا بڑایا "اس سسری کو کون سمجھائے کہ پارکنگ کا میدان بہت بڑا ہے۔ اس کے پتاجی بھی اپنی سادھی چھوڑ کر باہر نکل آئیں تو ہماری گاڑی بٹیا کو نہیں ڈھونڈ سکیں گے۔"

ڈرائیور کی مجبوری اور بے بسی پر ویرا نے اپنے بے ساختہ قہقہے کو بمشکل اپنے حلق کی گہرائیوں میں دفن کیا۔ ڈرائیور کی پریشانی بالکل جائز تھی۔ وہ ویزا کے فائدے کی بات سوچ رہا تھا لیکن اسے ضبطِ تقریر میں لانا اس بے چارے کے بس سے باہر تھا۔

ویرا ہندی اور اردو سے نابلد بنی ہوئی تھی اس لیے اپنی تفہیم کے اظہار سے قاصر تھی۔ بس کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اپنے شانے اچکائے اور دوبارہ ٹیکسی میں سوار ہوگئی۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے کہہ رہی ہو کہ میرے ساتھ جو سلوک کرنا ہے' کرلو میں نے خود کو تمہارے سپرد کردیا ہے۔

ادھیڑ عمر ڈرائیور نے بہت مسرت آمیز انداز میں ٹیکسی کا دروازہ بند کیا اور پھرتی سے اپنی نشست پر پہنچ کر انجن اسٹارٹ کردیا۔

پارکنگ لاٹ کا میدان واقعی بہت وسیع تھا اور اس کا بیشتر حصہ اس وقت خالی تھا مگر وہاں آنے والی گاڑیوں کے تسلسل سے صاف ظاہر تھا کہ ایک دو گھنٹے بعد وہاں گاڑیوں کا ایسا ہجوم جمع ہوجائے گا کہ محض اندازے سے کسی کار یا ٹیکسی کو تلاش کرنا ناممکن ہوجائے گا۔ ویرا دل ہی دل میں ٹیکسی ڈرائیور کی پیشہ ورانہ دور اندیشی کی داد دیے بغیر نہ رہ سکی۔

Downloaded from https://paksociety.com

ڈرائیور نے پارکنگ کے پہلے واضح بورڈ کے قریب ٹیکسی پارک کردی۔ ویرا نیچے اتری تو ڈرائیور اس کی یاددہانی کے لیے بورڈ کی طرف تاکیدی اشارے کررہا تھا۔ ویرا نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی اور لمحہ بھر سوچنے کے بعد اپنا مختصر سا دستی بیگ گاڑی میں ہی ڈال دیا۔ اس نے اندازہ لگایا تھا کہ ڈرائیور بے ایمان نہیں تھا اگر اس کے دل میں کوئی کھوٹ آہی جاتا تو اس بیگ میں ویرا کے دو تین جوڑوں اور زنانہ استعمال کی چند ذاتی اشیا کے سوا کچھ نہیں تھا۔ میرے مشورے کے مطابق اس نے نقدی اور پاسپورٹ کو اپنی کمر کے گرد کسی ہوئی بیلٹ میں محفوظ کیا ہوا تھا۔

اس نے ہاتھ لہرا کر ڈرائیور کو اشارہ کیا اور ہوٹل سمراٹ کے روشنیوں میں نہائے ہوئے پورچ کی طرف چل دی۔

اس وقت تک ویرا کا ذہن بالکل صاف تھا۔ جان اسمتھ کے خلاف وہ اپنے عزائم کو خیرباد کہہ چکی تھی مگر پھر بھی ہوٹل سمراٹ کی حدود میں موجود تھی!

○☆○

جان اسمتھ کے بارے میں میری تجویز سن کر غزالہ دل ہی دل میں جھوم اٹھی تھی۔ اس کے لیے یہ بہت بڑی بات تھی کہ میں نے بھارت جیسے مکار اور سفاک ملک میں ایک اہم مشن اسے سونپنے کا فیصلہ کیا تھا۔

جان اسمتھ ہم سب کے لیے ایک ایسا روگ بن گیا تھا جسے کاٹ کر اپنے وجود سے جدا نہیں کیا جاسکتا تھا۔ پاکستان کی سرحدوں میں رہتے ہوئے ہم اس روگ کی پرورش کرنے پر مجبور تھے۔ دہلی میں وہ پہلا اور شاید آخری موقع تھا کہ ہم پاکستان کے خلاف سی آئی اے کے بین الاقوامی آپریشنز کی سربراہی کرنے والے جان اسمتھ کو موت کی اس بھیانک دلدل میں اتار سکیں جس کا وہ مستحق تھا۔

غزالہ کے لیے اس اہم ترین ذمے داری کو سرانجام دینا ایک اعزاز سے کم نہیں تھا۔

اس نے ہوٹل سے ذرا دور نکل کر ایک ٹیکسی پکڑی اور ہوٹل سمراٹ کی طرف روانہ ہوگئی۔

غزالہ نے جوش اور جذبے کے ساتھ میری تجویز قبول کی تھی۔ اسے کچھ سوچنے یا سمجھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ میں نے اشاروں کنایوں میں اسے یہ بتا دیا تھا کہ جان اسمتھ، ویرا کو پہچانتا تھا جبکہ غزالہ اس کے لیے قطعی اجنبی تھی۔ اس اجنبیت سے فائدہ اٹھا کر وہ بہت آسانی سے جان اسمتھ کا قرب حاصل کرسکتی تھی جس کے نتیجے میں ہمارے اس ازلی دشمن کا قصہ ہمیشہ کے لیے پاک ہوسکتا تھا۔

ٹیکسی کے سفر میں چند منٹ گزرنے کے بعد غزالہ کو احساس ہوا کہ وہ لمحہ بہ لمحہ اپنی اس منزل سے قریب ہوتی جارہی تھی جہاں موت سایہ فگن ہونے والی تھی۔ اس کا جوش ایک دم ٹھنڈا پڑگیا اور وہ خود کو آنے والے وقت کا سامنا کرنے کے لیے تیار کرنے میں مصروف ہوگئی۔

میری اور اس کی مختصر سی گفتگو میں بین السطور جو مفہوم پنہاں تھا، وہ اس کے ذہن میں پوری طرح سمایا ہوا تھا۔

جان اسمتھ اسے نہیں جانتا تھا۔ وہ امریکی سیکرٹ سروس کا ایک اہم اور ذمے دار عہدے دار تھا جسے اپنے سازشی فرائض کی انجام دہی کے لیے کراچی جیسے حساس شہر میں مامور کیا گیا تھا۔ کراچی میں ویرا نے پے در پے دو دھمکی آمیز فون کرکے اتنا حواس باختہ کردیا کہ بھڑک کر کراچی سے بھاگ نکلا کیونکہ کراچی ان دنوں غیر ملکی ایجنٹوں کے لیے ایک ہولناک مقتل و مدفن بنا ہوا تھا۔

جان اسمتھ سے پہلے کئی امریکی ایجنٹ کراچی میں مارے جاچکے تھے جن میں ڈیوڈ اور جمی کے نام سب سے تازہ تھے۔ ان سے پہلے جان اسمتھ کا پیش رو بھی اسی طرح بوکھلا کر کراچی سے دہلی فرار ہوا تھا۔ اس کے نویں منزل کے محفوظ ترین فلیٹ میں اس کی چہیتی کتیا سلطان شاہ کی کارروائی کا نشانہ بنی تھی۔ اور برائن ڈی ہنٹ کو خوف لاحق ہوگیا تھا کہ سارے حفاظتی انتظامات دھرے رہ جائیں اور کسی وقت وہ بھی اپنی کتیا کی طرح بے موت مارا جائے گا۔ وہ یہ بات بھول گیا تھا کہ اس کی موت لکھی جاچکی تھی۔ وہ دنیا کے کسی بھی خطے میں جاتا، موت کا بے رحم آہنی پنجہ اسے اپنی گرفت میں لے لیتا۔

یہ اس کی موت کا بہانہ تھا کہ ان ہی دنوں رستم ایرانی ہماری نگاہوں میں آیا اور اس نے ایک معقول رقم کے عوض یہ بندوبست کردیا کہ اور برائن ڈی ہنٹ دہلی میں ٹریفک کے ایک حادثے میں بے رحمی سے کچل دیا جائے۔

غزالہ کے ذہن میں وہ واقعہ اپنی پوری جزئیات کے ساتھ تازہ تھا۔ ٹیکسی میں ہوٹل سمراٹ کی طرف جاتے ہوئے اسے یوں محسوس ہوا جیسے تاریخ خود کو دہرانے جارہی ہو۔ پہلے رستم ایرانی نے اپنے بھارتی دوستوں کے ذریعے اور برائن ڈی ہنٹ کو مروایا تھا۔ اس بار غزالہ خود جان اسمتھ کا کام تمام کرنے والی تھی۔

جان اسمتھ کراچی سے دہلی پہنچنے کے بعد ذہنی اور نفسیاتی طور پر خود کو محفوظ تصور کررہا تھا۔ وہ ایک تنہا مرد تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

ویرا اسے بارہا بتا چکی تھی کہ ہر جواں سال اور جوان دل امریکی رنگینی میں دلچسپی رکھتا ہے۔ اپنے فرائض منصبی یا سیاحت کے سلسلے میں دور دراز کے سفر کرنے والے امریکی مرد بلکہ اکثر اوقات عورتیں بھی زیادہ دیر تک تنہا رہنا پسند نہیں کرتیں۔ یہ لوگ جہاں موقع پاتے ہیں' اپنے عارضی پڑاؤ کے لیے وقتی رفاقتیں پیدا کرلیتے ہیں اور اگر ایسا کوئی امکان نظر نہ آئے تو دوستیاں خرید بھی لیتے ہیں جہاں فریق ثانی کے وقت پر صرف ان کا تصرف ہوتا ہے۔ جسموں کے یہ کھلاڑی جذبوں کو کند چھری سے ذبح کرتے ہیں۔ وقت پورا ہوجانے پر خاموشی سے اپنے آشیانوں کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔

غزالہ نے سوچ لیا تھا کہ وہ ہوٹل سمراٹ کی لابی سے انٹر کام کے ذریعے جان اسمتھ سے رابطہ کرے گی اور اسے پھسلائے گی مبادا اگر جان اسمتھ کی وہ شام کسی بھارتی دوشیزہ کے نام نہ ہوتی تو قوی امکان تھا کہ غزالہ کی رسیلی باتیں سن کر وہ اسے اپنے کمرے میں مدعو کرلیتا۔

غزالہ ایک بار خاموشی سے اس کے کمرے میں پہنچنے میں کامیاب ہوجاتی تو اس کا ہاتھ جان اسمتھ کی شہ رگ تک پہنچ جاتا۔ مخصوص انگوٹھی کے کھوکھلے نگینے کا زہر ذرا سے اشارے سے جان اسمتھ کے بدن میں اترتا اور وہ قصہ ہمیشہ کے لیے ختم ہوجاتا۔

جان اسمتھ کی بے آواز موت کے بعد غزالہ کے لیے اس کے کمرے سے نکل کر ہوٹل سمراٹ سے فرار ہونا زیادہ مشکل نہیں تھا۔

ایک طرف جان اسمتھ کا بھیانک نام تھا۔ دوسری طرف اس کا اتنا سہل انجام نظر آرہا تھا۔ خوف اور بے یقینی سے غزالہ کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔

اس کے ذہن میں واقعات کی کڑیاں تیزی سے جڑنے لگیں۔ ہم بھارت کی روسوائے زمانہ راست اس کی اپنی سرزمین پر برسرپیکار تھے۔ گو اس وقت تک ہمیں ڈیوڈ کی بے قصد موت کے علاوہ کوئی عملی کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی لیکن ہم کامیابیوں کی سمت میں خاصی پیش رفت کرچکے تھے۔

مجھے رینا اجیت رائے اور پھر ناگر کے ذریعے را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ تک رسائی حاصل ہوچکی تھی۔ وہ مجھ سے میری تلاش میں مدد لینے کا خواہاں تھا۔ اس کا دست راست نریش شرما تھا جسے آخری درجے کا دہشت گرد اور کارِ اعظم کہا جاتا تھا۔ وہ اس قدر احمق اور غیر ذمے دار ثابت ہوا تھا کہ اس نے پاکستان سے تعلق رکھنے والی را کی لیارہ خفیہ فائلیں بے پروائی سے اپنی میز پر پھیلا لی تھیں۔

بھارتی سیکرٹ سروس میری ذات میں گہری دلچسپی لے رہی تھی لیکن انہوں نے میری سرگرمیوں کو اس طرح نظرانداز کیا ہوا تھا جیسے وہ مجھے بالکل بے ضرر اور نکما تصور کررہے ہیں۔

غزالہ کو خیال آرہا تھا کہ انل بسواس' نریش شرما اور ناگر سے ملاقات سے پہلے اور اس کے بعد میں نے فون اور اپریٹس پر ویرا' اول خان اور گوپال سے طویل رابطے کیے تھے جن میں کسی کی طرف سے کوئی مداخلت نہیں ہوئی۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے پاکستان میں دن رات فعال رہنے والے را کے کارندے اپنے ملک میں افیم کھا کر سوئے ہوئے ہوں۔

غزالہ تنہا تھی۔ ان لمحات میں اسے وہ سب غیر فطری اور بھیانک محسوس ہوا۔ وہ ڈرنے لگی کہ وہ سب ہماری خوش فہمیاں تھیں۔ را والے ہماری پل پل کی نقل و حرکت سے واقف تھے لیکن انہوں نے جان بوجھ کر ہماری رسیاں دراز کی ہوئی تھیں۔ وہ ہمیں کھل کر سامنے آنے کا موقع دے رہے تھے' ہماری سرگرمیوں کی نگرانی کررہے تھے۔ جوں ہی ہم کسی بڑی کامیابی سے قریب تر ہوتے' وہ شکاری عقابوں کی طرح حملہ آور ہوکر ہمیں نیست و نابود کردیتے۔

غریب الوطنی' تنہائی اور رات کے اترتے ہوئے اندھیرے نے غزالہ کو بے حال کردیا۔ وہ اپنے دل کی تیز دھڑکنیں اپنے کانوں میں سن رہی تھی۔ اسے اپنی پیشانی پر پسینے کی خوف میں ڈوبی ہوئی ٹھنڈی بوندیں ابھرتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ اسے اندیشہ ہوا کہ ڈرائیور نے عقب نما آئینے میں اس کی بدلتی ہوئی کیفیت دیکھ لی تو وہ اسے ہوٹل سمراٹ کے بجائے کسی تھانے میں پہنچا دے گا۔

غزالہ کا وہ اندیشہ بے بنیاد نہیں تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور نے غزالہ کی زبان سے ٹھیٹ ہندی اور سنسکرت الفاظ سے پاک' شستہ اردو سنتے ہی سمجھ لیا تھا کہ وہ پاکستانی تھی۔ سفر کے آغاز میں ادب سے وہ سوال پوچھ کر ڈرائیور نے اپنا رہا سہا شبہ بھی دور کرلیا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ ٹیکسی میں اندھیرا تھا اگر باہر کی روشنیوں کے انعکاس میں ڈرائیور غزالہ کی عرق آلود پیشانی یا چہرے پر اڑنے والی ہوائیاں دیکھ لیتا تو فوری طور پر کوئی نئی مشکل پیدا ہوسکتی تھی۔

غزالہ نے پھرتی سے اپنے وینٹی بیگ سے رومال نکال کر اپنی پیشانی پونچھ ڈالی۔

خیالات کی رو ڈرائیور کی طرف منتقل ہونے کی وجہ سے غزالہ کے ڈراؤنے اندیشوں کا تسلسل ٹوٹ گیا مگر اندر کا اضطراب کم نہ ہوسکا۔

Downloaded from https://paksociety.com

دور سے ہوٹل سمراٹ کی کثیر المنزلہ عمارت نظر آتے ہی غزالہ نے ارادہ کیا کہ ٹیکسی چھوڑنے کے بعد وہ ہوٹل کے پبلک بوتھ سے مجھے فون کرے گی اور اپنے ذہن میں آنے والے نئے خطرات کی نشان دہی کرے گی لیکن ٹیکسی رکنے تک وہ اپنا ارادہ منسوخ کر چکی تھی۔

اسے گمان ہوا کہ اس کی مخفی باتیں سن کر میں سمجھ بیٹھوں گا کہ منزل پر پہنچ کر وہ جان اسمتھ کا سامنا کرنے سے خوف زدہ ہو گئی ہے۔ دوسرا خیال یہ تھا کہ میرے ساتھ ہونے والی گفتگو را والوں تک پہنچنے کا قوی امکان تھا۔ میں اس خطرے کو نظر انداز کیے' بے خبری کے بازار میں بیٹھا ہوا تھا تو غزالہ کا فرض تھا کہ وہ اپنی دانست میں ہر احتیاط سے کام لیتی اور مجھ تک پہنچنے سے پہلے ہر بات اپنے سینے میں محفوظ رکھتی تاکہ راداں کو ہمارے ہوشیار ہونے کا علم نہ ہو پاتا۔

ٹیکسی کا کرایہ ادا کرنے کے بعد غزالہ نے پورچ میں لمحہ بھر کے لیے رک کر خود کو سنبھالا اور پھر ہوٹل سمراٹ کی پرشکوہ لابی میں داخل ہو گئی جہاں رات کو بھی روشنیوں اور رونق نے دن کا سماں باندھا ہوا تھا۔

غزالہ کی دانست میں اس کا کام مختصر تھا اور اس کے پاس کافی وقت تھا۔ وہ جان سے رابطہ کرنے سے پہلے اپنے اوسان یک جا کرنے کی ضرورت محسوس کر رہی تھی۔ وہ راہداری میں نصب علامتوں کے سہارے خواتین کے واش روم کی طرف چلی۔ آئینے کے سامنے پہنچ کر اسے اندازہ ہوا کہ وہ خاصی منتشر ہو چکی تھی۔ اسے اپنے وینٹی بیگ کے بلکہ سے سہارے کی ضرورت تھی۔

اس نے اپنے اڑے اڑے بال دوبارہ جمائے۔ چہرے کو تر و تازہ کیا اور ہوٹل کے ریستوران میں جانے کے بجائے استقبالیہ کاؤنٹر سے ذرا آگے پڑے ہوئے صوفوں میں سے ایک پر نیم دراز ہو گئی۔ راستے بھر اپنے خیالات اور اندیشوں سے لڑتے لڑتے وہ نڈھال ہو چکی تھی۔ اپنا آخری قدم اٹھانے سے پہلے گرم چائے کی ایک پیالی اس کے لیے بہت زیادہ محرک اور معاون ثابت ہو سکتی تھی۔

چائے کی پیالی ختم کر کے غزالہ صرف اس وقت تک بیٹھی رہی جب تک اس نے ویٹر کو بل ادا نہیں کر دیا۔ اب وہ خود کو توانا اور چاق و چوبند محسوس کر رہی تھی۔ وہ لابی کے اس حصے کی طرف چل دی جہاں ہوٹل کے اندرونی رابطوں کے لیے متعدد انٹر کام رکھے ہوئے تھے۔

بڑے ہوٹلوں میں کمرے کا نمبر ہی انٹر کام کا نمبر بھی ہوتا ہے۔ غزالہ نے پورے اعتماد سے تھری ون زیرو ملا لیا۔

دوسری طرف گھنٹی بجی اور دیر تک بجتی ہی رہی۔ کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"اوہ! میری غریب بچی۔" اپنے قریب ایک ہمدردانہ نسوانی آواز سن کر غزالہ اس بری طرح چونکی کہ ریسیور اس کے ہاتھ سے گرتے گرتے بچا۔ اس نے گردن گھما کر دیکھا کہ وہ پھولے ہوئے نتھنوں والی ایک سفید فام عورت تھی۔ اس کا نچلا ہونٹ آگے نکلا ہوا تھا اور آنکھوں پر نیم تاریک شیشوں کی عینک لگی ہوئی تھی۔ غزالہ کو اپنی طرف متوجہ پا کر اس نے نرمی سے اپنا ہاتھ غزالہ کے شانے پر رکھ دیا "ریسیور رکھ دو۔ اپنا وقت برباد مت کرو۔" وہ رواں انگریزی بول رہی تھی۔

غزالہ نے مسحور ہو کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ وہ مسلسل اجنبی عورت کو گھورے جا رہی تھی۔ اس عورت میں کوئی نہ کوئی خاص بات ضرور تھی جسے غزالہ کوئی مفہوم پہنانے سے قاصر تھی۔

"آؤ۔ میرے ساتھ آؤ!" غزالہ کو متحیر دیکھ کر اس عورت نے اسے پچکارا "اور خود پر قابو رکھو۔ میں تمہاری ہمدرد ہوں۔"

غزالہ بے اختیار گہرا سانس لے کر اس کے ساتھ ہو لی۔ اس بار اس نے اجنبی عورت کو پہچان لیا تھا۔ وہ ویرا کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتی تھی۔

"یہ تم ہو!" غزالہ نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے تحیر زدہ آواز میں سرگوشی کی "تم نے کیا سوانگ رچایا ہوا ہے؟ تم یہاں کیا کرتی پھر رہی ہو؟"

"تم کو ہاکاں ہونے کی ضرورت نہیں۔" ویرا نے بدستور بدلی ہوئی آواز میں کہا "میں کافی دیر سے یہاں جھک مارتی پھر رہی ہوں۔ پہلے اطمینان سے کہیں بیٹھتے ہیں پھر باتیں ہوتی رہیں گی۔ اس وقت اپنی زبان بند رکھو۔"

حالات کی روشنی میں ویرا کا مشورہ بہت صائب تھا۔ بھارت کی سرزمین پر بلکہ دہلی میں وہ ان دونوں کی پہلی ملاقات تھی۔ غزالہ سمجھ رہی تھی کہ ویرا نے مستقل طور پر اپنے حلیے میں وہ تبدیلیاں کی ہوئی تھیں اور شاید اسی بنا پر وہ میری ہدایات کو نظر انداز کر کے بے خوفی سے ہوٹل سمراٹ میں گھومتی پھر رہی تھی جہاں اس کا شناسا' جان اسمتھ قیام پذیر تھا۔ غزالہ سوچتی رہی مگر اس نے زبان نہیں کھولی۔

غزالہ اس ہوٹل سے بالکل بھی واقف نہیں تھی۔ ویرا اسے کافی شاپ میں لے گئی جہاں خال خال میزوں پر گاہک نظر آ رہے تھے۔ وسیع و عریض اور نیم روشن ہال کی بیشتر

Downloaded from https://paksociety.com

منی اسٹوری

سفری سیلز مین البرٹ طویل دورے سے اپنے گاؤں واپس آیا تو اسے اپنا چھوٹا بھائی جم گاؤں کے پیٹرول پمپ پر ہی کھڑا مل گیا۔ دونوں بھائی گرم جوشی سے ملے پھر البرٹ نے پوچھا "میرے پیچھے کوئی خاص واقعہ تو نہیں ہوا؟"

"کوئی خاص نہیں.... بس تمہارا کتا مرگیا ہے" جم نے ہچکچاتے ہوئے بتایا۔

"کیسے....؟ میرا کتا کیسے مرگیا؟" البرٹ نے اداس ہوتے ہوئے پوچھا۔

"اس نے گھوڑے کا جلا ہوا زہریلا گوشت کھالیا تھا" جم نے بتایا۔

"گھوڑے کا جلا ہوا زہریلا گوشت...؟" اب البرٹ کے حیران ہونے کی باری تھی "وہ اسے کہاں سے مل گیا؟"

"تمہارے باڑے میں سے.... جو آگ لگنے کی وجہ سے سارے کا سارا جل گیا تھا۔ گھوڑا اور دوسرے مویشی بھی اندر ہی جل کر مرگئے۔"

"میرا باڑا جل گیا...؟ مگر کیسے؟" البرٹ چلایا۔

"جب تمہارے مکان کو آگ لگی تو کچھ چنگاریاں باڑے پر بھی آن گری تھیں" جم نے بتایا۔

"میرے گھر کو آگ لگ گئی...." البرٹ اب اور زیادہ وحشت زدہ ہو کر چلایا "یہ واقعہ کیسے رونما ہوا؟"

"وہ.... اصل میں تابوت میں رکھی ہوئی موم بتیوں میں سے ایک قالین پر گر گئی تھی اور قالین نے آگ پکڑلی" جم نے بتایا۔

"اوہ میرے خدا...!" البرٹ کی وحشت بڑھ گئی "تابوت کس کا تھا؟ کون مرگیا تھا؟"

"تمہاری ساس" جم نے جواب دیا۔

"مگر کیسے...؟ وہ تو ہٹی کٹی تھی۔"

"وہ صدمے سے مرگئی کیونکہ تمہاری بیوی مزارعے کے ساتھ بھاگ گئی تھی" جم نے بتایا۔

البرٹ دھپ سے ایک بینچ پر بیٹھ گیا اور دونوں ہاتھوں سے سر تھامتے ہوئے بولا "میرا سر چکرا رہا ہے.... میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا...."

"تو پھر میں دوبارہ شروع سے بتاتا ہوں..." جم خلوص سے بولا "ہوا یوں کہ تمہارا کتا مرگیا..."

میزیں غیر آباد تھیں۔

"برا وقت آگیا ہے۔" ویرا ایک دور افتادہ میز کی طرف بڑھتے ہوئے بڑبڑائی "تو دو لتیوں کو شراب کی ایسی لت لگی ہے کہ شام ڈھلے کوئی ٹی یا کافی شاپ کا رخ نہیں کرتا۔ یہاں ویرانی ہے۔ بار میں جگہ نہ ہونے کے باوجود لوگ گھسے چلے آرہے ہیں۔ ابھی شام گہری نہیں ہوئی مگر بار کے دروازے پر بندش کی سختی آویزاں کردی گئی ہے۔"

"اس شہر والوں پر تمہارا سایہ پڑ چکا ہے۔" غزالہ نے نیچی آواز میں طنز سے کہا "شراب میں پانی اور پانی میں شراب ملا کر پیتے ہیں۔ چائے اور کافی سے ان کا بھلا نہیں ہوتا۔ تم نے بھی مجبور ہو کر اس گوشے کا رخ کیا ہے۔"

ویرا نے میز منتخب کی اور دونوں نے اس کے گرد کرسیاں سنبھال لیں۔ انہیں بٹھانے کے لیے فوراً ہی سانولے رنگ کی ایک پرکشش اور نوجوان ویٹرس مسکراتی ہوئی آپہنچی۔ اسے خوشی ہوئی تھی کہ جوڑے کے بجائے عورتوں کی جوڑی اس کی مہمان ہوئی تھی۔

"کھولتی ہوئی تلخ اور لذیذ کافی کے ساتھ کچھ اسنیکس مگر پندرہ بیس منٹ بعد۔" ویرا نے کسی نک چڑھی بیوہ کے انداز میں ویٹرس کو حکم دیا۔

"یس مادام!" ویٹرس نے ویرا کے آرڈر پر سر کو خم دیا اور اندرونی حصے کی طرف چل دی۔

"مجھے وحشت ہو رہی ہے۔ اب تم بولنا شروع کردو۔" تخلیہ ہوتے ہی غزالہ نے بے صبری سے کہا۔

"میں ہوٹل چھوڑ چکی ہوں اور مظہر کے حکم پر آج

Downloaded from https://paksociety.com

رات امرتسر جارہی ہوں۔" ویرا رک کر سگریٹ سلگانے لگی۔

"انہوں نے تو شاید یہ بھی کہا تھا کہ تم اس ہوٹل کا رخ نہ کرنا۔" غزالہ نے اسے یاد دلایا۔

"یہ نہیں کہا تھا۔" ویرا نے فضا میں شہادت کی انگلی لہرا کر کہا "اس نے مجھے جان سے دور رہنے کا مشورہ دیا تھا اور میں اس مردود سے دور ہوں۔"

"پھر تم یہاں کیوں نظر آرہی ہو؟" غزالہ اس سے ٹکراؤ ہونے پر بہت زیادہ الجھی ہوئی تھی۔

"تم یقین کرو کہ مجھے کچھ علم نہیں۔ ہوٹل سے نکلی تو میرے ذہن میں کچھ بھی نہیں تھا۔ ٹیکسی میں بیٹھی تو ڈرائیور کو غیر ارادی طور پر اس ہوٹل کا نام بتا دیا۔ یہاں آکر میں خود حیران تھی کہ جب جان کو نہیں چھیڑنا تو میں یہاں کیوں آئی ہوں۔ بس کسی نادیدہ غیبی قوت نے مجھے اس طرف دھکیلا تھا۔ میں یہاں سے روانہ ہونے کے لیے پر تول رہی تھی کہ تم زنانہ واش روم سے نکلتی نظر آئیں اور میں تمہارے پیچھے ہولی۔ اب اندازہ ہو رہا ہے کہ قدرت نے مجھے تم سے ملاقات کے لیے یہاں بھیجا تھا۔ تم یہاں کس لیے آئی ہو؟"

"وہ تمہیں پہچانتا ہے۔ میں اس کے لیے اجنبی ہوں۔" غزالہ نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر معنی خیز لہجے میں کہا "لیکن میں شرط لگا سکتی ہوں کہ اس شکل میں اس کے فرشتے بھی تمہیں نہیں پہچان سکیں گے۔"

ویرا دھیرے سے ہنس پڑی "تم اناڑی ہو۔ وہ کھلاڑی اور گھاگ ہے۔ پہلی نظر میں اس سوانگ کو سمجھ جائے گا۔"

"مجھے تمہارے اس بہروپ میں کوئی خامی نظر نہیں آرہی۔ تم نے یہ سب کیسے کیا ہے؟"

"یہاں پہنچ کر مجھے خوف ہوا کہ جان سے اچانک سامنا ہو گیا تو وہ مجھ پر ٹوٹ پڑے گا۔ میں نے اپنے قیمتی بال پن کا اسپرنگ توڑ کر اپنے دونوں نتھنوں میں پھنسایا ہوا ہے نچلے ہونٹ اور مسوڑھے کے درمیان چیونگم کی بلکی سی تہ چپکی ہوئی ہے۔ چشمہ بیگ میں پڑا رہتا ہے۔ یہ سب عارضی اور ریڈی میڈ بندوبست ہے جو زیادہ دیر تک ساتھ نہیں دے سکتا۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ اپنے کمرے میں موجود نہیں ہے؟" غزالہ نے پوچھا۔

"مجھے وقت گزارنا تھا۔ میں ہوٹل کے مختلف حصوں میں چکراتی پھرتی رہی۔ وہ کافی دیر سے بار میں بیٹھا ہوا ہے۔"

"تم مل ہی گئی ہو تو کوئی تدبیر سوچو۔ اب اسے بار سے اٹھ کر اپنے کمرے میں جانا چاہیے۔" غزالہ نے پر تشویش لہجے میں کہا۔

"اس کا رخ بار کاؤنٹر کی طرف ہے۔ میں نے اندازہ لگایا ہے کہ وہ وہاں بیٹھا لڑکیوں کو گھور رہا ہے۔ بہت اوباش آدمی ہے۔ شاید کسی کو ساتھ لے کر ہی اپنے کمرے کا رخ کرے گا۔" ویرا دانستہ خاموش ہو گئی۔ اس کی نظریں غزالہ کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

غزالہ اس کی نگاہوں کا مفہوم سمجھ رہی تھی۔ اپنی جگہ کسمسا کر رہ گئی اور بولی "میں زیادہ دیر تک یہاں نہیں رک سکتی۔"

"کیوں؟ کیا مظہر کے ساتھ کوئی اور پروگرام بھی طے ہو چکا ہے۔" ویرا نے چونک کر پوچھا۔

غزالہ سنبھل گئی۔ وہ ضرورت سے ایک انچ بھی زیادہ نہیں بولنا چاہتی تھی "پروگرام نہیں ہے۔ دیر ہو گئی تو وہ پریشان ہوں گے۔"

"بہت خوش نصیب ہو۔" ویرا نے بے ساختہ کہا "ایک میں ہوں کہ برسوں سے گھر سے نکلی ہوئی ہوں مگر میرے لیے کوئی پریشان نہیں ہوتا۔"

"اب تم بہک رہی ہو۔" غزالہ نے تادیبی لہجے میں اسے ٹوک دیا "وہ تمہارے لیے بھی فکر مند تھے۔ انہوں نے ہر خطرہ مول لے کر تم سے کل اور آج بات کی ہے۔ پتا نہیں تم اتنی اہم باتوں کو کیوں نظر انداز کر دیتی ہو اور مظلوم بننے کی کوشش کرتی ہو۔"

سانولی ویٹرس آئی۔ ٹھنڈے پانی کا جگ اور دو گلاس میز پر سجا کر چلی گئی۔

"آج تم آفت لگ رہی ہو۔" ویرا نے مسکراتے ہوئے خاموشی کا وقفہ توڑا۔

"این! بے ہودگی کی ضرورت نہیں۔ ہمیں خرافات میں وقت برباد کرنے کے بجائے مسئلے کا حل تلاش کرنا چاہیے۔"

"یہ بے ہودگی نہیں، مسئلے کے حل کی نشان دہی ہے۔" ویرا کے غیر متوازن ہونٹوں پر مسکراہٹ برقرار رہی۔

"آخر تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟" غزالہ نے چڑچڑے لہجے میں پوچھا۔

"یار میں جا کر اپنی قسمت آزماؤں۔ میرا دعویٰ ہے کہ وہ خبیث تمہیں نظر انداز نہیں کر سکے گا۔"

غزالہ کو ویرا کی زبان سے وہ تجویز ہتک آمیز سی محسوس

Downloaded from https://paksociety.com

ہوئی حالانکہ جان تک رسائی حاصل کرنے کا وہی ایک راستہ تھا۔ وہ اپنے کمرے میں موجود ہوتا تب بھی غزالہ کو کال گرل کے انداز میں اس سے باریابی کی اجازت لینی پڑتی۔ وہ بار میں بیٹھا ہوا تھا اس لیے اچانک روبہ رو اداکاری کی ضرورت پیش آگئی تھی۔ اس وقت ویرا کی تجویز کا کوئی متبادل نہیں تھا۔

"میں شراب نہیں پیتی۔ جب سے وہ تائب ہوئے ہیں مجھے الکحل کی بو سے بھی وحشت ہونے لگتی ہے۔ یہ کام تم بہتر انداز میں کرلوگی۔"

"میری اصل صورت دیکھتے ہی اس کا نشہ ہرن ہوجائے گا اور وہ میرے اوپر بوتل پھینک مارے گا۔ موجودہ بہروپ میں وہ میری طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کرے گا۔ ہراوباش اور رنگین مزاج مرد کسی نہ کسی حد تک جمال پرست بھی ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کو رجھانے اور پھانسنے کے لیے صرف عورت کا وجود کافی نہیں ہوتا۔" ویرا نپی تلی آواز میں اسے سمجھانے کی کوشش کرنے لگی "عورت کا کوئی رنگ روپ اور جوبن بھی ہونا چاہیے۔ میں تمہاری قصیدہ خوانی نہیں کررہی۔ یہ حقیقت ہے کہ تم ایک مکمل اور بھرپور نسوانی پیکر ہو۔ کوئی وجہ ہے کہ مظہر نے تمہیں اپنی بیوی بنایا ہے۔ میری بات مانو تو دیر نہ کرو۔ اس سے پہلے کہ کوئی آوارہ لڑکی اس کی نظر میں سما جائے، تم بار میں جاکر اپنا داؤ کھیل جاؤ۔ باتوں سے کسی کا کچھ نہیں بگڑتا۔ ذرا سی دیر کی بات ہے۔ تم اس کے کمرے سے سرخ رو ہو کر لوٹوگی۔"

ویرا کی ہر بات درست اور وزنی تھی۔ اس سے ہونے والی اتفاقیہ ملاقات کے نتیجے میں غزالہ کا تنہائی کا ہراس دور ہوچکا تھا۔ اسے ایک ہمدرد، ہم خیال اور ہم نوا ساتھی مل گئی تھی جس کی سوچ کا دھارا بھی اسی جیسا تھا۔ ویرا اسے نہ ملی ہوتی تو شاید وہ از خود اتنی آسانی سے کوئی فیصلہ نہ کرپاتی اور تذبذب کا شکار ہوجاتی۔ وہ غزالہ کے ذاتی اور نسوانی وقار سے زیادہ ملک کی سلامتی اور تحفظ کا معاملہ تھا۔ وہ لوگ ایک مدت سے اکھنڈ بھارت کے منصوبے پر کاغذی اور عملی کام کررہے تھے جس میں افغانستان سے نیپال اور برما تک کسی اور ملک کے پنپنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ جان اسمتھ ان سفاک منصوبہ سازوں کا سرخیل تھا جو اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لیے کئی چھوٹی قوموں کا نام و نشان تک مٹا دینا چاہتے تھے۔

جان اسمتھ جیسے موذی کے خاتمے کے لیے سب کچھ داؤ پر لگایا جاسکتا تھا۔ غزالہ نے بس چند ثانیوں تک خاموش رہ کر وہ موازنہ کیا پھر ویرا سے بولی "مجھے تمہارے مشورے پر عمل کرنے سے انکار نہیں مگر میں وہاں جاکر کیا کروں گی۔ میں نے زندگی میں کبھی شراب نہیں چکھی۔"

"وہاں جاکر شراب نوشی ضروری نہیں۔ تم محض فریش لیمن یا لائم ٹانک پی کر بھی وہاں خاصا وقت گزار سکتی ہو۔"

"تمہیں یقین ہے کہ بار میں یہ آرڈر دے کر مجھے شرمندگی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا؟" غزالہ نے استہزاء آمیز انداز میں سوال کیا۔

"ہرگز نہیں۔" ویرا نے اسے یقین دلایا "شاید ماضی کے تجربات تمہارے ذہن سے نکل چکے ہیں۔"

"کمرے کی بات اور تھی۔ بار میں اس کے علاوہ بھی کئی غیر ملکی بلکہ امریکی ہوں گے۔ میں اسے کیسے پہچانوں گی؟"

"شاید اس کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ وہ بہت ندیدا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تمہیں اکیلا دیکھ کر کسی شکاری کی طرح تمہاری طرف لپکے گا۔ وہ وجیہہ اور دراز قامت آدمی ہے۔ بال لمبے اور سنہرے ہیں۔ سب سے بڑی شناخت یہ ہے کہ

marksman

Downloaded from https://paksociety.com

اس کے بائیں کان کی لو کٹی ہوئی ہے۔"

"اور تم بتا رہی ہو کہ بار کے دروازے پر داخلہ روکنے کی تختی لگا دی گئی ہے۔" غزالہ کا لہجہ تائید طلب تھا۔

"میزیں خالی ہونے کے ساتھ تختی ہٹتی رہے گی۔ تم اپنی جگہ تو چھوڑو!"

"ویٹرس کافی لا رہی ہے۔" غزالہ نے نگاہیں دوڑاتے ہوئے کہنا چاہا مگر ویرا نے اس کی بات کاٹ دی۔

"اسے بھاڑ میں ڈالو۔ میں سب دیکھ لوں گی۔ تم نے ارادہ کر لیا ہے تو وقت برباد مت کرو۔ فوراً چل جاؤ۔"

غزالہ کو آمادہ پا کر ویرا ایکا یک ہی پرجوش ہو گئی۔ اس کے لہجے میں ایسا پُرخلوص تحکم تھا کہ غزالہ نے مشینی انداز میں اپنی کرسی چھوڑ دی اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی کافی شاپ کے دروازے کی طرف چل دی۔

وہ ہوٹل کی راہ داریوں سے بار کی طرف جاتے ہوئے عجیب سا محسوس کر رہی تھی۔ اس نے اپنی زندگی میں ضرورت کے تحت بہت سے کردار ادا کیے تھے لیکن کسی اخلاق باختہ اور پیشہ ور لڑکی کا بے باکانہ کردار ادا کرنے کا وہ پہلا موقع تھا۔

غزالہ نے دور سے دیکھا کہ بار کا دروازہ بالکل صاف تھا۔ وہاں داخلہ روکنے کے لیے کوئی تختی آویزاں نہیں تھی۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے کئی افراد اندر گئے جن میں عورتیں بھی شامل تھیں۔ اکّا دکّا افراد اندر سے برآمد ہوتے بھی نظر آئے۔ بار کے دروازے پر کھڑا ہوا باوردی ملازم آنے جانے والوں کے لئے مہذب انداز میں دروازہ کھول رہا تھا۔

غزالہ کے قدموں کی رفتار تیز ہو گئی۔ اگر دروازے پر کوئی تختی ہوتی تو اسے دور ہی سے اپنا راستہ تبدیل کرنا پڑتا۔ اس سے چند قدم کے فاصلے پر ایک نوجوان جوڑا بار میں داخل ہوا۔ اس بار دروازہ بند ہوتے ہی باوردی ملازم نے اچانک شیشے کے دروازے پر سرخ تختی لٹکا دی۔ جلی انگریزی تحریر کے مطابق ہوٹل کی انتظامیہ بار میں گنجائش ختم ہونے کی وجہ سے کچھ دیر کے لئے نئے مہمانوں سے معذرت خواہ تھی۔

وہ سب اس طرح ہوا کہ غزالہ کو اپنی سمت بدلنے کی مہلت نہ مل سکی۔ وہ دروازے سے دو قدم دور ٹھٹکی تو تختی اس کا منہ چڑا رہی تھی۔ شیشے کے دروازے میں سے صاف نظر آ رہا تھا کہ بار کی تمام میزیں آباد تھیں اور متعدد مرد و زن اپنے جام سنبھالے بار کاؤنٹر کے قرب و جوار میں موجود تھے۔

نئی رکاوٹ سے غزالہ کو اتنی خفت ہوئی کہ وہ مزید کچھ نہ دیکھ سکی اور واپسی طرف مڑ گئی۔ اچانک بار کا دروازہ کھلا اور ہوٹل کے ملازم نے اسے پکارا۔ "مس! مس! تم کو گورا صاحب بلا رہا ہے.... وہ خود آ رہا ہے۔"

غزالہ کے آس پاس کوئی دوسری لڑکی موجود نہیں تھی۔ اس نے رک کر غیر ارادی طور پر گردن گھمائی تو وہ باوردی ملازم دروازہ کھول کر بار سے باہر آ چکا تھا اور اندر سے ایک دراز قامت سفید فام تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا دروازے کی طرف آ رہا تھا۔ غزالہ سے نگاہیں چار ہوتے ہی گورے نے بے تابی سے ہاتھ ہلا کر اسے رکنے کا اشارہ کیا اور چند لمحوں میں غزالہ کے قریب آ پہنچا۔

غزالہ نے پہلی نظر میں دیکھ لیا تھا کہ لمبے لمبے سنہرے بالوں والے اس وجیہہ سفید فام کے بائیں کان کی لو غائب تھی۔ غزالہ کے دل کی دھڑکنیں ایک بار پھر بے ترتیب ہونے لگیں۔ اس کے قدم ہوٹل کے تپکتے ہوئے فرش پر گڑ کر رہ گئے تھے اور وہ سوچ رہی تھی کہ ویرا نے عورتوں کے بارے میں جان احتیہ کی حرص و ہوس کا اندازہ لگانے میں ذرا بھی غلطی نہیں کی تھی۔

"مس! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اکیلی ہو۔" جان احتیہ غزالہ کے قریب رک کر نیم سرگوشیانہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "اگر تم واقعی اکیلی ہو تو میری میز کی دوسری کرسی شاید تمہارے لئے خالی ہے۔ میں تمہاری مہمان داری کر کے فخر محسوس کروں گا۔" جان نے اپنا دہنا ہاتھ غزالہ کی طرف بڑھا دیا۔

غزالہ کے ذہن پر جمی ہوئی برف پگھلنے لگی۔ اس کے نزدیک جان احتیہ اس وقت روئے زمین کا بدترین آدمی تھا۔ وہ یکایک پتھر کی طرح جذبات سے عاری ہو گئی۔ اس نے ہلکی سی تحیر زدہ مسکراہٹ کے ساتھ جان کا بڑھا ہوا ہاتھ اپنی ہتھیلی میں لے لیا اور مسحور کن آواز میں کہا "میرا نام کملا ہے اور میں واقعی اکیلی ہوں۔ حیرت ہے کہ اس بھیڑ میں بھی تمہاری ایک کرسی خالی ہے۔"

"وہ تمہارے لئے ہے۔" جان نے ہنس کر انگلی سے اس کی طرف اشارہ کیا "میری میز پر صرف دو کرسیاں ہیں۔ مجھے دیر سے کسی اچھی ساتھی کی تلاش تھی۔ تم کو دیکھتے ہی خیال آیا کہ شاید میں تمہارا انتظار کر رہا تھا۔"

"مگر میں یہ جھوٹ نہیں بولوں گی کہ مجھے تمہارے جیسے کسی ساتھی کی تلاش تھی۔" غزالہ نے مترنم ہنسی کے ساتھ کہا۔ وہ بھول چکی تھی کہ وہ ایک نرم و نازک عورت ہے۔ اسے صرف یہ یاد تھا کہ وہ پتھر کی طرح ہے اور اسے اپنے نیچے آئے ہوئے دشمن کو کسی پتھر ہی کی طرح کچل کچل کر مار ڈالنا

Downloaded from https://paksociety.com

ہے۔

جان اسمتھ کے لئے غزالہ کی وہ حوصلہ افزائی کافی تھی۔ اس نے غزالہ کو بار کی طرف چلنے کا اشارہ کرکے بے تکلفی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

بار کے دروازے پر معذرت کی تختی بدستور موجود تھی مگر دربان نے جان اسمتھ کو دیکھتے ہی دروازہ کھول دیا۔ بار کی خنک فضا تمباکو اور الکحل کی ملی جلی تیز بو سے بوجھل ہو رہی تھی۔ جان اسمتھ اسے اپنے ہمراہ کونے کی ایک مختصر میز کی طرف لیتا چلا گیا جہاں آمنے سامنے صرف دو کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔

بار کا ہال کافی شاپ سے زیادہ وسیع اور آباد تھا۔ فضا میں دھیمی انسانی آوازوں کی گونج رچی ہوئی تھی جو پوشیدہ اسپیکروں سے خارج ہونے والی مغربی موسیقی پر حاوی تھی۔ کہیں کہیں سے ابھرنے والی نسوانی قہقہوں کی آوازیں اس ماحول میں نقرئی گھنٹیوں کے ترنم کی طرح سنائی دے رہی تھیں۔ اس وقت غزالہ کی توجہ گردوپیش کے ماحول سے زیادہ اپنے شکار پر مرکوز تھی۔

"تم کیا پیو گی؟" جان نے اپنی کرسی سنبھالتے ہوئے پوچھا پھر چونک کر بولا "میں تم کو بتانا بھول گیا۔ میرا نام جان.... جان اسمتھ۔ لیکن تم مجھے صرف جان کہہ سکتی ہو۔ تمہارے گلاب کی پنکھڑیوں جیسے نازک ہونٹوں سے یہ نام بہت بھلا لگے گا۔"

"میں صرف فریش لیمن جوس لوں گی۔" غزالہ نے دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ کہا "شراب نہیں پیتی۔"

"فریش لیمن!" جان کے حلق سے تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی۔ "ایسے بے ضرر مشروب کے لئے تم بار کی طرف آئی تھیں؟"

"میں اپنی ساتھی کی تلاش میں تھی۔" جان کے غیر متوقع سوال پر غزالہ کو بروقت جواب سوجھ گیا۔ "وہ مجھ سے بچھڑ گئی ہے اور شراب کی رسیا ہے۔ اس کی تلاش میں یہاں جھانکنے کا ارادہ کیا تھا...."

"تو پہلے اسے دیکھ لو۔" جان نے اس کی بات کاٹ کر پیشکش کی۔ "پھر ہم اطمینان سے باتیں کریں گے۔"

"تم مل گئے ہو تو اب اسے تلاش کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔" غزالہ نے اپنی نگاہیں اس کے چہرے پر جما کر جواب دیا۔ وہ جان کے ساتھ رسمی تکلفات میں پڑ کر اپنا وقت برباد کرنے کے بجائے جلد از جلد اسے کمرے کی طرف ہانکنا چاہتی تھی۔ اس مقصد کے لئے غزالہ کی طرف سے اس کی حوصلہ افزائی ہونی ضروری تھی۔

ویٹر دیکھ چکا تھا کہ جان کی میز پر ایک لڑکی کا اضافہ ہو چکا ہے۔ وہ آیا اور فریش لیمن کا آرڈر لے کر چلا گیا۔

"تم بہت خوب صورت.... بہت ہی زیادہ خوب صورت ہو۔" جان نے میز پر غزالہ کا ہاتھ تھام کر سحرزدہ آواز میں کہا "تمہاری بڑی بڑی آنکھیں اس قدر نشیلی ہیں کہ شراب نہ پینے کے باوجود تم نشے میں چور نظر آتی ہو۔ آج کی شام میرے ساتھ بسر کر سکتی ہو؟"

بات بہت تیزی سے سمٹ کر راہ پر آگئی تھی۔ غزالہ نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچنے کے بجائے ہنستے ہوئے کہا "شام بسر کرنے کے لیے تمہیں ہوٹل میں کمرا ایک کرانا ہوگا۔"

جان کا چہرہ کھل اٹھا۔ اس نے غیر ارادی طور پر گلاس سے شراب کا ایک بڑا گھونٹ لیا اور دھیمی آواز میں بولا "میں اسی ہوٹل میں مقیم ہوں۔ تنہائی میں کمرے کا نرم بستر مجھے کانٹوں کی طرح چبھتا ہے۔ تم ساتھ چلو گی تو میرے لیے خوشی اور راحت کا ہر دروازہ کھل جائے گا۔"

"ابھی ہمارے درمیان اتنی بے تکلفی نہیں ہوئی۔" غزالہ نے شوخی سے اسے یاد دلایا "شاید تم حد سے تجاوز کر رہے ہو۔ دوستی کے یہ مرحلے دھیرے دھیرے طے ہوتے ہیں۔"

جان نے غزالہ کا ہاتھ دباتے ہوئے سرگوشی کی "تم دوستی پر رضامند ہو تو میں بھی تمہیں حیران کردوں گا۔ تمہاری جیسی لڑکی کی دوستی پر مجھے ہمیشہ فخر رہے گا۔ ہوٹل میں ماری ماری پھرنے والی سڑی بسی لڑکیوں کے سوکھے بدن سے مجھے کراہت محسوس ہوتی ہے۔"

فریش لیمن جوس آتے ہی غزالہ کو اپنا ہاتھ جان کی گرفت سے نکالنے کا موقع مل گیا۔ جوس بہت ٹھنڈا اور فرحت بخش تھا۔

"تم نے مجھ سے دوستی کا دم بھرا ہے۔" جان عجلت میں اپنا گلاس ختم کرکے بھرائی ہوئی آواز میں دوبارہ بولنے لگا "میں جانتا ہوں کہ مردوں اور عورتوں کی ایسی دوستیاں بے غرض نہیں ہوتیں۔ تمہارا نکھرا ہوا چہرہ دیکھ کر اندازہ نہیں ہوتا کہ تم کسی مسئلے سے دوچار ہو لیکن غریب ایشیائی ملکوں میں ہر ایک کو ڈالروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ تم چاہو تو میں تمہیں دو چار ہزار ڈالر نقد دے سکتا ہوں۔ بس چند روز کے لیے سب کو بھول کر میری ہو جاؤ...."

غزالہ کی طرف سے خوشی کا اظہار ضروری ہو گیا تھا۔ جان سے ہونے والی گفتگو پر اس کا چہرہ پہلے ہی شرم سے گلنار

Downloaded from https://paksociety.com

ہو رہا تھا۔ اس نے جان کی بات کاٹ کر کہا "تم بہت اچھے اور فراخ دل آدمی ہو۔ آج تک اتنی بڑی رقم اکٹھی میرے ہاتھ نہیں آئی۔ میرے بہت سے ادھورے خواب پورے ہو جائیں گے۔"

"یہ اس خطے کے ہر ایشیائی ملک کا المیہ ہے۔ یہاں غربت کی وجہ سے لاکھوں کلیاں پھول بننے سے پہلے مرجھا جاتی ہیں۔"

جان کے لیے ویٹر خاموشی سے اسکاچ کا اگلا گلاس لے آیا تھا۔ غزالہ نے اسے ٹوکنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ گلاس ختم ہونے تک ان دونوں کو بار میں بیٹھنا تھا۔ غزالہ نے مایوسانہ لہجے میں اس کی دکھتی رگ چھیڑی "ہمارے سارے وسائل فوج اور توپیں کھا جاتی ہیں۔ غریب کے پیٹ کی آگ کیسے بجھے گی۔"

"بھارت مجبور ہے۔ وہ چکی کے دو پاٹوں میں گھرا ہوا ہے۔ ایک طرف چین کی دہشت ہے تو دوسری طرف پاکستان کا جنگی جنون۔ بھارت نے جس دن اپنے دفاع سے غفلت برتی، یہ دونوں دشمن اسے پیس ڈالیں گے۔" جان نے نئے گلاس سے پہلا گھونٹ لے کر پُر خیال انداز میں کہا پھر جھنجلا کر بولا "ان دونوں کی بربادی کا وقت قریب آگیا ہے مگر یہ وقت ان خشک باتوں کا نہیں ہے۔ پہلے جیسی رومانی باتیں کرو۔ میں چند لمحوں پہلے اپنے بدن میں پھریریاں سی محسوس کر رہا تھا۔"

"میں کہاں، وہ باتیں تو تم ہی کر رہے تھے۔" اس کے ہوش و حواس زائل کرنے کے لیے غزالہ ایک ادا سے ہنس کر بولی "یہ سب خلوت کی باتیں ہیں جہاں ہمیں دیکھنے والا کوئی نہ ہو۔ بھرے بار میں بیٹھ کر ہم بلاوجہ اپنے دلوں کو بوجھل کرتے رہیں گے۔ شراب تم اپنے کمرے میں بھی پی سکتے ہو۔"

"تم خوب صورت ہی نہیں، ذہین بھی ہو۔" جان نے کھلے دل سے غزالہ کی تعریف کی "میرے دل کی بات کہہ کر تم نے مجھے بے چین کر دیا ہے۔ اپنے اپنے گلاس خالی کر کے ہم یہ بار چھوڑ دیں گے۔ عیش و نشاط کا اگلا دور اب میرے کمرے میں شروع ہوگا جہاں کوئی تیسرا نہیں ہوگا۔"

وہ دونوں اپنے اپنے گلاس سے چسکیاں لیتے خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ جان کی آنکھوں میں ہولناک شیطانی چمک رقصاں تھی اور غزالہ کسی مکار لومڑی کی طرح اپنی گرفت میں آتے ہوئے جان کا جائزہ لے رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ انگوٹھی کے کھوکھلے کیپسول میں پوشیدہ سوئی کے لیے جان کی گردن ہی سب سے موزوں تھی۔

جان کے اشارے پر ویٹر بل لے آیا۔ اس نے ان کاغذوں پر دستخط کیے، گلاس سے آخری گھونٹ لیا اور ویٹر کو ٹپ میں دس ڈالر کا کرارا نوٹ دے کر کرسی سے اٹھ گیا۔ غزالہ اس کا ساتھ دینے کے لیے پہلے سے تیار تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس کا شکار اتنی آسانی سے اور خوشی خوشی سوئے مقتل چل دے گا جہاں خاموش موت اس کی گھات لگائے دبکی ہوئی تھی۔

بار سے لفٹ کی طرف جاتے ہوئے جان نے اپنا ہاتھ غزالہ کی کمر کے گرد ڈالنے کی کوشش کی اور غزالہ کسمسا کر اس سے دور ہو گئی "بے صبری کی ضرورت نہیں۔ بلاوجہ لوگوں کی نظریں ہماری طرف اٹھیں گی۔ ایشیا ابھی اتنا آزاد خیال نہیں ہوا ہے۔"

جان خفت آمیز انداز میں ہنس کر اپنے دونوں ہاتھ رگڑتے ہوئے بولا "یہاں کے لوگوں کے پاس بہت زیادہ فالتو وقت ہوتا ہے۔ وہ اپنے کام سے کام رکھنے کے بجائے دوسروں کی ٹوہ لینے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔"

غزالہ کی نظریں ویرا کی تلاش میں ادھر ادھر بھٹک رہی تھیں۔ آگے اس کا کوئی کردار نہیں تھا۔ جان کے تابوت میں آخری کیل غزالہ کو خود ٹھونکنی تھی پھر بھی اسے ویرا کے سہارے کی تلاش تھی اور ویرا کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ اپنے دونوں نتھنوں میں اسپرنگ اور نچلے ہونٹ کے پیچھے چیونگم لگا لینے کے باوجود وہ جان کی نظروں سے قطعی اوجھل بھی لیکن غزالہ کو یقین تھا کہ وہ کہیں سے ان دونوں کو ضرور دیکھ رہی ہوگی۔

اتفاق سے لفٹ میں ان دونوں کے سوا کوئی نہیں تھا۔ غزالہ کو جان سے ہر بد معاشی کی توقع تھی۔ دروازہ بند ہوتے ہی جان نے بے تابی سے غزالہ کو اپنی بانہوں میں لینا چاہا تو غزالہ نے انجان بن کر اس کی پسلیوں میں اپنی کہنی مار دی۔ جان اپنی پیش دستی بھول کر کراہتا ہوا دہرا ہو گیا۔ غزالہ بوکھلانے کی اداکاری کرتے ہوئے بے ساختہ اس پر جھک پڑی۔ اتنی دیر میں لفٹ اپنا مختصر سفر طے کر کے رک گئی۔

جان اپنی داہنی پسلیاں سہلاتا ہوا لفٹ سے نکلا اور مسکراتے ہوئے بولا "میری یہ چوٹ یاد رکھنا۔ تمہیں بہت پیار اور محبت سے اس کا ازالہ کرنا ہوگا۔ کمرے میں پہنچ کر بھی تم کسی خوف زدہ ہرنی کی طرح بھڑکتی رہیں تو اس شام کا سارا لطف غارت ہو جائے گا۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"میں جانتی ہوں ڈارلنگ۔" جان کے رہائشی فلور کی راہداری میں پہنچ کر غزالہ خود کو بہت مطمئن محسوس کررہی تھی "مجھے افسوس ہے کہ اتفاق سے میری کنی لگ گئی ورنہ میں تمہیں ناراض کرہی نہیں سکتی۔ ہزاروں ڈالروں کی نوید سنا کر تم نے مجھے خرید لیا ہے۔" غزالہ نے بائیں انگلی میں موجود انگوٹھی کا نگینہ ہتھیلی کے رخ پر گھمالیا تھا۔

پتلون کی عقبی جیب میں اڑسی ہوئی چابی نکال کر جان نے تین سو دسویں کمرے کا قفل کھولا اور غزالہ کو اندر جانے کی راہ دے دی۔

غزالہ کے پیچھے وہ اندر آیا اور دروازہ بند کرکے مقفل کردیا "یہ دیکھو' خالی مسہری تمہارے مرمر سے تراشے ہوئے وجود کی منتظر ہے۔"

وہ اپنے ہونٹوں پر گھناؤنی مسکراہٹ لیے' خطرناک عزائم سے غزالہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ حوصلے سے اپنی جگہ کھڑی رہی اور سرد آواز میں بولی "دیکھو جان' میں ڈینی کی ستائی ہوئی عورت ہوں۔۔۔"

"ڈینی!" فرطِ حیرت سے جان اسمتھ کا منہ کھل گیا "وہ خبیث یہاں کہاں سے آگیا؟ تم اسے کیسے جانتی ہو؟"

جان رک چکا تھا۔ غزالہ نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا "وہ ہر جگہ پہنچ جاتا ہے۔ مجھے بہت تنگ کرتا ہے کیونکہ وہ میرا شوہر ہے۔"

"تو تم انڈین نہیں ہو؟" جان کے چہرے پر غصے کی علامات ابھر آئیں۔ غزالہ خالی ہاتھ تھی اس لیے وہ ذرا بھی خوف زدہ نہیں تھا۔

غزالہ اس کے روبرو رک گئی۔ جان اس کی دسترس میں تھا۔ اس نے نفرت آمیز لہجے میں جواب دیا "میں پاکستانی ہوں۔ ویرا نیچے کسی اچھی خبر کی منتظر ہے۔ اب تمہارا وقت پورا ہوچکا ہے۔ ہوسکے تو اپنی کوئی آخری دعا پڑھ لو۔"

"تم' ذلیل عورت ہو۔ میں تمہیں فنا کردوں گا۔" وہ غضب ناک لہجے میں غراتا ہوا غزالہ سے لپٹ گیا۔ وہ ایسے کسی وار کے لیے تیار تھی۔

غزالہ نے بایاں ہاتھ اس کی گردن پر رسید کردیا "اب جہنم میں جاکر سوچنا کہ مجھے کیسے فنا کرو گے۔"

غزالہ کے جسم پر جان کی گرفت مضبوط ہونے سے پہلے دم توڑ گئی اور چند لمحوں میں اس کا بھاری وجود کسی بے جان تودے کی طرح غزالہ کے ہاتھوں میں آگیا۔ غزالہ نے کسی تیز دھچکے سے بچنے کے لیے جان اسمتھ کی لاش کو سہارا دے کر آہستگی سے فرشی قالین پر ڈال دیا۔

"کیا رشید صاحب کا دماغ خراب ہوگیا ہے۔۔۔؟" ایک پڑوسی نے تشویش زدہ لہجے میں دوسرے پڑوسی سے کہا "ان کے گھر کی تمام لائٹس آج کل دن رات جلتی رہتی ہیں۔"

"دراصل وہ کوشش کررہے ہیں کہ ان کا اس مہینے کا بجلی کا بل ذرا زیادہ آئے" دوسرے پڑوسی نے بتایا۔

"وہ کیوں؟" پہلے پڑوسی نے حیرت سے پوچھا۔

"دراصل رشید صاحب کی بیگم ایک ماہ سے میکے گئی ہوئی تھیں اور رشید صاحب نے دو چار دن پہلے فون پر انہیں بتایا ہے کہ وہ تو روز رات کو گھر پر لیٹے کتابیں پڑھ پڑھ کر وقت گزار رہے تھے۔" دوسرے پڑوسی نے وضاحت کی۔

وہ غزالہ کا اصل اور بنیادی کام تھا۔ مشن مکمل ہونے کے بعد اس نے ایک لمحہ بھی برباد نہیں کیا۔ پھرتی سے دروازہ کھول کر کمرے سے نکل آئی۔ ہتھی قفل کا اندرونی بٹن دبا کر اس نے یہ بندوبست کردیا تھا کہ اس کے جانے کے بعد باہر سے چابی کے بغیر دروازہ نہ کھولا جاسکے۔

راہداری دونوں سروں تک سنسان پڑی ہوئی تھی۔ غزالہ کو اطمینان تھا کہ کسی نے اسے جان اسمتھ کے کمرے سے نکلتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ دیکھ لیا ہوتا تب بھی کوئی فرق نہ پڑتا کیونکہ جان اسمتھ کی لاش دریافت ہونے سے پہلے اسے ہوٹل سمراٹ سے بہت دور نکل کر دہلی کی پُرہجوم دنیا میں کھو جانا تھا۔

وہ لفٹ کے ذریعے نیچے پہنچی تو اس کی متلاشی نظروں نے چند ثانیوں میں ویرا کو دیکھ لیا جو ایک ستون کی اوٹ سے برآمد ہورہی تھی۔ میدان صاف ہوچکا تھا۔ اس ہوٹل میں ویرا کو صرف ایک شخص پہچان سکتا تھا جو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔ غزالہ نے سر کی خفیف سی جنبش سے ویرا کو اشارہ کیا اور سیدھی ہوٹل کے دروازے کی طرف چل دی۔

لفٹ سے پورچ تک کا فاصلہ طویل تھا۔ ویرا راستے میں ہی غزالہ سے آملی۔ دونوں نے نظروں ہی نظروں میں پیغامات

Downloaded from https://paksociety.com

کا تبادلہ کیا۔ غزالہ کے بشرے پر پھیلی ہوئی آسودگی اس کی کامیابی کی غمازی کررہی تھی پھر وہ دونوں پارکنگ لاٹ کی طرف ہولیں۔

پورچ میں آنے جانے والوں کی بھیڑ اور تیز روشنیوں کی زد سے نکل کر غزالہ نے بے اختیار ایک گہرا سانس لیا اور کہا "خدا کا شکر ہے کہ میں لوٹ آئی۔ اس گھناؤنے شخص کے ساتھ میرے آخری چند منٹ بہت کٹھن گزرے۔ وہ لفٹ میں مجھ پر ٹوٹ پڑا تھا۔"

"اس وقت خوشی سے میرا سینہ پھولا ہوا ہے۔" ویرا کی آواز خوشی سے لبریز تھی "میں نے یہاں آکر کچھ بھی نہیں کیا مگر میرا وقت رائگاں نہیں گیا۔ مجھے یہ پتا چل گیا کہ تم نے بڑے موذی کا کام تمام کردیا ہے۔"

غزالہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ ویرا کو اندازہ نہیں تھا کہ ہوٹل سمراٹ میں اس کی بروقت موجودگی سے غزالہ کو کتنا سہارا ملا تھا۔ میں نے غزالہ کے ساتھ جو کچھ طے کیا تھا' وہ عجلت میں طے کیا تھا۔ وقت بچانے کے لیے غزالہ مجھ سے کوئی بات کیے بغیر اس وقت ہمارے ہوٹل سے روانہ ہوئی تھی جب میں ایرپٹس پر گوپال سے رات کا پروگرام طے کرنے میں مصروف تھا۔ اس عجلت میں یہ نکتہ سرے سے فراموش کردیا گیا تھا کہ جان اسمتھ اپنے کمرے میں موجود نہ ہوا تو غزالہ اسے کیسے پہچانے گی اور کہاں تلاش کرے گی۔ ویرا نہ ملی ہوتی تو غزالہ کچھ دیر تک ہوٹل سمراٹ میں بھٹکنے کے بعد مایوس ہوکر لوٹ آتی۔

ویرا نے اسے وقت پر مناسب ترین مشورہ دیا تھا۔ جان اسمتھ کی نشان دہی کی تھی اور پھر اسے ہوٹل کے شراب خانے سے نکال کر کمرے تک لے جانے کی وہ راہ سجھائی تھی' جو غزالہ اپنے طور پر شاید اختیار نہ کرپاتی۔ غزالہ کو احساس تھا کہ اس کی کامیابی میں ویرا پوری طرح شریک تھی لیکن اس نے اس بارے میں زبان کھولنے کا ارادہ ملتوی کردیا۔ اپنی کارگزاری کے بارے میں بے خبر رہنا ویرا کے لیے سود مند رہنا تھا۔ دوسری صورت میں وہ شبہات بگھار کر دوسروں کا جینا اجیرن کرسکتی تھی۔

ان دونوں کے پارکنگ لاٹ میں داخل ہونے تک ہوٹل سمراٹ کی حدود میں کوئی ٹیکسی نظر نہیں آئی۔ غزالہ کو اعتراف کرنا پڑا کہ ویرا نے اپنی ٹیکسی کو واپسی کے لیے روک کر دور اندیشی اور دانش مندی کا ثبوت دیا تھا۔ ان دونوں کے لیے ہوٹل سمراٹ سے جلد از جلد لوٹ جانا بہت ضروری تھا۔

غزالہ کو یہ جان کر حیرت ہوئی کہ ویرا نے اپنے سفری کپڑوں کا تھیلا ٹیکسی میں چھوڑ دیا تھا اور ٹیکسی ڈرائیور تھیلا لے کر نہیں بھاگا تھا بلکہ ایمانداری سے اپنی سواری کی واپسی کا انتظار کررہا تھا۔ وہ دونوں ٹیکسی میں سوار ہوئیں اور ٹیکسی روانہ ہوگئی۔ نیم روشن پارکنگ لاٹ میں ویرا نے اپنا ریڈی میڈ میک اپ خاموشی سے ختم کردیا تھا۔

"کسی خطرے کا امکان نہیں ہے پھر بھی احتیاط کا تقاضا ہے کہ ہم دونوں ایک جگہ نہ اتریں۔" کچھ دیر کے بعد ویرا نے انگریزی میں کہا۔

"مجھے کہیں بھی چھوڑ دینا۔ میں دوسری سواری لے لوں گی۔" غزالہ نے کہا پھر پوچھا "تمہیں یہ قابل اعتماد ڈرائیور کہاں مل گیا۔"

"غریب اور انگریزی سے نابلد آدمی ہے۔ یہ دو سو روپے کی ممنونیت ہے کہ وہ میرا انتظار کرتا رہا۔ اس کی موجودگی میں ہم انگریزی میں بے تکلفی سے بات کرسکتے ہیں۔"

"اپنے قریبے سے کچھ پڑھا لکھا نظر آرہا ہے۔" غزالہ نے شبہے کا اظہار کیا۔

ویرا ہنس کر بولی "شاید چند جماعتیں پڑھی ہیں مگر انگریزی میں کورا ہے۔ بے چارہ راستے بھر ہندی یا اردو میں اپنی بے بسی پر بڑبڑاتا رہا تھا کہ مجھ سے انگریزی کے چند فقرے بھی نہیں بول سکتا۔ اس کے بارے میں تم فکر مند کیوں ہو۔"

"ذہن میں چند نکیلے سوال چبھ رہے ہیں...." غزالہ کی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ ویرا درمیان میں بول پڑی تھی۔

"کھل کر بات کرو۔ پتا نہیں اب حالات کیا رخ اختیار کرلیں اور ہماری اگلی ملاقات کب ہو۔"

"یہ طے ہے کہ آج بلکہ تھوڑی دیر پہلے والے واقعے کا انکشاف پوری دہلی کو ہلا ڈالے گا۔" غزالہ نے پرخیال انداز میں کہا۔

"یہی ہمارا مقصد بھی ہے۔ ان کی صفوں میں کھلبلی مچ جائے گی اور کوئی تمہارے ملک پر الزام نہیں لگا سکے گا۔ تمہارے شکار کو تمہاری اصل قومیت پر کوئی شبہ تو نہیں ہوا تھا؟"

"وہ غیر ملکی تھا۔ مقامی ہوتا تو فوراً پہچان لیتا۔ اس کے لیے اردو اور ہندی یکساں تھیں۔ شروع سے آخر تک اسے کوئی شبہ نہیں ہوا مگر آخر میں' میں نے خود اسے بتادیا کہ میں کون ہوں اور میرے شوہر کا کیا نام ہے۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"خوب!" ویرا تعریفی لہجے میں بولی "اس کی روح کو قفس عنصری سے پرواز کرنے میں آسانی ہوئی ہوگی۔ یہ ہر مقتول کا حق ہوتا ہے کہ اسے اپنے قاتل اور قتل کے سبب کے بارے میں سب کچھ معلوم ہو۔"

کچھ دیر کے لیے ٹیکسی میں خاموشی چھا گئی۔ وہ دونوں اپنے اپنے خیالات کی رو میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ اچانک ویرا کو خیال آیا اور اس نے غزالہ کو ٹوک دیا "تمہارے ذہن میں چبھنے والے کچھ نکیلے سوالات درمیان میں رہ گئے۔"

"ذرا ذاتی نوعیت کی بات ہے پھر بھی میں جاننا چاہتی تھی کہ ایک اطالوی مرد تمہارے ساتھ کیوں رہ رہا تھا۔" غزالہ نے جھجکنے کے باوجود اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔

"کچھ پوچھے بغیر تمہیں سمجھ لینا چاہیے تھا۔" ویرا نے برا منائے بغیر سکون سے جواب دیا "تم شادی شدہ ہو اور اچھی طرح جانتی ہو کہ مرد اور عورت کیوں ایک ساتھ رہتے ہیں۔ ابھی تم نے اپنے شکار کی اسی کمزوری سے فائدہ اٹھایا ہے۔"

"تمہارا جواب واضح نہیں ہے۔ اگر تمہاری اور اطالوی کی رفاقت کا سبب وہی تھا جو میری سمجھ میں آرہا ہے تو مجھے صدمہ ہے۔"

ویرا نے یوں قہقہہ لگایا جیسے وہ غزالہ کے تبصرے سے محظوظ ہوئی ہو پھر بولی "میں اپنی کسی کمزوری کو چھپانے کی کوشش نہیں کرتی۔ میرا ماضی کسی کھلی ہوئی کتاب کی طرح تمہارے سامنے ہے۔ اس کے باوجود میں ایسی گئی گزری نہیں ہوں کہ خود کو دوسروں کے لیے کھلونا بنا دوں۔ وہ مرد تھا اور میری خوشامدوں میں لگا رہا مگر میرے لیے اس کی حیثیت ایک آلہ کار سے زیادہ نہیں تھی۔ آج وہ اپنے سینے پر سنگین محرومی کا داغ لے کر رخصت ہوا تھا۔"

"بس' بس۔" غزالہ نے ٹیکسی میں پھیلے ہوئے اندھیرے میں گرمجوشی سے ویرا کا ہاتھ دبایا "میں تمہاری زبان سے یہی سننا چاہتی تھی۔ میرے ذہن پر مسلسل ایک خلش سوار تھی۔"

"یہ صرف تمہاری خلش تھی یا تمہارے شوہر کو بھی اس بارے میں کوئی تشویش لاحق تھی؟" ویرا کی آواز میں اشتیاق اور تجسس امڈ آیا۔

"اس بارے میں ان سے میری کوئی بات نہیں ہوئی۔" غزالہ نے ایمان داری سے جواب دیا۔

"مجھے معلوم ہے کہ اطالوی کے بارے میں اسے تم سے زیادہ خلش ہوگی۔ وہ اندر ہی اندر سلگ رہا ہوگا' جل بھن رہا ہوگا مگر اس نے مجھ سے اس بارے میں کبھی کھل کر بات نہیں کی۔ وہ بہت سفاک اور سنگ دل آدمی ہے۔ بے رحمی سے اپنے اور دوسروں کے جذبات کو کچل کر مطمئن نظر آنے کی اداکاری کرتا ہے۔ سچ پوچھو تو میں نے اسی کو سلگانے کے لیے اس اطالوی کو الجھایا تھا۔ میں اسے جتانا چاہتی تھی کہ میں اس کی کوششوں کے باوجود تنہا نہیں ہوں۔ جب چاہوں اپنے گرد بھونرے جمع کر سکتی ہوں لیکن وہ بے حس بن جاتا ہے۔ حیرت ہے کہ اس نے اس بارے میں تم سے بھی کوئی بات نہیں کی۔"

"تمہاری اور ان کی دوستی بہت پرانی ہے۔" غزالہ نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "میں اس میں دخل انداز نہیں ہوتی لیکن تمہاری ان باتوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ تم اپنی ذات سے زیادہ ان کے بارے میں سوچتی رہتی ہو۔ حد یہ ہے کہ بعض کام صرف انہیں جلانے کے لیے کرتی ہو۔ یہ کوئی اچھی علامت نہیں ہے۔"

"تمہارے الفاظ سے خلوص اور اپنائیت کی مہک آرہی ہے مگر پھر بھی تم اس کی بیوی ہو۔ میں تمہارے ساتھ اس موضوع پر بحث نہیں کر سکتی۔ اس بات کو یہیں چھوڑ دو مگر اسے یہ ضرور بتا دینا کہ میں نے اس کی ہر بات مان لی ہے۔ اطالوی کو رخصت کر دیا ہے اور رات کی آخری ٹرین سے یہ شہر بھی چھوڑ دوں گی۔"

"تمہارے دونوں فیصلے بہت مناسب ہیں۔ ہمارے لیے یہ ملک اور شراب ناخوش ہو چلا ہے۔"

"تم لوگوں کا اگلا منصوبہ کیا ہے؟" ویرا نے اپنا پچھلا سوال نئے زاویے سے دہرایا۔

غزالہ پھر انجان بن گئی "ہوٹل پہنچنے کے بعد پتا چلے گا کہ وہ کیا سوچ رہے ہیں۔ آج دو بجے ہونے والی ملاقات کے بعد اتنا وقت ہی نہیں ملا کہ ہم دونوں آپس میں کوئی تبادلہ خیال کرتے۔ وہ مصروف تھے اور پھر میں ادھر نکل آئی۔"

"اوہ! شاید ہم انڈیا گیٹ کے علاقے میں پہنچنے والے ہیں۔" ویرا نے ونڈ شیلڈ کے پار نظر آنے والی روشنیوں سے چونک کر کہا "تم یہیں مجھ سے الگ ہو جانا۔ زندگی رہی تو پھر اگلے کسی پڑاؤ پر ہماری ملاقات ہوگی۔"

ویرا کے ایما پر ڈرائیور نے ٹیکسی ایک مناسب مقام پر روک دی۔ غزالہ نے اپنا وینٹی بیگ اٹھایا اور اسے الوداع کہہ کر ٹیکسی سے اتر گئی۔

کناٹ پلیس تفریح سے زیادہ سیاحوں کی خریداری کا مرکز تھا۔ شاید انڈیا گیٹ شہر کا سب سے بڑا تفریحی مرکز تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

غزالہ نے پہلی مرتبہ وہ علاقہ دیکھا تھا۔ کوئی اور موقع ہوتا تو وہ ضرور اس مقام پر رکتی لیکن جان اسمتھ کے قتل کے بعد وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ اسے احساس تھا کہ میں نے اپنی ساری کشتیاں جلا کر بھارت کی سرزمین پر اپنی بھرپور کارروائیوں کا آغاز کردیا تھا۔ اس مرتبہ وقت کا معمولی سا زیاں بھی ہماری سلامتی کو خطرے میں ڈال سکتا تھا۔

غزالہ نے انڈیا گیٹ سے دوسری ٹیکسی لی اور ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل کی طرف روانہ ہوگئی۔

وہ ہوٹل کے کمرے میں داخل ہوئی تو کامیابی کا جوش و جذبہ اس کے چہرے سے چھلکا پڑ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر میری جان میں جان آئی ورنہ وہ جتنی دیر باہر رہی تھی' میرا ایک ایک لمحہ انتظار کے غیر یقینی کرب اور بے چینی میں گزرا تھا۔

مجھے اس سے فوری طور پر کوئی سوال کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے اس کی آنکھوں میں کامرانی کی تحریر پڑھ لی تھی۔ میں نے والہانہ انداز میں اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

دہلی میں جان اسمتھ کی موت ہماری بہت بڑی کامیابی تھی۔ آئی بی کے ڈپٹی ڈائریکٹر جلال کو اس کی طرف سے تشویش تھی۔ اس کے نزدیک جان اسمتھ ایک ایسا خوفناک مگرمچھ تھا جس سے چھیڑ چھاڑ کرنے کی صورت میں ایک زبردست بھونچال پیدا ہوسکتا تھا۔ جلال کے وہ سارے تحفظات پاکستان کی سرحدوں تک محدود تھے۔ ہم نے جان کے خلاف جو کچھ کیا تھا' پاکستان سے باہر کیا تھا۔ اس کا کام ایسی رازداری کے ساتھ تمام کیا گیا تھا کہ بھارتی اور امریکی حکام اپنی سرتوڑ کوششوں کے باوجود پاکستان کو اس واردات میں ملوث نہیں کرسکتے تھے۔

ہم دونوں کچھ دیر تک اسی موضوع پر باتیں کرتے رہے پھر غزالہ نے گھبرائے ہوئے انداز میں اپنے اندیشوں کا ذکر چھیڑ دیا۔

اس کا بنیادی خوف یہ تھا کہ راء والوں سے براہ راست سامنا ہونے کے باوجود ہمارے کام غیر معمولی آسانی کے ساتھ ہوتے چلے جارہے تھے۔ نریش شرما نے پاکستان کے بارے میں را کی فائلیں میرے سامنے رکھ دی تھیں اور میں فون کے ساتھ اپریٹس کے بے دریغ استعمال کے باوجود کسی گرفت میں نہیں آیا تھا۔

غزالہ صرف ایک سمت میں سوچ رہی تھی جو منفی تھی۔ پورے حالات و واقعات پر اس نے گہری نظر ڈالنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

ہمارا کام سہل ہونے کا پہلا سبب یہ تھا کہ رینا رائے سے انل بسواس تک' کسی کو یہ شبہ نہیں ہوسکا تھا کہ میں ڈبل تھا۔ وہ اپنے ذرائع سے تصدیق کرچکے تھے کہ میں مظہر خان تھا اور کراچی کے پتے پر موجود تھا۔ ان کے نزدیک مظہر خان سیاست سے بے خبر' کاروبار اور تفریح میں مگن رہنے والا ایک رنگین مزاج پاکستانی تھا جسے رینا اجیت رائے نے آسانی سے اپنے دام میں پھانس لیا تھا۔

نریش شرما نے بھی مجھے زیادہ اہمیت نہیں دی۔ را کی پاکستان والی فائلوں پر جو کچھ لکھا ہوا تھا' خفیہ اور مخفف حروف میں لکھا ہوا تھا۔ ایک عام پاکستانی تو کیا کوئی بھارتی شہری بھی ان بند فائلوں پر نظر ڈال کر کچھ نہیں سمجھ سکتا تھا۔ نریش شرما نے اسی یقین کی بنا پر میرے سامنے ان فائلوں کو اوپر نیچے کیا اور مطلوب کاغذات بلکہ اخباری تراشے دکھانے کے بعد فائلیں دوبارہ محفوظ تجوری میں مقفل کردیں۔

یہ میری خفیہ معلومات اور باخبری کا نتیجہ تھا کہ میں نے ایک ہی نظر میں ان بند فائلوں کا متن بھانپ لیا۔ اس میں نریش شرما کی کسی بے پروائی' غیر ذمے داری یا حماقت کا کوئی دخل نہیں تھا۔

غزالہ کا دوسرا نکتہ میرے آزادانہ مواصلاتی رابطوں کے بارے میں تھا۔ جہاں تک گوپال کے دیے ہوئے اپریٹس کا تعلق تھا' وہ آئی بی کے ایجنٹوں کا محفوظ آلہ تھا جو مخصوص فری کوئنسی پر کام کرتا تھا۔ اس پر ہونے والی بات چیت کو را والے اسی صورت میں پکڑ سکتے تھے جب انہیں کسی نیٹ ورک کے فعال ہونے کا شبہ ہوتا اور وہ چوبیس گھنٹے ہر فری کوئنسی کی دیکھ بھال کرتے رہتے۔ وہ بہت دشوار کام تھا۔ کہیں سے کوئی سراغ حاصل کیے بغیر کوئی بھارتی ایجنسی محض اتفاقاً ہی ہماری بات چیت پکڑ سکتی تھی۔ کوئی تیسرا امکان خارج از قیاس تھا۔

فون کے بارے میں غزالہ کے شبہات سی ایس ڈی کی وجہ سے بے بنیاد تھے۔ میں نے کئی بار اسے سمجھایا تھا اور اس وقت پھر بتایا کہ سی ایس ڈی ایک ایسا آلہ تھا جس کی موجودگی میں صرف دو لائنیں ایک دوسرے کے رابطے میں رہ سکتی تھیں۔ تیسری لائن بعد میں شامل ہوتی تو لائن از خود ڈراپ ہوجاتی۔ رابطہ ہونے سے پہلے کوئی درمیان میں موجود ہوتا تو مطلوبہ رابطہ سرے سے قائم نہیں ہوسکتا تھا۔ تیسری لائن کا پہلا ہندسہ ملاتے ہی سی ایس ڈی خود کار طریقے سے وہ رابطہ کاٹ دیتی۔ حد یہ تھی کہ سی ایس ڈی والے فون سے ہونے والی گفتگو کا ریکارڈ کیا جانا بھی ممکن نہیں تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

بدری ناتھ نے مجھے بتا دیا تھا کہ راوالوں نے اپنے استعمال کے لیے جاپان کی ریڈ آرمی سے کچھ سی ایس ڈی خریدی تھیں جو را کے بعض اہم ترین عہدے داروں کے استعمال میں تھیں۔ وہ را کا بہت خفیہ ہتھیار تھا۔ وہ اس کی اہمیت اور کارکردگی سے بخوبی واقف تھے لیکن ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل میں مقیم مظہر خان نامی پاکستانی بھی چوری چھپے سی ایس ڈی سے استفادہ کررہا تھا۔

مجھے غزالہ کو مطمئن کرنے کے لیے خاصی مغز زنی کرنا پڑی مگر آخر کار ہربات اس کی سمجھ میں آگئی اور وہ مسکراتے ہوئے بولی "گایے گا ہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را والی بات شاید ایسے مواقع کے لیے کہی جاتی ہے۔ ذہنی دباؤ کی وجہ سے میرے ذہن میں سب کچھ گڈ مڈ ہو کر رہ گیا تھا۔ اب اندازہ ہورہا ہے کہ آج کل ہمارے ستارے ہمارا ساتھ دے رہے ہیں۔ جان اسمتھ کے مرنے تک مجھے اپنی کامیابی کا یقین نہیں تھا۔ ہر آن یہ دھڑکا لگا ہوا کہ اچانک مسلح افراد کا کوئی جتھا نمودار ہوگا اور ہتھیاروں کی زد پر مجھے پکڑ کر اپنے ساتھ لے جائے گا۔"

"جان کو کامیابی سے مار لینے کے بعد تمہارے یہ اندیشے ختم ہوجانے چاہیے تھے۔"

"جب تمہیں لیکن آپ سے بات کرلینے کے بعد اب میں بہت مطمئن ہوں۔ آپ کے سامنے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرلینے کے بعد تحفظ اور عافیت کا ایک نیا احساس پیدا ہوجاتا ہے۔ آپ یقین کریں کہ ان ذرا ذرا سی باتوں نے سفر کی تنہائی میں مجھے دہلایا ہوا تھا۔"

"اب یہ بتاؤ کہ ویرا کی بکواس کا کیا جواب دیا جائے۔" میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔" اس نے جلدی سے کہا "میں نے آپ کو ہربات من وعن بتادی ہے۔ وہ آپ کی طرف سے خطرناک خود فریبی میں مبتلا ہے۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں۔ اس میں آپ کا کیا بگڑتا ہے۔"

میں بے اختیار ہنس پڑا "وہ رابرٹو کو جگہ دے یا کسی البرٹ سے دوستی کرے، مجھے اس کے بارے میں سوچنے اور اپنا خون سلگانے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ اپنے مفروضوں پر خود ہی سوچتی اور کڑھتی رہتی ہے۔ میں اس پر ترس کھانے کے سوا کچھ نہیں کرسکتا۔"

"بس یہی کرتے رہیں۔ یہ نہ بھولیں کہ وہ ہم لوگوں کی ہمدردی اور محبت کی حق دار ہے۔"

"ہمدردی کی بات ٹھیک ہے لیکن میری محبت پر اس کا کوئی حق نہیں ہے۔" میں نے شوخی سے کہا۔

"اب صرف ایک بات رہ گئی ہے۔ سلطان شاہ کے بارے میں کچھ پتا نہیں چلا کہ وہ کہاں ہے....." اس نے چالاکی سے موضوع تبدیل کردیا۔

میں نے اس کی بات درمیان سے اڑا دی "میں اس کی طرف سے غافل نہیں ہوں لیکن اتنا کچھ ہوجانے کے بعد یہاں سے کراچی فون کرنے کا خطرہ مول نہیں لوں گا۔ اب تم سامان سمیٹو۔ ہمیں جلد از جلد ہوٹل چھوڑنا ہے۔"

ہمارے پاس زیادہ اسباب نہیں تھا۔ غزالہ نے فوراً ہی کپڑے وغیرہ سمیٹنے شروع کردیے۔

ہوٹل کا کمرا چھوڑنے سے پہلے میں نے اپریٹس پر جی تھری سے رابطہ کیا۔ وہ ہوٹل کے قریب اپنی گاڑی کے ساتھ موجود تھا۔ گوپال نے اسے مسلسل ہماری دیکھ بھال اور حفاظت پر مامور کیا ہوا تھا۔

"میدان بالکل صاف ہے۔ شام کو تمہاری واپسی کے بعد سے اب تک کوئی مشتبہ آدمی ادھر نہیں آیا۔" سنیل نے مجھے بتایا۔

"تم تیار رہو۔ ہم تھوڑی دیر میں باہر آرہے ہیں۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔

"چلے آؤ۔ میں تیار ہوں۔ ہر ایک کی نگاہیں اب تمہاری طرف لگی ہوئی ہیں۔"

"اوکے۔ اوور اینڈ آل۔" میں نے رابطہ منقطع کردیا۔

اس بار ہم ہوٹل کا کمرا ہمیشہ کے لیے چھوڑ رہے تھے۔ میں نے فون کی لائن سے سی ایس ڈی الگ کرکے تاروں کو اس صفائی سے جوڑ دیا کہ بادی النظر میں ان پر کوئی شبہ نہ کیا جاسکے۔ غزالہ سامان سمیٹ چکی تھی اور میرے اشارے کی منتظر تھی۔

میں نے کمرے پر الوداعی نظریں ڈالیں پھر ہم دونوں وہاں سے نکل گئے۔

میں نے کاؤنٹر پر براہِ راست چابی دے کر اپنا حساب طلب کیا تو کلرک کو ہماری اچانک روانگی پر قدرے حیرت ہوئی۔ میں نے دانستہ اسے بتادیا کہ ہم نے آج رات ہی آگرہ جانے کا پروگرام بنالیا تھا تاکہ تاج محل دیکھ سکیں۔

میرے پاس نریش شرما کے دفتر اور گھر کے فون نمبر موجود تھے لیکن میں اس مرحلے پر را کے کسی اہل کار سے رابطہ کرنے کے حق میں نہیں تھا۔ نریش کو مجھ سے جو کچھ کہنا تھا، وہ کہہ چکا تھا۔ اس پر عمل کرنا یا نہ کرنا میری ذمے داری تھی۔ میں نے روا روی میں ہوٹل کے کلرک کے کان میں یہ

Downloaded from https://paksociety.com

بات ڈال دی تھی کہ میں تاج محل دیکھنے کے لیے آگرہ جارہا تھا۔ میرے اچانک غائب ہونے پر راوالے جستجو کرتے تو وہ بات ان کے علم میں بھی آجاتی۔ نریش شرما یہی سمجھتا کہ میں نے اس کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے غزالہ کو اسی رات آگرہ لے جانے کا ارادہ کرلیا ہے۔

وہ میرے نازک مفروضے تھے۔ اگر بات جان اسمتھ کے قتل تک محدود رہتی تو شاید وہ مفروضے کارآمد رہتے کیونکہ میں نے نریش شرما سے اگلی شام تک کا وقت لیا ہوا تھا۔ وہ اس انتظار میں رہتا کہ میں آگرہ سے واپس دہلی پہنچنے کے بعد اس سے بات کروں گا۔ بظاہر ایسا ہونا مشکل نظر آرہا تھا کیونکہ آنے والی رات کے لیے میں نے کچھ اور سوچا ہوا تھا۔

سب کچھ میرے ارادوں کے مطابق ہوتا چلا جاتا تو دہلی کے انتظامی حلقوں کے لیے اگلی صبح بہت بھیانک ثابت ہونے والی تھی۔ تمام خفیہ ادارے بیک وقت حرکت میں آجاتے۔ ہر مشتبہ شخص کو بے رحمی سے پکڑلیا جاتا۔ ان حالات میں میرا نام مشتبہ افراد کی فہرست میں آنے کا قوی امکان تھا۔ میں راوالوں کے لیے ذرا بھی مشتبہ قرار پاتا تو میرا ہر مفروضہ ریت کی دیوار کی طرح برباد ہوجاتا۔

○☆○

سنیل ہم دونوں کو اپنے ساتھ لے کر سرلا کے گیسٹ ہاؤس میں پہنچا تو وہاں گوپال اور رولی رام پہلے سے موجود تھے۔ وہ دونوں مجھے اپنے اس کمرے میں لے گئے جو ان کا عارضی ٹھکانا بنا ہوا تھا۔ سنیل، غزالہ کو لے کر اندر چلا گیا۔

ہمارے درمیان رسمی باتیں ہورہی تھیں کہ سنیل بھی ہمارے ساتھ آملا۔ اس نے بتایا کہ سرلا، غزالہ کو ساتھ لے کر کسی اور محفوظ ٹھکانے کی طرف جارہی تھی جہاں سے وہ صبح چار بجے واپس لوٹ آتی کیونکہ چھ بجے ہمیں دہلی سے امرتسر روانہ ہونے والی پرواز پکڑنی تھی۔

"یہ بہت اچھا ہوا۔" گوپال نے سنیل کی رپورٹ سن کر کہا۔ "آج کی رات بھابی کا یہاں رہنا مناسب نہیں تھا۔ کوئی گڑبڑ ہوگئی تو یہ گھر سب سے پہلے عتاب کا نشانہ بنے گا۔"

گوپال بہت نیچی آواز میں بول رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس کمرے میں صرف ایک بلب کی ناکافی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ بقیہ دو بلب بند تھے۔ دونوں کھڑکیوں کے پردے کھینچ کر اس روشنی کو بھی چھپانے کی کوشش کی گئی تھی۔

غزالہ کی سرلا کے ساتھ روانگی کی خبر سن کر مجھے خالی پن کا احساس ہوا لیکن میں نے ایک لفظ نہیں کہا۔ انٹیلی جنس بیورو کے وہ تینوں محنتی کارندے میرے ہمدرد اور بہی خواہ تھے۔ مجھے آنکھیں بند کرکے ان کے ہر فیصلے پر اعتماد کا اظہار کرنا تھا۔

"اس آپریشن میں صرف ہم چاروں شریک ہوں گے۔" میں نے باری باری ان کی طرف دیکھتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا "اپریٹس پر چاروں کے کوڈ جوں کے توں رہیں گے۔ جی تھری اور جی فور کسی ایس او ایس سگنل کے بغیر اندر نہیں آئیں گے۔"

"میں تمہاری ہدایات کے مطابق ان کی بریفنگ کرچکا ہوں۔" گوپال نے کہا "ہتھیار، آتش گیر سیال، دستی بم اور دھوئیں کے بم دو جگہ بانٹ دیے گئے ہیں۔ چاہو تو ان کا جائزہ لے سکتے ہو۔"

"تم تینوں ذمے دار افراد ہو۔ مجھے تم پر پورا اعتماد ہے۔ میں ایک بار پھر بتادوں کہ ہماری پوری کوشش ہوگی کہ ہمارا کوبرا مشن نہایت خاموشی اور رازداری کے ساتھ پایہ تکمیل کو پہنچے۔ انتہائی ناگزیر حالات میں کسی آتشیں یا بارودی ہتھیار کے استعمال کی باری آئے گی۔"

وہ تینوں تفہیمی انداز میں اپنے سر ہلا کر رہ گئے۔

"راوالے صرف آج کی رات غافل ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ رات کے آخری لمحات میں ان کی صفوں میں ابتری پیدا ہوجائے کیونکہ جان اسمتھ نامی ایک امریکی سفارت کار کی لاش ہوٹل سمراٹ کے کمرا نمبر تین سو دس میں مقفل ہے۔ اس کی لاش دریافت ہونے کے بعد پوری سرکاری مشینری حرکت میں آجائے گی۔ یہ دھول بیٹھنے تک تم لوگوں کو بہت محتاط رہنا ہوگا۔"

میرے انکشاف پر وہ تینوں متحیر نظر آئے تھے۔ میری بات مکمل ہونے پر گوپال نے پوچھا "وہ کراچی سے یہاں آیا ہوا تھا۔ وہ کب اور کیسے مارا گیا؟"

"تھوڑی دیر پہلے کا واقعہ ہے۔ رضائے الٰہی میں کسی کا دخل نہیں ہے۔ اس کی موت کا صحیح سبب پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بتائے گی۔"

"تم انل کے پاس سے لوٹنے کے بعد سے ہوٹل میں تھے۔" سنیل کے ہونٹوں سے تحیر زدہ سرگوشی برآمد ہوئی "بھابی کو ہوٹل سے نکل کر ٹیکسی میں کہیں جاتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔ کیا یہ ناقابل یقین کام انہوں نے سرانجام دیا ہے۔"

"بھول جاؤ کہ غزالہ کہیں گئی تھی۔" میں نے سختی سے کہا۔ "اب جان اس دنیا میں نہیں ہے۔"

"وہ ایک ہوّا تھا۔ ہمیں اس کی گرد تک سے دور رہنے

Downloaded from https://paksociety.com

کا حکم دیا گیا تھا۔" ولی رام نے زبان کھولی۔

"اس کے اسباب کچھ اور تھے۔ وہ اب بھی برقرار ہیں۔ اس معاملے سے کسی پاکستانی کا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"وہ مارا گیا' رات کو را کے دفتر میں واردات ہوگی۔ چند گھنٹوں میں رونما ہونے والے ان واقعات کے بعد اپنی اچانک روپوشی کے لیے تم نے کیا جواز سوچا ہوا ہے۔" گوپال نے میری طرف دیکھتے ہوئے پُرتشویش لہجے میں سوال کیا۔

"واقعات نے اچانک پلٹا کھایا ہے۔ ہم نے آج کی رات انتظار میں ضائع کردی تو پتا نہیں کل را کی فائلیں کہاں ہوں گی۔ میں نے نریش سے کل شام تک کا وقت لیا ہوا ہے۔ بس یہ امید ہے کہ افراتفری میں وہ اتنی جلدی میری طرف متوجہ نہیں ہوگا۔ ہم صبح سویرے امرتسر کی طرف پرواز کرنے میں کامیاب ہوگئے تو شام ہونے سے پہلے لاہور پہنچ جائیں گے۔ اس کے بعد جو ہونا ہے' وہ ہوتا رہے۔ میں ان کے ہاتھ نہیں آسکوں گا۔"

"یہ بات کھل جائے گی کہ تم مظہر خان نہیں' ڈینی تھے۔" گوپال کی آواز مزید دھیمی ہوگئی "وہ کفِ افسوس ملتے رہ جائیں گے کہ تم ان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر یہاں سے نکل گئے۔"

"یہ تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔ ان کی توجہ میری ذات پر مرکوز ہوگی تو وہ یہاں کام کرنے والوں پر دھیان نہیں دیں گے۔ انل کہہ رہا تھا کہ بھارت سے مقبوضہ کشمیر تک سات پاکستانی ایجنسیاں کام کرتی ہیں۔"

"شاید وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔" گوپال نے محتاط انداز میں جواب دیا "میں صرف اپنے آدمیوں سے واقف ہوں۔"

"مگر میں ان سے بھی ناواقف ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ دہلی میں ہماری آخری ملاقات ہو۔ مجھے ان کے ناموں کا علم ہونا چاہیے۔"

"سنیل کا نام پرویز احمد ہے۔ ولی رام کو عبداللہ کا نام استعمال کیے ایک مدت بیت چکی ہے۔ میں اپنا نام پہلے ہی بتا چکا ہوں۔" اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مگر گمبھیر مسکراہٹ تیر گئی۔

وہ کمرا مختصر ضرور تھا مگر ان کی ضروریات کی حد تک کافی تھا۔ عبداللہ نے چائے بنانے کے لیے برقی کیتلی آن کردی۔

ہمارے درمیان باتیں ہوتی رہیں۔ گیارہ بجے تک چائے کے دو دور چلے۔ اس درمیان میں یہ تجویز بھی زیرِ غور آئی کہ جو کچھ طے ہوا تھا' میرے اور نریش شرما کے درمیان طے ہوا تھا۔ اگر اسے بھی راستے سے ہٹا دیا جائے تو بہت سی

اظہارِ محبت

مغربی ملکوں میں اب اظہارِ محبت یوں بھی ہوتا ہے۔

"ڈارلنگ! یہ تم کن جھنجھٹوں میں پھنسی ہوئی ہو۔ میرا دل چاہتا ہے تمہیں یہاں سے کہیں دور.... بہت دور لے جاؤں۔ ہمارا ایک چھوٹا سا گھر ہو جس کے آنگن میں خوشیوں کے پھول کھلیں.... ننھے منے معصوم بچوں کی ہنسی کی چہکار سے درودیوار جھوم اٹھیں.... اور.... اور...."

"ہاں.... ہاں.... کہو نا.... خاموش کیوں ہوگئے...."

"اور پھر اگر حالات اجازت دیں تو ہم شادی بھی کرلیں۔"

باتیں پردے میں رہ سکتی تھیں۔ اسی کے ساتھ یہ امکان بھی تھا کہ را والوں کے میری طرف متوجہ ہونے میں زیادہ وقت لگ جائے۔

میں نے سنجیدگی سے غور کرنے کے بعد اس تجویز کو مسترد کردیا۔ ایک وقت میں کئی اقدامات سے معاملات بہت زیادہ الجھ جاتے۔ یہ بھی سوچا جاتا کہ وہ دو یا تین افراد کا کام نہیں تھا۔ کسی بڑی جماعت نے منظم پیمانے پر ایک ہی وقت میں یا آگے پیچھے ہر طرف ہاتھ پیر چلائے ہیں۔ دہلی میں سرگرمی سے ان لوگوں کی تلاش شروع ہوجاتی۔ جو میرا ساتھ دے رہے تھے۔

پھر آئی بی والے اصولی طور پر غیر ضروری الجھاووں سے دور رہنے کے عادی تھے۔ وہ نریش شرما کے قتل میں براہِ راست ملوث ہونے پر شاید ہی آمادہ ہوتے۔ میری حیثیت ان کے رسمی سربراہ سے زیادہ نہیں تھی جس کا بس بھرم ہی بھرم تھا۔ اختیارات نہ ہونے کے برابر تھے۔ ایک مستقل اور باضابطہ ادارے کے پکے ملازمین باہر سے آئے ہوئے کسی مطلق العنان سربراہ کی بالادستی قبول نہیں کرسکتے تھے جو اپنے اقدامات کے لیے اپنے ضمیر کے سوا کسی کے سامنے جواب دہ نہیں تھا۔ ان کے یہاں جواب دہی اور سرزنش کے ضابطے سختی سے نافذ العمل تھے۔

Downloaded from https://paksociety.com

ان لوگوں کو گرین کو برا فائل کی تلاش تھی۔ اس کے حصول کے لیے وہ ہر قیمت ادا کرنے پر تیار تھے اس لیے یہ ممکن ہو سکا تھا کہ رات کی کارروائی میں وہ تینوں بھی میرے ساتھ بھرپور انداز میں شریک ہوں۔

بات گھوم پھر کر وہیں آ گئی جہاں تھی۔ پہلے سے جو طے ہو چکا تھا' اس رات کے لیے وہی کافی تھا۔

ان تینوں سے ہونے والی باتوں کے نتیجے میں ایک نیا امکان ابھر کر سامنے آیا تھا۔ فوری طور پر کسی کے لیے بھی یہ ممکن نہ ہوتا کہ جان اسمتھ کے قتل کے سلسلے میں پاکستان پر الزام تراشی کرے لیکن یہ خطرہ بہرحال برقرار تھا کہ دہلی سے میرے اچانک غائب ہو جانے کے بعد بڑے پیمانے پر چھان بین شروع ہوتی جس کے نتیجے میں راوالوں کو یہ سراغ مل جاتا کہ میں مظہر خان کے نام سے ان کے سینوں پر مونگ دل کر پاکستان واپس لوٹ چکا تھا۔

کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ یہ انکشاف راوالوں کے زخموں پر کیسی نمک پاشی کرتا۔ وہ مشتعل ہو کر میرے خلاف ایک نئی اور بھرپور پروپیگنڈا مہم شروع کر سکتے تھے جس کی آڑ میں پاکستان کو دل کھول کر بدنام کیا جاتا۔ ایسی حرکت کی صورت میں راوالوں کی ذلت اور رسوائی یقینی تھی۔ ہر طرف سے یہ سوال اٹھایا جاتا کہ وہ اپنے گھر میں ایک بدترین دشمن کی پراسرار آمد اور روانگی سے بے خبر کیوں رہے۔

مجھے اور پاکستان کو بدنام کرنے کی کوششوں میں ان کے چہروں پر کالک پھر جاتی۔ غالب امکان یہ نظر آ رہا تھا کہ وہ میری پس پردہ کارروائیوں سے واقف ہونے کے بعد اپنی معلومات کو پھیلانے کے بجائے سختی سے دبائے رکھیں گے اور جان اسمتھ کے قتل کے بارے میں میرا نام نہیں اچھالا جائے گا۔

ان کے بزدل کارندے شاید خوف زدہ ہو کر پاکستان میں بھی سست پڑ جاتے۔ وقت کا تقاضا یہ تھا کہ ان کے خلاف محدود اور بدترین کارروائی پر اکتفا کیا جائے۔ آگ کو زیادہ پھیلانے کی کوشش میں ہمارا دامن بھی آتش زدگی کا شکار ہو سکتا تھا۔

گیارہ بجے پرویز اور عبداللہ نے نہایت خاموشی سے وہ کمرا چھوڑ دیا۔ وہ دونوں کھلے ہوئے منہ والے دو وزنی تھیلے بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے جن میں ضروری ہتھیار اور دستی گولے وغیرہ موجود تھے۔

میرے پاس بیم گن کی صورت میں اکلوتا اور اہم ترین ہتھیار موجود تھا جو راہ میں حائل ہونے والی ہر رکاوٹ کو دور کرنے کے لیے کافی تھا۔

ٹھیک سوا گیارہ بجے عابد بھی اٹھ گیا۔ کمرے کی روشنی گل کر کے ہم دونوں باہر نکل آئے۔ عابد نے خاموشی سے دروازہ مقفل کر دیا۔ ہرلا کے گیسٹ ہاؤس پر اس وقت رات کی خواب ناک خاموشی راج کر رہی تھی۔ دفاتر وغیرہ میں دن بھر محنت کرنے والے مکین اگلی صبح کی ذمے داریاں پوری کرنے کے لیے گہری نیند سو چکے تھے۔ عابد احاطے کا پھاٹک کھول کر میرے ساتھ باہر آ گیا۔

عابد سر جھکا کر تیز تاریک سڑک پر ہو لیا۔ میں چند قدم کے فاصلے سے اس کی تقلید کر رہا تھا۔ یہ عجیب بات تھی کہ میں ان کا رسمی سربراہ تھا لیکن شہر سے ناواقف ہونے کی بنا پر قدم قدم پر ان کی رہنمائی کا محتاج تھا۔

چند منٹ تک چلنے کے بعد ہم مکانوں کی قطار پیچھے چھوڑ کر ایک میدان میں نکل آئے جہاں گہری تاریکی میں دو گاڑیوں کے ہیولے نظر آ رہے تھے۔

پرویز اور عبداللہ ان گاڑیوں کے قریب موجود تھے۔ ہتھیاروں کا ایک ایک تھیلا دونوں گاڑیوں میں رکھ دیا گیا تھا۔

عابد نے پرویز سے چابی لی اور اگلی سیاہ گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ مجھے اس کے ساتھ سفر کرنا تھا۔ پرویز اور عبداللہ کو دوسری گاڑی میں ہمارے پیچھے آنا تھا۔ ان کو ہماری دوسری دفاعی لائن کے طور پر کردار ادا کرنا تھا۔

دونوں گاڑیوں کے انجن بیدار ہوئے اور وہ اسی ترتیب سے حرکت میں آ گئیں۔ عابد نے ہیڈ لیمپس روشن کیے بغیر بہت سست رفتار سے میدان کا مختصر حصہ عبور کیا اور سڑک پر آنے کے بعد ہیڈ لیمپس روشن کر دیے۔ میں نے مڑ کر دیکھا کہ دوسری گاڑی ہم سے خاصی دور ہو چکی تھی۔

میں نے دہلی کی شہری زندگی کی رعنائیاں کناٹ پیلس میں دیکھی تھیں اور مجھے اندازہ تھا کہ وہ وقت زیادہ نہیں تھا۔ رات کے ایک ڈیڑھ بجے تک شہر میں خاصی سرگرمیاں برقرار رہتی تھیں۔ یہ گوپال کا مشورہ تھا کہ ہمیں شہر میں سناٹا پھیلنے سے پہلے ہی اپنے کام سے فارغ ہو کر لوٹ آنا چاہیے۔ وقت کا وہ انتخاب خطرات سے محفوظ رہنے کے لیے بہت اہم تھا۔ زیادہ رات گئے شہر میں پولیس کی مسلح جماعتوں کا گشت شروع ہو جاتا تھا جو ہمارے لیے خطرناک تھا۔

اس رات ہماری منزل تیز تھ رام شاہ اسپتال کے عقب میں واقع تھی۔ عابد علی عرف گوپال درمیانی رفتار سے شہر کے خوابیدہ علاقوں سے گزر رہا تھا جہاں سڑکوں پر ٹریفک کا دباؤ نہ

Downloaded from https://paksociety.com

ہونے کے برابر رہ گیا تھا۔

"تمہیں یقین ہے کہ وہاں مامور سپاہی ہمارا راستہ نہیں روکیں گے۔" عابد نے سوچ میں ڈوبی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"وہ دن میں اپنی کرسیوں سے ہلنے جلنے میں کسل مندی سے کام لیتے ہیں۔ اس وقت بے خبر سوئے ہوئے ہوں گے۔ تم ان کی طرف سے بے فکر رہو۔ وہ بیدار ہوئے تب بھی میں انہیں خاموش رکھنے کا بندوبست کرلوں گا۔ مجھے اصل خطرہ چھت پر رہنے والے چوکیدار کی طرف سے ہے۔ پتا نہیں وہ چھت پر ٹہلتا رہتا ہے یا گدھے گھوڑے بیچ کر بے خبری کی نیند سوجاتا ہے۔"

ہمارے کام کی بنیاد اسی وقت رکھ دی گئی تھی جب ہم نے امرتسر کے ایک شخص کے ساتھ رات کے اندھیرے میں سرحد عبور کرکے بھارتی سرزمین پر قدم رکھا تھا۔ اس لمحے کے بعد اس سمت میں مسلسل کام ہوتا رہا۔ شطرنج پر بچھائے ہوئے مہرے نپے تلے انداز میں اپنی جگہیں بدلتے رہے۔ بازی رفتہ رفتہ ایک مخصوص صورت اختیار کرنے لگی۔ اس روز انیل بسواس اور نریش سے میری ملاقات کے بعد بات بالکل تل گئی تھی۔ ہمیں اپنے ہدف کے لیے بڑھ کر دشمن پر وار کرنا تھا یا پھر کامیابی سے ہمیشہ کے لیے دور ہوجانا تھا۔

عابد علی نے تیرتھ رام شاہ اسپتال کے قرب وجوار کا پہلے سے جائزہ لیا ہوا تھا۔ دہلی کے سنسان راستوں سے ہوتا ہوا وہ آخری آبادیوں سے گزرا اور پھر اس علاقے میں داخل ہوگیا جہاں مختلف عمارات میں سرکاری دفاتر وغیرہ قائم تھے۔

وہ علاقہ اس وقت دور تک سنسان پڑا ہوا تھا۔ دہلی کے بہت سے حصوں میں زندگی کی رعنائیاں اپنے شباب پر تھیں مگر دفتری عملے کی روانگی کے بعد سے معدوم ہونے والی سرگرمیاں اس علاقے میں بالکل دم توڑ چکی تھیں۔ جگہ جگہ آوارہ کتوں کی ٹولیاں رات کے بقیہ حصے کے لیے بلند آہنگ مذاکرات میں مصروف تھیں۔ مجھے وہ ماحول اپنے مشن کے لیے بہت سازگار نظر آرہا تھا۔

"میں نے شام کو ادھر کا چکر لگا کر جائزہ لے لیا تھا۔" عابد علی نے مجھے آگاہ کیا "اگلے درخت کے نیچے میں گاڑی چھوڑ دوں گا۔"

اس وقت ہم جس مقام پر تھے وہاں سے راکے دفتر والی' اندھیرے میں ڈوبی ہوئی عمارت صاف نظر آرہی تھی۔ صرف اس کا برآمدہ روشن تھا۔ برآمدے اور ٹہلتے ہوئے اسٹریٹ لیمپس کی روشنی میں بظاہر وہاں کوئی متنفس نظر نہیں آرہا تھا۔ کار سے عمارت تک کا فاصلہ ہمیں الگ الگ رہ کر پیدل

تاخیر

دو جوڑے اتفاقاً ایک ساتھ ہنی مون منانے ایک ہی ہوٹل میں پہنچے۔ کمرا لینے کے بعد دن بھر وہ گھومتے پھرتے رہے۔ رات کو ہوٹل پہنچ کر وہ اپنے کمروں میں جانے کے لیے لفٹ کے قریب کھڑے تھے کہ لائٹ چلی گئی۔ اندھیرے میں ٹٹولتے ہوئے وہ سیڑھیوں کے راستے اپنے اپنے کمروں میں پہنچے۔ ایک دولہا نے کپڑے بدلے اور سونے سے پہلے طویل دعا مانگی۔ جونہی اس نے دعا ختم کی لائٹ آگئی۔ یہ دیکھ کر اسے جھٹکا لگا کہ اس کے بیڈ پر دوسرے دولہا ارشد کی بیوی بیٹھی تھی۔

وہ گھبرا کر تیزی سے دروازے کی طرف لپکا تو ارشد کی بیوی بولی "کوئی فائدہ نہیں.... ارشد صاحب سونے سے پہلے دعا مانگنے کے عادی نہیں...."

طے کرنا تھا۔

بے اختیار میری نظریں عمارت کی چھت کی طرف اٹھ گئیں۔ وہاں اونچی منڈیر کے پیچھے مجھے کوئی انسانی ہیولا نظر نہیں آیا۔ اگر راداوں کا چوکیدار جاگ رہا تھا تو بھی وہ چھت کا گشت نہیں لگا رہا تھا۔

عابد نے گاڑی تناور درخت کے سائے میں روک دی۔ میں اپنی سمت کا دروازہ مقفل کرکے نیچے اتر آیا اور پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق عمارت کی طرف چل دیا۔ عابد ہتھیاروں والا تھیلا شولڈر اسٹریپ کے ذریعے اپنے کندھے پر لٹکا رہا تھا۔

اس وقت میں پوری طرح چوکنا تھا اور میری نگاہیں اپنی منزل کی طرف مرکوز تھیں۔ ذرا سا راستہ طے کرنے کے بعد مجھے عمارت سے ملحق وہ تیم پختہ کمرا نظر آنے لگا جہاں میں نے دونوں سپاہیوں کو شام میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔

اس کمرے کی مٹیالی دیواروں میں دروازے کا تاریک خلا دور سے صاف نظر آرہا تھا جو کھلا ہوا تھا۔ کمرے میں مکمل اندھیرا تھا۔ دونوں موٹے اور کاہل سپاہی شاید اپنی شکم سیری کے بعد بے خبری کی نیند سوئے ہوئے تھے۔

Downloaded from https://paksociety.com

ہر طرح چاق وچوبند ہونے کے باوجود میری چال تھکی تھکی سی تھی تاکہ دور سے کوئی مجھے دیکھ بھی لے تو یہی سمجھے کہ کوئی تھکا ہارا شخص اپنے کام سے دیر گئے واپس لوٹ رہا تھا۔ اپنی مہم کے اس فیصلہ کن مرحلے پر میں نے ہر احتیاط برتنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا۔ چلتے چلتے میں رک کر مڑا تو عابد تھیلا اپنی پشت پر لادے اسی قابلِ رحم حالت میں پیچھے چلا آرہا تھا۔

سپاہیوں کے کمرے سے کچھ پہلے میں نے رک کر سن گن لی لیکن آس پاس کسی متنفس کے موجود ہونے کے آثار نہیں تھے۔ بس قریبی جھاڑیوں سے کچھ جھینگروں کے بولنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ ان کے سوا زندگی کی ہر علامت مفقود تھی۔ مطمئن ہو کر میں آگے بڑھ گیا۔

دیوار سے لگ کر میں نے بس ایک لمحے کے لیے اندر جھانکا۔ فضا میں دونوں سپاہیوں کے تیز اور ہموار سانسوں کی گونج رچی ہوئی تھی۔ اگلے لمحے میں پنجوں کے بل خاموشی سے اس تاریک کمرے میں داخل ہو گیا۔

کمرے میں اندھیرا تھا لیکن کھڑکی اور دروازے کے راستے پڑنے والے بیرونی انعکاس کے سبب میری بینائی کام کر رہی تھی۔ وہ دونوں بغیر بستر والی کھردری چارپائیوں پر دنیا و مافیہا سے بے خبر گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ وہ تیسرے درجے کے شہری اور چوتھے درجے کے سرکاری ملازم تھے جن کے لیے زندگی میں کسی آسائش کا تصور نہیں تھا۔ وہ ہر معاملے میں کم سے کم پر قناعت کر کے سکون سے زندہ رہنے والے خوش نصیب انسان تھے۔

ان کی دونوں بندوقیں مجھے چوبی کواڑ کے پیچھے کھڑی ہوئی مل گئیں۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ بندوقیں بہت پرانی اور ازکار رفتہ تھیں۔ ضرورت کے وقت شاید ان سے ایک فائر بھی ممکن نہیں تھا پھر بھی وہ بندوقیں تھیں اور کسی احتیاط کے بغیر اس کھلے ہوئے کمرے میں رکھی ہوئی تھیں جہاں سے کوئی بھی چور یا اُچکا انہیں آسانی سے اٹھا کر لے جا سکتا تھا۔

دہلی میں امن وامان کی صورتِ حال قابلِ رشک تھی یا پھر ان موٹے سپاہیوں کی خوش نصیبی تھی کہ کسی نے ان کی بندوقوں پر طبع آزمائی کرنے کی کوشش نہیں کی تھی اور وہ سرکاری طور پر بدستور مسلح تھے۔

سوئے ہوئے سپاہیوں کے تیور بتا رہے تھے کہ صورِ اسرافیل سے کم کوئی آواز انہیں نہیں جگا سکے گی۔ اگر انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو وہ ہمارے لیے کوئی مسئلہ پیدا نہیں کر سکتے تھے۔ یہ امکان بہت موہوم تھا کہ کسی گڑبڑ کے نتیجے میں ان کی آنکھ کھل جاتی اور ان میں سے کوئی بوکھلاہٹ کے عالم میں اپنی بندوق سے ہوائی فائر داغ دیتا۔

ان کا بیدار ہونا اور پھر اس کے بعد کسی بندوق کا چل جانا بہت مشکل تھا مگر میں اس رات کوئی خطرہ مول لینے کے موڈ میں نہیں تھا۔ کوئی ذرا سی گڑبڑ بھی ہمارا سارا کھیل بگاڑ سکتی تھی۔

میرے داہنے ہاتھ میں وہ انگوٹھی تھی جس کے نگینے میں بھرا ہوا زہرِ آنِ واحد میں کسی کو موت کی آغوش میں دھکیل سکتا تھا۔ بائیں ہاتھ کی ایک انگلی میں وہ انگوٹھی تھی جس کا سیال ان سپاہیوں کو کئی گھنٹوں کے لیے بے ہوش رکھنے کے لیے کافی تھا۔

اول خان نے مجھے اسٹیشن فور پر بتا دیا تھا کہ ان انگوٹھیوں کے سیال جسم کے کسی حصے میں چبھی اتارے جاتے، دورانِ خون میں شامل ہوتے ہی اپنا کام دکھانا شروع کر دیتے ہیں۔ میں نے بائیں ہاتھ والی انگوٹھی کے نگینے کا رخ ہتھیلی کی طرف گھمایا اور پھر ایک سپاہی کی کھلی ہوئی پنڈلی اس ہاتھ کی گرفت میں دبوچ لی۔

نگینے کے خول سے نمودار ہونے والے سوئی نے اپنا کام دکھا دیا۔ پنڈلی کو ایک بہت ہلکا جھٹکا لگا اور وہ ساکت ہو گئی۔ مجھے یقین تھا کہ صبح کا اولین اجالا پھیلنے سے پہلے وہ اپنی چارپائی سے اٹھنے کے قابل نہیں ہو سکے گا۔

پھر میں نے وہی عمل دوسرے سپاہی پر دہرایا اور کمرے سے نکل آیا۔

عابد ہتھیاروں کے تھیلے سمیت پہنچ چکا تھا۔ وہ اس کونے میں دبکا ہوا تھا جو اصل عمارت اور نیم پختہ کمرے کے اتصال سے وجود میں آیا تھا۔

"دونوں بے ہوش ہو چکے ہیں۔ میں دروازے پر جا رہا ہوں۔" میں نے اس کے قریب سے گزرتے ہوئے سرگوشی کی اور آگے بڑھ گیا۔

میں زینے طے کر کے اس عمارت کے قدیم برآمدے میں پہنچ گیا۔ اس وقت تک کپڑے میں لپٹی ہوئی بیم گن جیب سے نکل کر میرے ہاتھ میں آچکی تھی۔

عمارت کا صدر دروازہ بند اور مقفل تھا۔ گو وہ عمارت پرانی تھی لیکن میں شام کو ہی دیکھ چکا تھا کہ صدر دروازے میں بہت مضبوط ہتھی قفل لگا ہوا تھا۔ یہ بات یقینی تھی کہ اس قفل کے ساتھ دروازے میں اوپر اور نیچے کے بولٹ بھی لگے ہوئے ہوں۔

برآمدے کی چھت میں لگا ہوا ایک بلب روشن تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

عمارت کے صدر دروازے پر زیادہ دیر تک میری موجودگی' اس روشنی کی وجہ سے مخدوش ہو سکتی تھی۔ میں نے بیم گن کے نوزل پر کپڑے کی موٹی تہ لپیٹی اور اسے قفل کے وسط میں رکھ کر لمحہ بھر کے لیے ٹریگر دبا دیا۔ کپڑے کی وجہ سے لیزر شعاعوں کی نیلگوں روشنی نہ پھیل سکی۔ میرے نتھنوں میں کپڑا سلگنے کی تیز بو آئی اور میں نے بیم گن ہٹالی۔

روشن برآمدے میں وقت اہم ترین مسئلہ تھا۔ میں نے وقت بچانے کے لیے بولٹوں کے مقام پر بیم گن فائر کرنے سے پہلے دروازے کا بیرونی دستہ گھمایا اور میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ دروازہ کھل گیا۔ میں پھرتی سے عمارت میں داخل ہو گیا۔

اس وقت عمارت میں مکمل اور بے روح سناٹا چھایا ہوا تھا۔ طویل راہداری ویران پڑی ہوئی تھی۔ کہیں کہیں جلتے ہوئے اِکا دُکا بلب اتنی روشنی پھیلا رہے تھے کہ وہ راستہ اندھیرے میں نہیں ڈوبا ہوا تھا۔ میں کھلے ہوئے دروازے کی اوٹ میں ہو کر سن گن لے رہا تھا کہ موقع پا کر عابد بھی اپنے تھیلے سمیت اندر گھس آیا۔ اس نے آتے ہی دروازہ بند کیا اور احتیاط سے اوپر والا بولٹ لگا دیا۔ میں سلگتا ہوا کپڑا فرش پر پھینک کر جوتے سے مسل چکا تھا۔

وہاں چھایا ہوا سناٹا اس قدر مہیب تھا کہ طویل آہنی بولٹ کے سرکنے کی مدھم سی آواز بھی بہت واضح تھی۔

"میدان بالکل صاف ہے۔" عابد نے میرے کان میں سرگوشی کی تو جوش سے اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

ہم دونوں کے اندر پہنچ جانے کے بعد پرویز اور عبداللہ کو اپنا کام شروع کر دینا تھا۔ وہ دونوں عمارت کے پہلوؤں تک آتے اور اطمینان کرنے کے بعد یکے بعد دیگرے دونوں گاڑیاں صدر دروازے سے قریب ترین محفوظ مقام پر لے آتے تاکہ واپسی پر ہم تیزی سے فرار ہو سکیں۔

میں نے راہداری کے آخری سرے کی طرف پیش قدمی شروع کر دی جہاں بائیں ہاتھ پر نریش شرما کا کمرا واقع تھا۔

بیم گن میرے ہاتھ میں تھی۔ میں پھونک پھونک کر پنجوں کے بل قدم آگے بڑھا رہا تھا۔ دونوں طرف کے دروازے بند تھے اور ان پر روایتی طرز کے مضبوط تالے جھول رہے تھے۔ دفتروں کا تسلسل درمیان میں ٹوٹ گیا۔ اس طرف عملے کے لیے زنانہ اور مردانہ واش روم وغیرہ بنے ہوئے تھے اور ایک جگہ سے چھت پر جانے کے لیے زینہ نکالا گیا تھا۔

وہ حصہ ختم ہونے کے بعد دوبارہ کمروں کا سلسلہ شروع

اہلیت

ایک صاحب نوکری کے لیے انٹرویو دینے پہنچے۔ تمام مطلوبہ کام جاننے کے علاوہ ان کے پاس دس سال کا تجربہ بھی تھا۔ آخر میں انہوں نے کہا "ان سب باتوں کے علاوہ میں اڑنا بھی جانتا ہوں۔"

ایک بڑے بیوروکریٹ ان کا انٹرویو لے رہے تھے۔ انہوں نے گویا بادل ناخواستہ کہا "ٹھیک ہے... اڑ کر دکھایئے۔"

وہ صاحب اپنی جگہ سے اچھلے اور بڑے سے کمرے میں اڑنے لگے۔ چھت سے ذرا نیچے نیچے انہوں نے تین چار چکر لگائے پھر فراٹے سے نیچے اتر آئے۔

بیوروکریٹ ناک سکیڑتے ہوئے قدرے بیزاری سے بولے "ہاں... ٹھیک ہے.... آپ جہاز کی نقل کر لیتے ہیں... لیکن یہ بتایئے اس کے علاوہ آپ کو اور کیا آتا ہے؟"

ہو گیا۔ شیشے کی دیواروں کے پیچھے اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ میرے ہر بڑھتے ہوئے قدم کے ساتھ یہ یقین پختہ ہوتا جا رہا تھا کہ عمارت میں کوئی موجود نہیں تھا۔ آخر کار میں نریش شرما کے دفتر تک پہنچ گیا۔ کہیں سے کوئی مداخلت نہ ہونے کی وجہ سے عابد نے تیزی سے درمیانی فاصلہ طے کیا اور مجھ سے آملا۔

رام بابو اور نریش کے دفاتر کے مشترکہ دروازے پر بھی وزنی تالا جھول رہا تھا۔

"ہٹو۔ میں ذرا سی دیر میں اسے کھول لوں گا۔" عابد نے سرگوشیانہ آواز میں پیش کش کی۔ اسے بیم گن کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔

میں نے بیم گن بلند کر کے اسے دکھائی اور چشم زدن میں تالے کے دونوں سرے پگھلا کر کاٹ دیے۔ تالے کا یو نما سرا چھپکے میں لٹکا رہ گیا۔ نچلے وزنی حصے کو میں نے فرش پر گرنے سے پہلے لپک لیا۔

"اوہ!" عابد کے ہونٹوں سے تحیر زدہ سرسراہٹ آزاد

Downloaded from https://paksociety.com

ہوئی "مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم لیزر گن ساتھ لیے پھر رہے ہو۔"

میں نے بائیں ہاتھ کی انگلی اپنے ہونٹوں پر رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اس نے خاموشی سے دروازے کا کنڈا کھول دیا۔ ہم نے رام بابو کے دروازے پر چوکیدار کا لگایا ہوا قفل کاٹ دیا تھا۔ اس سے آگے نریش کے کمرے کا اندرونی دروازہ تھا۔ وہ تیسرا قفل کاٹنے کے بعد ہم اس تجوری کے سامنے ہوتے جس میں راکے پاکستانی ونگ کا اہم ترین ریکارڈ موجود تھا۔

ابتدا میں میرا پروگرام یہ تھا کہ عابد باہر راہداری میں رک کر نگرانی کرے گا اور میں اندر جاکر نریش شرما کی تجوری کاٹ کر اس میں سے کام کی ہر چیز نکال لوں گا لیکن عابد کے جوش و خروش کو دیکھتے ہوئے میں نے اسے باہر روکنا مناسب نہیں سمجھا۔ اس کے ذہن میں آزردہ کردینے والا خیال آسکتا تھا کہ میں اسے غیر ضروری چوکیداری میں الجھا کر اہم ترین کام تن تنہا سرانجام دینا چاہ رہا تھا۔

ایک طرف عابد علی کی دلداری کا خیال تھا۔ دوسری طرف یہ حقیقت سامنے آچکی تھی کہ عمارت کی نچلی منزل پر کوئی متنفس موجود نہیں تھا جو ہمارے کاموں میں مخل ہوتا۔

میں نے عابد کو باہر روکنے کا ارادہ منسوخ کردیا۔ وہ میرے ساتھ رام بابو کے کمرے میں داخل ہوگیا۔ اس مہم میں وہ میری واحد اور بدترین غلطی تھی جو بعد میں میرے لیے خاصی پریشانی کا باعث بن گئی۔

انل بسواس کے اندرونی دروازے کی طرح نریش شرما کے دفتر کے دروازے پر بھی ہنیمی قفل تھا۔ میں نے بیم گن کی مدد سے اسے بھی ناکارہ کردیا اور ہم دونوں اطمینان سے اس کمرے میں داخل ہوگئے جہاں وزنی فولادی تجوری ہماری منتظر تھی۔ میں نے کمرے کا ایک بلب روشن کردیا۔

عابد پُر اشتیاق انداز میں تیزی کے ساتھ تجوری کی طرف بڑھتا چلا گیا اور میرے وہاں پہنچنے سے پہلے جھک کر اس کے حفاظتی تالوں کا جائزہ لینے لگا۔

"یہ خطرناک تجوری معلوم ہوتی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اسے چھیڑتے ہی کوئی الارم بج اٹھے۔" عابد نے اپنا اندیشہ ظاہر کیا۔

"اسے چھیڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس پر بیم گن آزمانی پڑے گی۔ اس کے نیلگوں شعاعوں کی پتلی دھار الارم وغیرہ کے تاروں کو بھی جلا کر راکھ کردے گی۔ ان کے بجنے کی نوبت نہیں آئے گی۔"

"میری خواہش تھی کہ میں اس کے پیچیدہ تالے پر طبع آزمائی کروں۔" عابد نے کہا "میں نے قفل شکنی میں خاصی مہارت حاصل کی ہوئی ہے۔"

"اس وقت مہارت آزمانے یا تجربہ کرنے کا موقع نہیں ہے۔ اس سے پہلے کہ کوئی گڑبڑ ہو، ہمیں اپنا کام مکمل کرکے جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ تاخیر ہونے کی صورت میں کوئی ناگہانی الجھن سامنے آسکتی ہے۔" میں نے اسے سمجھایا۔

عابد نے کسی حیل و حجت کے بغیر میری بات مان لی اور قد آدم تجوری کے سامنے سے ہٹ گیا۔

میں نے تجوری کے تالے پر بیم گن فائر کرنے کے لیے اپنی جگہ قدرے تبدیل کی۔ اس وقت ہم دونوں کی پوری توجہ تجوری پر مرکوز تھی کہ اچانک کمرے کی فضا ایک درشت آواز سے گونج اٹھی "ہتھیار پھینک کر اپنے ہاتھ اوپر اٹھالو!"

ہم دونوں بری طرح چونک کر پلٹے اور یہ دیکھ کر لمحہ بھر کے لیے میرے اوسان خطا ہوگئے کہ نریش کے دفتر کے دروازے پر درشت رو اور تند خو ناگر بڑے بور کا ایک پستول سنبھالے کھڑا ہوا تھا۔ اس کی کینہ توز، عقابی نظریں ہم دونوں پر مرکوز تھیں۔

میری اس سے دو بلا قاتیں ہو چکی تھیں اور میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ وہ انتہائی مکار، کینہ پرور اور سفاک شخص تھا جس کی نظروں میں انسانی وقار یا خون کی ذرا بھی حرمت نہیں تھی۔ میرے لیے وہ اجنبی نہیں تھا لیکن عابد کا اس سے پہلی بار سامنا ہوا تھا۔ اس کی للکار میں کوئی ایسی بات پوشیدہ تھی کہ عابد نے اپنے ہاتھ میں دبا ہوا ریوالور قالین پر گرا کر بے اختیار دونوں ہاتھ اوپر اٹھالیے۔

"سنا نہیں تم نے!" مجھے متردد دیکھ کر ناگر اپنے پستول کی نال ہلا کر غرایا "میں گولی مار دوں گا۔ اپنی گن پھینک دو۔"

بیم گن لوہے اور بارود کا ٹھوس مجموعہ نہیں تھی جسے بے احتیاطی سے ناگر کے حکم کی نذر کردیا جاتا۔ اس کی بیرل میں نہایت حساس الیکٹرونک نظام پوشیدہ تھا جو ٹریگر سے اشارہ ملتے ہی لیزر شعاعوں کی تیاری کا عمل شروع کردیتا تھا اور وہ مہلک نیلگوں شعاعیں بیرل کے سرے پر لگے ہوئے نوزل سے نکل کر بہت تیزی سے اپنے ہدف پر جا پڑتی تھیں۔ تیز جھٹکا لگنے سے گن کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔

میں نے جھک کر بیم گن قالین پر ڈال دی اور دونوں ہاتھ اوپر اٹھالیے کیونکہ ناگر کی طرف سے تیسری وارننگ گولی کی صورت میں آنے کا قوی امکان تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"میں فنگر پرنٹس لینے کے لیے ہوٹل میں تمہارے پاس آیا تھا تو تمہارے چہرے سے حرامی پن جھلک رہا تھا۔" ہم دونوں کو غیر مسلح کردینے کے بعد ناگر قدرے پرسکون ہوگیا۔ وہ دروازہ چھوڑ کر دفتر میں آچکا تھا اور اپنی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کرکے کہہ رہا تھا "میں نے انکل کو بتا دیا تھا کہ تم خطرناک آدمی نظر آتے ہو۔ تم پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا لیکن انکل مجھ سے زیادہ اپنے مخبروں پر اعتماد کرتا ہے۔ تم کو یہاں دیکھ کر اسے اپنے غلط فیصلے پر دکھ ہوگا۔"

اس وقت میرا ذہن بہت تیزی سے کام کررہا تھا۔ ہم عمارت میں داخل ہوئے تو اس کا صدر دروازہ مقفل تھا جس کا مطلب تھا کہ ہمارے پہنچنے سے پہلے کوئی خفیہ طور پر اندر نہیں آیا تھا۔ ہمارے آجانے کے بعد پرویز اور عبداللہ باہر چوکس تھے۔ انہیں جل دے کر ناگر کیا کوئی تیس مار خاں بھی اندر نہیں آسکتا تھا پھر پتا نہیں وہ خبیث کسی بدروح کی طرح اچانک کہاں سے ٹپک پڑا تھا۔

اس وقت ہم دونوں اس کے رحم و کرم پر رہ گئے تھے۔ اسے زیر کرنے کے لیے اس کی ذہنی اور نفسیاتی کیفیت کا صحیح ترین اندازہ لگانا ضروری تھا۔ اس کی کسی کمزوری سے کھیل کر ہم اپنی نجات کی کوئی راہ نکال سکتے تھے۔ ورنہ ہمارا کھیل ختم ہوچکا تھا۔ آخری مرحلے کی اس ناکامی کے بعد قید و بند کی بدترین صعوبتیں مجھے اپنا مقدر بنتی نظر آرہی تھیں۔ یہ امکان بہت روشن تھا کہ ایک بار میں راوالوں کے چنگل میں پھنس جاتا تو پھر مظہر خان والا بہروپ زیادہ دیر تک برقرار نہیں رکھا جاسکتا تھا۔ راوالوں کو اس وقت تک میں نے دھوکے میں رکھا ہوا تھا۔ میری سفری دستاویزات کے پس پردہ حقائق اور میری محتاط و کامیاب اداکاری کے باعث راوالے مجھے مظہر خان سمجھتے چلے آرہے تھے۔ انہوں نے کسی مرحلے پر میرے اس دعوے پر شبہ نہیں کیا تھا لیکن نریش شرما کے دفتر میں رنگے ہاتھوں پکڑے جانے کے بعد میرے ہر دعوے کی دھجیاں اڑ جاتیں۔

راایک ٹھوس، سخت کوش اور طاقت ور تنظیم تھی۔ مجھ پر شبہ ہوتے ہی ان کے سارے وسائل متحرک ہوجاتے۔ میری سخت جانی کے مقابلے میں ان کے تمام تر تشدد کی ناکامی کے باوجود میری اصلیت ان سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی۔ راوالے چند دنوں میں ہر بات کا کھوج نکال لیتے۔ ان کے لیے یہ بات قابل افتخار ہوتی کہ انہوں نے ہر انجمنی کو ننگی کا ناچ نچانے والے ڈینی کو بہت آسانی سے ایک چوہے دان میں پھانس کر پکڑ لیا ہے۔

خوش گماں

ایک صاحب نے اپنی سیکریٹری کو بیوی کے نام خط ڈکٹیٹ کرایا۔ بیوی ان دنوں میکے گئی ہوئی تھی۔ خط کے آخر میں انہوں نے جملہ ڈکٹیٹ کرایا "اینڈ آئی لو یو!"

سیکریٹری جب خط ٹائپ کرکے لائی تو اس میں یہ جملہ نہیں تھا۔ صاحب نے جب اس کے بارے میں پوچھا تو سیکریٹری معصومیت سے بولی "اچھا... تو وہ بھی لکھنا تھا؟ میں سمجھی تھی وہ جملہ ڈکٹیشن میں شامل نہیں ہے۔"

وہ راوالوں کی کوئی اجتماعی کارکردگی نہ ہوتی۔ میں نے اس تنظیم میں رہنا اجیت رائے سے لے کر انل بسواس تک کو کامیابی سے اپنی ذات کے فریب میں مبتلا رکھا تھا۔ ان کڑیوں میں بس ناگر والی کڑی کمزور رہ گئی تھی۔ میں نے اس کے ردِعمل اور مشاہدوں کو ضروری اہمیت نہیں دی تھی اور وہی میرے راستے کی دیوار بن کر سامنے آگیا تھا۔ میں اسے جل دے کر نکل جانے میں کامیاب ہوجاتا تو وہ میری خوش نصیبی ہوتی۔ اگر اس کی کامیابی کے نتیجے میں مارا یا قید کرلیا جاتا تو اس کارنامے کا سہرا صرف اور صرف ناگر کے سر ہوتا۔ اس وقت ناگر کامیابی کے اس احساس سے خاصا مغلوب تھا۔

ناگر کی اچانک مداخلت کی وجہ سے میں خود کو اچانک ایک بند گلی کے سرے پر پا رہا تھا۔ میرے دل و دماغ میں ایک طوفان برپا تھا۔ مختلف اور متضاد خیالات کی آندھیاں چل رہی تھیں لیکن میری نگاہیں ایک پل کے لیے بھی اپنے مکار اور سفاک حریف کے چہرے سے نہیں ہٹی تھیں۔

"تم شام کو میرے ساتھ یہاں سے چلے گئے تھے پھر اس وقت مقفل عمارت میں کیسے موجود ہو؟" میں نے مرعوب ہونے والے انداز میں پوچھا۔

"میں نے تم کو بتایا تھا کہ میں دشمن پر رحم کھانا نہیں جانتا۔ اس غلط فہمی میں نہ رہنا کہ میں انکل کا پی اے یا کوئی معمولی کلرک ہوں۔ میرا تعلق بلیک کیٹس کی فارمیشن سے ہے ہم سب سیاہ بلے کہلاتے ہیں جو خوں خوار اور خون آشام

Downloaded from https://paksociety.com

ہوتے ہیں۔ ہم جیسے کمانڈوز کے لیے بند دروازوں اور تالوں کی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ کامیابی اور ناکامی مقدر سے ملتی ہے لیکن ایک کمانڈو کہیں گھسنا چاہے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے نہیں روک سکتی۔"

اس کے بارے میں میرا ابتدائی اندازہ درست ثابت ہوا تھا۔ اس کے دماغ پر اپنی برتری کا بھوت سوار تھا۔ اپنی ہرزہ سرائیاں وہ انکل بسواس کو نہیں سنا سکتا تھا مگر میرا حوصلہ پست کرنے کے لیے وہ سب بتانے میں اسے کوئی عار نہیں تھا کیونکہ وہ مسلح تھا اور ہم دونوں نہتے ہو چکے تھے۔ اس کی چلائی ہوئی دو گولیاں چند ثانیوں میں ہمارا کام تمام کرسکتی تھیں۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم کسی خفیہ راستے سے عمارت میں آئے ہو۔" میں نے تائید طلب انداز میں کہا۔

"دفتر میں چھٹی ہوجانے کے بعد نریش کی خاص اجازت کے بغیر کوئی ملازم دوبارہ اندر نہیں آسکتا۔ یہ یہاں کا پروٹوکول ہے۔ چوکیدار دروازے پر تالا لگا سکتا ہے لیکن دوسری جگہیں اس کی نظروں میں نہیں ہیں۔ میں زنانہ اسٹاف ٹوائلٹ کے ایک کھلے ہوئے روشن دان سے اندر آیا تھا اور پچھلے تین گھنٹوں سے یہاں بیٹھا ہوا بیزار ہو رہا تھا۔ میں نے تمہاری نظریں پڑھ لی تھیں۔ مجھے یقین تھا کہ تم یہاں آنے میں دیر نہیں کرو گے۔"

نریش کے اور میرے درمیان جو کچھ مذاکرات ہوئے اور جو واقعات رونما ہوئے' وہ ناگر کے علم میں نہیں تھے کیونکہ وہ اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ اس نے کس بنا پر میری واپسی کی ایسی مضبوط آس باندھ لی تھی۔ وہ باتیں کرنے' سیٹیاں بجانے اور اپنے دل کی بھڑاس نکالنے پر آمادہ تھا۔ میرے لیے وہ رجحان بہت اچھا تھا۔ اس طرح بدترین اور خطرناک لمحات دور ہوتے جارہے تھے۔ وقت ٹل رہا تھا اور مجھے ناگر پر کوئی حربہ آزمانے کے لیے محض مناسب وقت اور موقع کی تلاش تھی۔ وہ از خود مجھے وقت دینے پر آمادہ تھا۔ اس رعایت سے فائدہ نہ اٹھانا کفرانِ نعمت تھا۔

"تم سے میری زیادہ بات نہیں ہوئی پھر تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں آج یہاں ضرور آؤں گا۔"

"چھٹی حس!" اس نے فخر سے جواب دیا "پانچ حواس لنگڑوں' لولوں اور معذوروں میں بھی کام کرتے ہیں۔ جس شخص کی چھٹی حس کام نہ کرتی ہو اسے سیکرٹ ایجنٹ بننے کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہیے۔ یہ ایک وجدانی کیفیت ہوتی ہے جو انسان کو وقت سے پہلے بہت سی چیزوں سے آگاہ کردیتی ہے۔ میں رینا کے ساتھ ہوٹل میں تم سے ملا تو مجھے شبہ ہوگیا تھا کہ تم وہ نہیں ہو جو بن رہے تھے۔ تمہاری چمک دار آنکھوں سے بلا کی مکاری ٹپکتی ہے۔ یہ ماننے والی بات نہیں تھی کہ رینا نے آسانی سے تمہیں شیشے میں اتار لیا ہوگا۔ تم نے آج دفتر میں مجھے آنکھ مار کر ظاہر کردیا کہ انکل سے ملتے ہوئے تم ذرا بھی خوف زدہ نہیں تھے۔"

وہ خاموش ہوگیا۔ مجھے اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع مل گیا۔ میں نے کہا "میرا دل صاف تھا۔ نیت میں کوئی کھوٹ نہیں تھا پھر میں کیوں انل بسواس سے خوف زدہ ہوتا۔ وہ بہت گہرا اور سمجھ دار آدمی ہے۔"

اس کی خاموشی بے سبب نہیں تھی۔ ایک ہاتھ سے سگریٹ سلگا کر اس کا ایک گہرا کش لینے کے بعد وہ پھر بولنے لگا "اندر جاکر تم نے نہ جانے کیا زہر اگلا ہوگا کہ انکل نے انٹر کام پر اپنے مخصوص انداز میں مجھے ذلیل کردیا۔ وہ تم سے مطمئن تھا۔ مجھے اندازہ ہوگیا کہ انکل اور نریش میرے اندیشوں کو نظر انداز کرکے تمہیں اپنے سر پر چڑھا رہے ہیں۔ پاکستان میں کام کرنے کے لیے وہ ایک مدت سے کسی ذہین اور محنتی پاکستانی کی تلاش میں ہیں۔ یہ ان کی شدید ضرورت ہے۔ وہ دونوں تمہاری صورت میں اپنا خواب پورا ہوتا دیکھ رہے تھے۔ اپنے معیار کے مطابق وہ تم سے مطمئن ہیں۔ جو کچھ کرنا تھا' مجھے اپنے طور پر کرنا تھا۔"

"تمہاری دور اندیشی اور فرض شناسی قابلِ داد ہے۔" میں نے اس کی انا کو ابھارنے کی نیت سے کہا "پھر بھی یہ باتیں ایسی نہیں تھیں کہ تم یہ سمجھ لیتے کہ میں آج دوبارہ ادھر کا رخ کروں گا۔"

وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا پھر بولا "تم مجھے مشتعل مزاج اور لڑنے بھڑنے والا آدمی سمجھ رہے ہو مگر میں ضرورت کے وقت زبان بند کرکے اپنی آنکھیں کھلی رکھتا ہوں۔ میں تمہاری ایک ایک بات اور حرکت نوٹ کررہا تھا۔ تم نے چوکیدار کے بارے میں نریش سے پوچھا تو میرے کان کھڑے ہوگئے۔ میں نے جان بوجھ کر اپنی گاڑی اسٹارٹ کرنے میں دیر لگائی۔ تم سمجھے کہ سیلف پھنس رہا ہے اور میں اس پر الجھ رہا ہوں مگر میں تم کو دیکھ رہا تھا۔ تم نے چوکیدار کو دروازہ بند کرتے دیکھا' بہت غور سے دونوں سایوں کو دیکھتے رہے جو اپنے کمرے میں جارہے تھے۔ اس وقت تمہاری آنکھوں میں وہ حیوانی چمک تھی جو شکار کو اپنے سامنے دیکھ کر درندوں کی آنکھوں میں پیدا ہوتی ہے۔ میں نے اپنے طور پر تمہیں رنگے

Downloaded from https://paksociety.com

ہاتھوں دھر لینے کا فیصلہ کرلیا۔"

"اس کا مطلب ہوا کہ تم ہمارے آنے سے پہلے اس عمارت میں موجود تھے۔"

"میں اب تک تین گھنٹے برباد کرچکا ہوں۔ تم نہ آتے تو مجھے بہت مایوسی ہوتی۔ انکل کو فون پر یہ سن کر حیرت ہوگی کہ میں نے تم کو نریش شرما کی بدنام تجوری کا جائزہ لیتے ہوئے عین موقع پر پکڑلیا ہے۔ یہاں تم کیوں آئے تھے؟"

ناگر بلیک کیٹس کا مشہور کمانڈو تھا جسے اس کے ساتھی خونی بھیڑیا کہتے تھے۔ یہ بات تربیت کے دوران ہر کمانڈو کے ذہن میں کوٹ کوٹ کر بھردی جاتی ہے کہ وہ عام انسانوں سے بہت برتر اور اعلیٰ ہے۔ یہی سوچ ناگر کی تھی۔ انل بسواس کو بڑا تسلیم کرنا اس کی مجبوری تھی کیونکہ وہ بہرحال اپنے ونگ کا سربراہ تھا لیکن میرے بارے میں انل کے رویّے پر وہ خوش نہیں تھا۔ نریش شرما بھی عہدے کے اعتبار سے ناگر سے برتر تھا لیکن ذہنی طور پر ناگر اسے اپنا بڑا نہیں مانتا تھا۔

میں نے دو پر کو نوٹ کرلیا تھا کہ ناگر، نریش شرما کی کہی ہوئی بات کو نظرانداز کردیتا تھا یا پھر اپنے طور پر اس کی اہمیت کم کرنے کی کوشش ضرور کرتا تھا۔ ان دونوں کے درمیان مفاہمت نام کی کسی شے کا وجود نہیں تھا۔

ناگر نے اپنے دل کا غبار خاصی حد تک ہلکا کرلیا تھا۔ اس وجہ سے اسے ہماری وہاں آمد کا سبب جاننے کا تجسس پیدا ہوگیا تھا۔ اس سوال کے جواب پر میں اپنی کسی نئی کہانی کی بنیاد رکھ سکتا تھا۔

ناگر اس وقت تک کسی سانپ کی طرح پلکیں جھپکائے بغیر ہماری طرف متوجہ تھا۔ ایک ہاتھ سے اپنے لیے سگریٹ سلگاتے ہوئے بھی وہ ہماری طرف سے غافل نہیں ہوا تھا۔ میں اس کے سوال کا جواب دینے کے لیے موزوں الفاظ سوچ ہی رہا تھا کہ عابد بول پڑا۔

"مجھے پیشاب کرنے کی حاجت محسوس ہورہی ہے۔" اس نے خوف زدہ اور بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"یہیں کرلو!" ناگر نے زہریلی آواز میں کہا "تھوڑی دیر بعد تمہارے ناپاک خون کا دھبّا اس نشان کو چھپالے گا۔"

عابد کی وہ اداکاری میری نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔ وہ ایک منجھا ہوا اور پیشہ ور پاکستانی سیکرٹ ایجنٹ تھا۔ صورتِ حال کے اس اچانک بگاڑ پر اس کا فکرمند ہونا بالکل فطری تھا۔ اس نے کچھ سوچ سمجھ کر ہی گفتگو میں حصہ لیا تھا۔

"اتنی سنگ دلی سے کام نہ لو۔ میں گردوں کا مریض ہوں۔ زیادہ دیر تک مثانے کا دباؤ نہیں سہہ سکتا۔" اس سفید جھوٹ پر میں عابد کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔

ناگر نے قہقہہ لگایا "اچھا ہوا کہ تم نے یہ بات بتادی۔ اب تمہاری پیشاب کی نالی مضبوط ڈوری سے کس دی جائے گی اور تمہیں خوب پانی پلایا جائے گا۔ ذرا سی دیر میں تم بلبلا کر بہت کچھ بتانا شروع کردو گے۔"

"ابھی تم میرا خون بہانے کی بات کررہے تھے۔ اب تشدد کی باتیں کررہے ہو۔ تمہارے عزائم کیا ہیں؟" عابد نے سہمی اور ابھی بھیگی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"کسی کو مار دینا دنیا کا سب سے آسان کام ہے۔ بڑوں نے کہا ہے کہ دشمن کی کوئی کمزوری معلوم ہوجائے تو اس سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیے۔ سانڈ کی دم کو کس کر بل دیے جائیں تو وہ تھوڑی دیر میں ڈکرانا بھول کر بکری کی طرح ممیانے لگتا ہے۔"

"تمہیں اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ میرا نام گوپال ہے۔ میں ایک شریف آدمی ہوں۔ یہ شخص دو سو روپے معاوضے پر مجھے اپنے ساتھ لایا ہے۔"

"بکو مت۔" ناگر نے جھلّا کر اسے جھڑک دیا اور میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "میں نے پوچھا تھا کہ تم یہاں کیوں آئے ہو۔"

گفتگو میں عابد کی بروقت مداخلت سے مجھے سوچنے کی مہلت مل گئی تھی۔ میں نے شکست خوردہ لہجے میں جواب دیا "میں اپنی وڈیو فلم کی تلاش میں آیا ہوں۔"

"وڈیو فلم!" ناگر کے حلق سے تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی "کیا تم کو علم نہیں ہے کہ یہ را کا دفتر ہے۔ یہاں سے کسی چیز کا نکال لے جانا آسان نہیں ہے۔"

"سب معلوم ہے۔" میں نے تھکی تھکی آواز میں کہا "میں نے وہ فلم واپس مانگی بھی لیکن تمہارے بڑوں نے صاف انکار کردیا۔ میں پاکستان کے عزت دار گھرانے کا آدمی ہوں۔ میری اور رینا کی فلم میرے خاندان میں پہنچ گئی تو میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا۔ برباد ہوجاؤں گا۔"

"تم جھوٹے ہو۔ میں تمہاری اس بکواس پر یقین نہیں کرسکتا۔" ناگر نے غصے سے کہا "سچ سچ بتاؤ کہ اس تجوری میں سے کیا تلاش کرنے آئے ہو۔"

عابد کی دخل اندازی کے نتیجے میں ملنے والی مہلت میں مجھے یکایک وہ راہ سوجھی تھی۔ میں نے ناگر کے ہر الزام کو سختی سے مسترد کرکے اپنی اس کہانی پر جما رہنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ میں نے بے چارگی سے کہا "تم مانو یا نہ مانو۔ حقیقت یہی

Downloaded from https://paksociety.com

ہے۔"

اس نے سگریٹ قالین پر پھینک کر جوتے سے مسل دیا اور ترشی سے پوچھا "تمہیں کیسے پتا چلا کہ وہ فلم اس تجوری میں ہے۔"

ناگر کے کیے ہوئے اس سوال میں میرے شبے کی تصدیق پنہاں تھی۔ میں نے کمزور آواز میں بتایا "خود نریش شرما نے کہا تھا کہ وہ فلم اس تجوری میں ہمیشہ محفوظ رہے گی۔ کبھی غلط ہاتھوں میں نہیں جائے گی۔ اسے اسی وقت استعمال کیا جائے گا جب میں راسے انحراف کروں گا۔"

نریش نے ہرگز یہ تصدیق نہیں کی تھی کہ میری اور رینا کی وڈیو فلم اس کے پاس یا اس کی تجوری میں محفوظ تھی مگر ناگر کے بشرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے میری بات پر بڑی حد تک یقین آگیا تھا پھر بھی اس نے اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا "تمہارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں اپنی اس فلم کے سوا نریش کے دفتر میں موجود کسی چیز سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اتنے چھوٹے سے کام کے لیے کوئی اتنا بڑا خطرہ مول لینا....."

"تم را کے آدمی ہو۔ ہر بات کو اپنے انداز میں نہ سوچو۔ شرفا کے لیے عزت بہت قیمتی ہوتی ہے۔"

"مجھے پٹیاں پڑھانے کی کوشش مت کرو۔" ناگر کسی نتیجے پر پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو پا رہا تھا۔ اس نے کہا "تمہاری عزت اسی وقت خراب ہوگئی تھی جب تم نے اکیلے کمرے میں رینا کے بدن سے کھیلنا شروع کیا تھا۔ یہ کہو کہ تم اپنے کرتوت چھپانا چاہتے ہو۔ ایسی جھوٹی عزت بیکار ہوتی ہے۔ وہ آج مٹی میں مل کر رہے گی۔"

"تم آگئے ہو تو اب میں کان پکڑتا ہوں کہ ادھر کا رخ نہیں کروں گا۔" ایک واضح موقف اختیار کر لینے کے بعد میں نے رندھی ہوئی آواز میں کہا "اس بار تم معاف کردو تو میں خاموشی سے یہاں سے چلا جاؤں گا۔" میں نے یکایک بہت زیادہ خوف زدہ ہونے کی اداکاری شروع کردی تھی۔

"یہ ناممکن ہے۔ تم پکے پاکستانی ایجنٹ ہو اور ہمیں ڈبل کراس کر رہے ہو۔" اس نے ایک قدم آگے بڑھ کر کہا "ابھی لمبی رات باقی ہے۔ دفتر کے لوگ ساڑھے چھ بجے سے آنا شروع کرتے ہیں۔ اس سے پہلے میں اپنا پورا اطمینان کروں گا۔ اپنے ساتھی کو اس ڈوری سے جکڑ کر بے دست و پا کردو۔" وہ ہدایت دیتے ہوئے ناگر نے اپنی جیب سے نائلون کی مضبوط ڈوری کی ایک گچھی نکال کر میری طرف اچھال دی۔

میں نے بس ایک نظر ناگر کا جائزہ لیا اور گچھی کو فضا میں لپکنے کے لیے آگے بڑھا۔ میرا اور ناگر کا درمیانی فاصلہ اتنا کم رہ گیا تھا کہ رسی پکڑتے پکڑتے میں اچانک اس سے لپٹ گیا اور پستول اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔

ناگر کے منہ سے مغلظات کا طوفان ابل پڑا۔ اسے ابتدا سے ہی ہم دونوں مغلوب اور خوف زدہ نظر آرہے تھے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکا ہوگا کہ نہتا ہونے کے بعد ہم دونوں میں سے کوئی اس سے ٹکرانے کی جرأت کرسکے گا کیونکہ اس کے ہاتھ میں لوڈ کیا ہوا پستول موجود تھا۔

وہ دراز قامت اور صحت مند تھا۔ ابتدائی جھٹکے سے فوری طور پر سنبھل گیا۔ گالیاں بکتے ہوئے اس نے اپنے دونوں بازوؤں کا زور لگانا شروع کردیا تھا۔ اپنے ہاتھ آزاد کراتے ہی اس نے میرے منہ پر ایک زوردار مکا رسید کرنے کی کوشش کی۔ میں اس طوفانی ضرب سے اپنا چہرہ بچانے میں ضرور کامیاب ہوگیا لیکن گردن کی جڑ میں وہ گھونسا پڑتے ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری ہنسلی کی ہڈی ٹوٹ گئی ہو۔

میرے کمزور پڑتے ہی وہ جوابی وار کر بیٹھا۔ اس کے بھاری وجود کے ٹکراتے ہی میں لڑکھڑا کر زمین بوس ہوگیا۔

اس نے غیر متوقع طور پر ڈوری کی گچھی میری طرف اچھالی تھی۔ اگر مجھے چند ثانیوں کی مہلت بھی مل گئی ہوتی تو میں پہلے تصادم میں اس کا کام تمام کردیتا۔ میں نے یہ اندازہ لگالیا تھا کہ وہ جسمانی طور پر مجھ سے بہت زیادہ قوی تھا لیکن اول خان سے ملی ہوئی زہریلی انگوٹھیوں کے سامنے ناگر تو کیا کوئی ہاتھی بھی میرا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔

مجھے گرانے کے بعد ناگر تیزی سے میرے سینے پر چڑھ آیا۔ وہ میرا گریبان پکڑنا چاہ رہا تھا۔ اسی لمحے کھٹاک کی آواز کے ساتھ شیشے کا وزنی پیپر ویٹ ناگر کی پیشانی سے ٹکرایا۔ عابد کا پھینکا ہوا وہ پیپر ویٹ ناگر کو مجروح کرنے کے بعد قالین پر لڑھک گیا۔ ناگر میرے گریبان کو بھول کر اپنی پیشانی تھامنے پر مجبور ہوگیا جہاں سے شدید درد کے ساتھ خون کی دھار بہہ نکلی تھی۔

میں نے اس کے پُرگوشت بازو پر پوری آزادی کے ساتھ داہنے ہاتھ کا ہلکا سا مکا رسید کردیا۔ اس مہلک مکے کا اصل مقصد اسے ضرب لگانا نہیں تھا بلکہ انگوٹھی کا قاتل زہر ناگر کی رگوں میں اتارنا تھا۔

وہ زہر میرا آزمودہ تھا۔ ناگر میرے سینے پر چڑھے چڑھے ہلکا سا لہرایا اور پھر بے جان ہو کر بائیں طرف لڑھک گیا۔ اس

Downloaded from https://paksociety.com

ڈاکٹر ساجد امجد کی تحقیق، تخلیق اور تنقید

چار عظیم شاعروں کی کہانیاں

مضبوط جلد

خوبصورت سرورق

خُدایانِ سخن

میر غالب مومن اور داغ

صفحات 320

قیمت 200 روپے
ڈاک خرچ 25 روپے

- ان چار "خُدایانِ سخن" کی زندگی سے وابستہ چونکا دینے والے راز!
- ان کے شب و روز کی دل فریب حکایاتِ خرابات!
- ان کے عشق کی جنوں خیزیاں اور ان کے ادبی لڑائی جھگڑے!

تاریخی شخصیات پر ایسی افسانوی کہانیاں اردو زبان میں پہلے کبھی نہیں لکھی گئیں۔ یہ کہانیاں سرگزشت ڈائجسٹ میں شائع ہونے والے مقبول ترین ادبی سلسلے سے لی گئی ہیں۔

طلبہ اور شائقین ادب کے لئے
بے حد دلچسپ اور معلومات افزا کتاب

کتاب کی قیمت مع ڈاک خرچ بذریعہ منی آرڈر بینک ڈرافٹ منگوانے کا پتہ

کتابیات پبلی کیشنز

رمضان چیمبرز بلمو ریا اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ

فون: 5802552-5895313 ٹیکس: 5802551

Email: kitabiat@usa.net

پوسٹ بکس 23
کراچی 74200

Downloaded from https://paksociety.com

کی پیشانی سے بہنے والے خون نے اس کی قمیص کو رنگ ڈالا تھا لیکن میرے کپڑوں پر اس کے گندے خون کی چھینٹ تک نہیں آئی تھی۔

جب تک ناگر بول رہا تھا' مجھے اپنا منصوبہ خاک میں ملتا ہوا نظر آرہا تھا۔ اس کو ٹھکانے لگاتے ہی میں پھرتی سے گرد آلود قالین سے اٹھ گیا۔

"کیا ہوا؟" عابد نے حیرت سے پوچھا "کیا تم اس موذی کو یوں ہی بے ہوش پڑا رہنے دو گے؟ یہ ہوش میں آتے ہی کوئی نیا گند پھیلانا شروع کردے گا۔ یہ کوئی معجزہ ہوا ہے کہ ہمیں اس سے نجات مل گئی۔"

"یہ بے ہوش نہیں ہوا۔ نزگباش یعنی جہنم واصل ہوچکا ہے۔ یقین نہ ہو تو نبض اور دل کی دھڑکن دیکھ لو۔"

"مگر یہ کیسے ہوگیا؟" عابد کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں "پیپر ویٹ کی ضرب جان لیوا نہیں تھی۔ تم نے تو اسے بس رسمی سا مکا مارا تھا۔"

"ناگر کے لیے وہی کافی تھا" میں نے انگوٹھی کا کوئی ذکر کیے بغیر کہا "اب ہمیں اپنا کام تیزی سے سمیٹ لینا چاہیے۔"

عابد پھر بھی مطمئن نہ ہوسکا۔ اس نے ناگر کے گٹھری کی طرح پڑے ہوئے وجود کی نبض دیکھی۔ ہاتھ لگا کر دل کی دھڑکن محسوس کرنے کی کوشش کی اور پھر خوشی سے مغلوب ہوکر میرے پاس آگیا "وہ مردود واقعی مرچکا ہے۔"

"ناگر ایک ناگہانی مصیبت بن کر ہمارے سروں پر نازل ہوا تھا مگر اب اس کی لاش ہمارے لیے ایک انعام بن سکتی ہے" میں نے اسے مزید خوش خبری سنائی۔

عابد اسی لمحے سب کچھ جان لینے پر مصر تھا مگر میرے لیے وقت بہت قیمتی ہوچکا تھا۔ میں جلد از جلد اس ویران اور منحوس عمارت سے باہر نکل جانا چاہتا تھا۔ میں نے اسے صبر کرنے کا مشورہ دے کر اپنی توجہ تجوری پر مرکوز کردی۔

بیم گن کی اگلی ہوئی نیلگوں دھار آہن و فولاد کی بدترین دشمن تھی۔ تجوری کا تالا ذرا سی دیر میں رال بن کر بہہ گیا مگر فوری طور پر تجوری نہ کھل سکی۔ دروازے میں قفل سے کوئی اور نظام بھی منسلک تھا جو اپنی جگہ برقرار تھا۔ میں نے عابد کے لیے جگہ چھوڑ دی۔

عابد کے تھیلے میں قفل شکنی کے اوزاروں پر مشتمل ایک تھیلی موجود تھی۔ اس نے تھیلی قالین پر الٹ دی اور اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔

عابد کو بیم گن کی حیران کن کارکردگی دیکھنے کا شوق تھا اور وہ میرے سر پر مسلط تھا مگر مجھے اس کی مہارت سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ میں نے بڑھ کر ناگر کی لاش کا جائزہ لیا۔ اس کا دم نکلنے کے بعد اس کی پیشانی کے زخم سے خون کا بہاؤ رک چکا تھا۔

ناگر کو مرے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔ اس کی ہڈیوں کے جوڑ اس وقت تک نرم اور گرم تھے جب میں نے پنڈلیاں پکڑ کر ذرا سا زور لگایا تو اس کی سکڑی ہوئی لاش فرش پر پھیل کر سیدھی ہوگئی۔ میں اسے ٹانگوں سے گھسیٹتا ہوا عابد کے پیچھے اور تجوری کے اتنے قریب لے آیا کہ ہم دونوں کے کاموں میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے۔

تالا کٹ چکا تھا لیکن تجوری کا وزنی دروازہ اپنی جگہ پر موجود تھا۔ شدید محنت کے باعث عابد پسینوں میں نہا چکا تھا مگر دروازے میں جنبش کے آثار نہیں تھے۔ میں نے نزیش کے دفتر کا پنکھا کھول دیا تاکہ حبس اور گرمی کا احساس کم ہوسکے۔

عابد نے اپنی ناکامی کے بارے میں ایک لفظ نہیں کہا تھا مگر مجھے احساس تھا کہ ابتدا میں اس کا مشورہ نہ مان کر میں نے غلطی کی تھی۔ تجوریوں میں عام تالے استعمال نہیں ہوتے۔ چابی کے لیور کے ذریعے کئی پوشیدہ بولٹ اور کھٹکے وغیرہ حرکت میں آتے ہیں جو دروازے کو اس کی جگہ منجمد کردیتے ہیں۔ میں نے عجلت میں تالا پگھلا کر وہ نظام درہم برہم کردیا تھا۔ اگر عابد کو پہلے ہی کسی تدبیر سے تالا کھولنے کا موقع دیا جاتا تو پورا میکانزم حرکت میں آتا اور دروازہ آسانی سے کھل جاتا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ ہم پھنس گئے ہیں" میں نے عابد کی دل جوئی کے لیے کہا۔

"دیر ہورہی ہے مگر دروازہ ضرور کھلے گا" اس نے اپنی آستینوں سے پیشانی اور چہرے پر آیا ہوا پسینہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

"کہو تو میں بیم گن سے دروازے کے قبضے کاٹ دوں" میں نے اس کی رائے جاننا چاہی۔

"دروازے کی طرح قبضے بھی بہت موٹے ہوں گے۔ وہ اندر پوشیدہ ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ تمہاری گن کا چارج ختم ہوجائے اور قبضے پوری طرح نہ کٹیں۔ گرین کوبرا فائل کے لیے میں اس سے بھی بڑا چیلنج قبول کرسکتا ہوں۔"

وہ مسکرا کر دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔ میں نے نزیش شرما کی میز کا جائزہ لینا شروع کردیا۔

نزیش کی میز پر رکھے ہوئے کاغذ قطعی غیر اہم تھے۔ وہ اپنا ہر ضروری کاغذ مقفل رکھنے کا عادی معلوم ہوتا ہے۔ اہم

Downloaded from https://paksociety.com

منصب پر فائز ایک ذمے دار افسر کے لیے ایسی احتیاط ضروری سے بڑھ کر ناگزیر تھی۔ اس کی میز کی درازیں مقفل تھیں۔

کمرے کے قالین پر خون کے داغ اور وہاں ناگر کی لاش کی موجودگی میں یہ بات چھپنے والی نہیں رہی تھی کہ را کے اس دفتر میں کچھ لوگ چوری چھپے گھسے تھے۔ ویسے بھی جلے اور کٹے ہوئے تالوں سے لے کر مجروح تجوری تک' مداخلتِ بے جا کے متعدد شواہد موجود تھے۔ میں نے دفتری اسٹیشنری کی مدد سے زور آزمائی کرکے نریش کی درازوں کے تالے توڑ دیے۔

تین درازوں میں سے نچلی دراز میں نریش کے ذاتی استعمال کی اشیا موجود تھیں۔ ان میں جن کی دو نصف بوتلیں سب سے نمایاں تھیں۔ کچھ کیمرے سے لی گئی شرمناک تصاویر کے رنگین پرنٹ تھے۔ میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ وہ ساری تصاویر دیکھ ڈالیں۔ ان میں ایک جگہ رینا نظر آئی لیکن مرد کوئی اجنبی تھا۔ میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ ان تازہ تصاویر میں میرا اور رینا کا کوئی پرنٹ نہیں تھا۔

اوپر کی دونوں درازیں کاغذات اور فائلوں سے بھری ہوئی تھیں۔ میں نے نریش کی کرسی پر بیٹھ کر ان کی ورق گردانی شروع کردی۔

کاغذوں کی تاریخوں اور ان پر مندرج خفیہ احکام یا تبصروں سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ نریش شرما کی رواں سرگرمیوں سے تعلق رکھتے تھے۔ خاص بات یہ تھی کہ ان میں سے کوئی تحریر میرے لیے قابلِ فہم نہیں تھی۔ جو کچھ لکھا ہوا تھا' ہندی میں تھا یا انگریزی کے مہمل الفاظ اور فقروں پر مشتمل تھا۔ شاید وہ ان لوگوں کا دفتری کوڈ تھا جسے باہر کا آدمی آسانی سے نہیں سمجھ سکتا تھا۔

میں پورے انہماک سے ان تحریروں کا جائزہ لیتا رہا پھر اچانک ہی چند ٹائپ کیے ہوئے کاغذ میرے ہاتھ میں آگئے۔ وہ سات اوراق تھے۔ ان کے متن اور ترتیب سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی قسم کی رپورٹ کی نقل تھی۔ ان ساتوں کاغذوں کی پوری عبارت میرے لیے قابلِ فہم نہیں تھی لیکن بعض الفاظ اور فقروں سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ کاغذات پاکستان' بنگلہ دیش' سری لنکا اور نیپال کے بارے میں تھے۔

کہا یہ جاتا تھا کہ را والوں نے پاکستان کے بارے میں ایک علیحدہ اور بھرپور ونگ قائم کیا ہوا تھا۔ پاکستانی ذرائع نے اس بات کی تصدیق کی تھی۔ انل بسواس اس ونگ کا سربراہ تھا۔ اس اعتبار سے نریش شرما کو بھی اسی ونگ سے متعلق ہونا چاہیے تھا۔ اس کی درازوں میں نیپال وغیرہ کے بارے میں کاغذات کا موجود ہونا تعجب خیز تھا۔

مجھے یاد آیا کہ انل بسواس اس عمارت میں ہر روز نہیں آتا تھا' کبھی کبھی ادھر کا رخ کرتا تھا۔ شاید نریش شرما عہدے میں اس سے کم تھا مگر اپنی جگہ دہشت گردی کا خصوصی ماہر تھا۔ یہ ممکن تھا کہ بھارت کے پڑوسی ملکوں میں ہونے والی دہشت گردی کی ہر واردات کے تانے بانے وہی تیار کرتا ہو اور پھر ان کے ایکشن پلان متعلقہ افسران کو بھجوا دیتا ہو۔

وہ سب باتیں بعد میں بھی سوچی جاسکتی تھیں۔ میں نے وہ ساتوں کاغذات تہ کرکے اپنی جیب میں رکھ لیے اور باقی پلندا واپس درازوں میں ڈال دیا۔

میں اپنے کام سے فارغ ہوچکا تھا۔ نریش شرما کے دفتر میں اس کی میز اور تجوری کے سوا کوئی جگہ ایسی نہیں تھی جس پر طبع آزمائی کی جاسکے۔ وقت گزاری کے لیے میں اس کمرے سے نکل کر رام بابو کے دفتر میں گیا۔ وہاں رکھی ہوئی بے وقعت چیزوں سے چھیڑ چھاڑ کی اور راہداری میں نکل گیا۔

راہداری اپنے آخری سرے تک بدستور سنسان پڑی ہوئی تھی۔

اپنے جائزے سے فارغ ہوکر میں واپس لوٹا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ڈیڑھ انچ موٹی فولادی چادر سے بنا ہوا تجوری کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔

عابد علی پسینوں میں نہایا ہوا' گریبان کے بٹن کھولے' پنکھے کے نیچے کھڑا ہوا تھا۔

"آج اس تجوری نے میرا خون پی لیا" میرے قدموں کی آہٹ پر اس نے مڑکر مسکراتے ہوئے کہا "دروازے کے چاروں کونوں پر ایک انچ موٹی سلاخیں ہیں جو لیوروں کے ذریعے تالے سے جڑی ہوئی ہیں۔ تالا بند ہونے پر یہ سلاخیں گہرے سوراخوں میں بیٹھ جاتی ہیں' انہیں نکالنے میں پسینے آگئے۔"

"تالا پگھلایا نہ گیا ہوتا تو شاید تم یہ کام آسانی سے کرلیتے" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"کچھ کہا نہیں جاسکتا" اس نے انکسار سے جواب دیا "یہ بہت ضدی اور پرانا تالا تھا۔ سہ رخی چابی والے تالے بہت مشکل سے کھلتے ہیں۔"

عابد علی ڈسپلن کا آدمی تھا۔ اس نے تجوری کھول لی تھی مگر میری واپسی سے پہلے کسی چیز کو نہیں چھیڑا تھا۔

میں اسے لے کر تجوری کی طرف بڑھ گیا جو دور سے

Downloaded from https://paksociety.com

خاصی بھری ہوئی نظر آرہی تھی۔

نریش شرما نے اس روز دفتر چھوڑنے سے پہلے پاکستانی فائلوں کے پلندے پر کام کیا تھا۔ فیتے میں کسی ہوئی وہ گیارہ فائلیں وسطی خانے میں سب سے اوپر رکھی ہوئی تھیں۔ میں نے جاتے ہی وہ بنڈل پہچان کر عابد کے حوالے کردیا۔

عابد بے تابانہ انداز میں وہ بنڈل لے کر قالین پر بیٹھ گیا۔ وہ اپنی آنکھوں سے گرین کوبرا فائل دیکھنا چاہتا تھا۔

تجوری میں نئی اور پرانی فائلوں کا ایک انبار جمع تھا لیکن گرین کوبرا فائل کے بعد میری ترجیحات کی فہرست میں وڈیو فلم سب سے اوپر آچکی تھی۔

جو کچھ ہوچکا تھا' اسے مٹانا ممکن نہیں تھا۔ میں نے ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر تجوری کے کاغذات باہر نکالنے شروع کردیے۔

فائلوں کے علاوہ تجوری میں کئی چھوٹے بڑے ڈبے اور متعدد آلات بھی نظر آرہے تھے۔ میں کسی لحاظ کے بغیر سامنے آنے والی ہر چیز باہر نکالتا اور قالین پر ڈھیر کرتا رہا۔ قالین پر ڈالنے سے پہلے میں اس فائل یا چیز کا سرسری جائزہ ضرور لے لیتا تھا۔

"یہی ہے.... بالکل یہی ہے" میرے کانوں میں عابد علی کی مسرت سے لبریز آواز آئی۔

"کیا مل گیا جو اتنا خوش ہورہے ہو؟" میں دانستہ انجان بن گیا۔

"مظہر بھائی! یہی گرین کوبرا فائل ہے' وہ جی سی کے دو حرفی کمپیوٹر پرنٹ والی سفید فائل لے کر میرے پاس آگیا۔

"بس' یہ تمہاری ہے۔ بقیہ دس فائلوں میں بھی بہت اہم مواد ملے گا۔ اب مجھے اپنے کام کی چیز کی تلاش ہے۔"

"تمہارے اور ناگر کے درمیان کس فلم کے بارے میں بات ہورہی تھی؟" عابد نے بجھتے ہوئے پوچھا۔

"میری اور رینا کی فلم" میں نے اختصار سے کہا "یہ بات بس اپنی ذات تک محدود رکھنا۔ غزالہ بھی ایسی کسی فلم کے وجود سے لاعلم ہے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ بھول کر بھی یہ ذکر میری زبان پر نہیں آئے گا۔ میں اسے تمہارا کوئی چکما سمجھ رہا تھا۔"

"آدمی خطا کا پتلا ہے" میں نے افسردگی سے کہا "کچھ دیر کے لیے میں بہک گیا تھا۔ وہ لمحے وڈیو کے فیتے پر قید کرلیے گئے۔"

"اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔ رینا جیسی لڑکیاں طوائفوں سے زیادہ خطرناک ہوتی ہیں۔ ایسے حربوں سے لیس ہوکر اپنے شکار پر حملہ آور ہوتی ہیں کہ وہ ان کے جال میں بے بس ہوکر رہ جاتا ہے۔ تمہاری جگہ کوئی زاہد خشک بھی ہوتا تو پھنس گیا ہوتا۔"

عابد کے الفاظ میں میرے لیے دلاسا تھا۔ میں پھر تجوری کی طرف متوجہ ہوگیا۔

قالین پر کاغذات' فائلوں' ڈبوں اور آلات کا ڈھیر پھیل کر ناگر کی لاش تک پہنچ رہا تھا۔

عابد نے گرین کوبرا فائل کا جائزہ لینے کے بعد گیارہ فائلوں کو یکجا باندھ کر نریش کی میز پر رکھ دیا تھا اور نیچے بیٹھا اس انبار کا جائزہ لینے میں مصروف ہوگیا تھا جو میں نے لگایا تھا۔

"میں پرویز یا عبداللہ سے بات کرلوں" بیٹھے بیٹھے اس نے چونک کر کہا۔

"کیوں؟" میں نے اس کی طرف مڑ کر پوچھا "ان کی کیا ضرورت پیش آگئی۔"

"ہمیں اندر آئے ڈیڑھ گھنٹے سے زیادہ وقت ہوچکا ہے۔ وہ دونوں پریشان ہورہے ہوں گے" عابد نے وضاحت کی۔

میں نے سرہلا کر اپنی رضامندی ظاہر کردی۔ وہ اپنے اپریٹس پر ان میں سے کسی سے رابطہ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

عابد کی پہلی کوشش کے جواب میں جی تھری کی طرف سے جوابی پیغام آگیا۔

"آل ویل.... کچھ دیر لگے گی۔ اپنی جگہ تیار اور اسٹینڈ بائی رہو' اوور اینڈ آل۔"

اپنے آدمیوں کو پیغام دے کر وہ دوبارہ نریش شرما کے بکھرے ہوئے ریکارڈ کی طرف متوجہ ہوگیا۔

جیسے جیسے تجوری کا شیطانی پیٹ خالی ہورہا تھا۔ میری مایوسی میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ اچانک عابد نے قدرے اونچی آواز میں نعرہ مارا "مل گئے!"

اس پراسرار اور خوف آور ماحول میں عابد کی وہ اضطراری حرکت حیران کن تھی۔ میرے ہاتھ سے ایک ڈبا چھوٹ گیا۔

"حیرت ہے کہ تم نے یہ دونوں کاغذ نہیں دیکھے۔ یہ تمہارے اصل فنگر پرنٹس ہیں" عابد اپنے ہاتھ میں تھامے ہوئے دو کاغذ میرے پاس لے آیا۔

کاغذ شناسا تھے۔ ان پر سیاہی سے دس انگلیوں کے نشان بھی ثبت تھے لیکن تحریر میرے لیے اجنبی تھی۔ کچھ کہا نہیں جاسکتا تھا کہ وہ فنگر پرنٹس میرے ہی تھے یا عابد کسی اور کے

Downloaded from https://paksociety.com

فنگر پرنٹس سے دھوکا کھا رہا تھا۔

کسی فائل سے نوچے ہوئے وہ کاغذ میں نے اس کے ہاتھ سے لے لیے اور ان کا موازنہ اپنی انگلیوں کے سروں سے کرنے لگا۔

وہ بہت مشکل کام تھا۔ عابد نے میرے تذبذب کو بھانپ لیا اور کہا "کسی وہم میں نہ پڑو۔ دونوں کاغذوں پر دیوناگری رسم الخط میں تمہارا نام لکھا ہوا ہے۔"

"اوہ! تو تم ہندی بھی پڑھ لیتے ہو" میں نے اطمینان کا ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا جو تائید طلب تھا۔

"ہندی اور سنسکرت۔ دونوں کے لیے یہی رسم الخط استعمال ہوتا ہے۔ ایک فائل میں دوسرے کاغذوں کے ساتھ مزید دس بارہ افراد کے فنگر پرنٹس موجود ہیں مگر ان میں سے کوئی پاکستانی نہیں ہے' زیادہ تر نیپالی ہیں۔"

"نیپالی!" میں نے حیرت سے دہرایا "ہو سکے تو ان کے کاغذ بھی نکال لو۔ ہو سکتا ہے کہ تم اس قوم کی کوئی مدد کر سکو۔ راوالے ان پر کچھ زیادہ مہربان معلوم ہو رہے ہیں۔ میں نے نریش کی دراز سے سات کاغذ نکالے ہیں۔ ان میں زیادہ تر نیپال کے بارے میں ہے۔"

"نیپال کے بارے میں یہاں بہت سی کہانیاں گردش میں ہیں۔ شاہ بریندرا سخت آدمی ہے۔ اسے زیر کرنے کے لیے راوالے اس کے شاہی محل میں اپنے آدمی پہنچانے کی سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں۔ راجاؤں اور رانیوں کی بن بیاہی بیٹیاں چھٹیاں منانے کے لیے آئے دن کھٹمنڈو جاتی رہتی ہیں۔ راکی شہ پر بھارت کے سارے راجواڑوں میں دوڑ لگی ہوئی ہے کہ ولی عہد کس کی بیٹی کے جال میں پھنستا ہے۔"

میں نے مزید کوئی سوال نہیں کیا۔ میرے لیے نیپال کے مستقبل سے زیادہ اہم مسئلہ اپنی وڈیو فلم کا تھا جو نہیں مل رہی تھی۔

میں نے اپنے قدموں میں سے وہ ڈبا اٹھالیا جو عابد کا غیر متوقع نعرہ سن کر میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ وہ ڈبا بڑا لیکن وزن میں خاصا ہلکا تھا۔ اسے کھولتے ہی میرے دل کی دھڑکنیں اچانک تیز ہو گئیں۔

اس ڈبے میں وڈیو فلموں کے کیسٹ بھرے ہوئے تھے۔ میں تجوری کو بھول کر' اپنے پھیلائے ہوئے ڈھیر سے دور ہٹ آیا۔

عابد علی ایک فائل سے نیپالیوں کے فنگر پرنٹس نکال رہا تھا۔ میں نے کچھ دور بیٹھ کر ان کیسٹوں کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔

وہ کیسٹ ترتیب اور قرینے سے ڈبے میں لگے ہوئے تھے مگر اوپری قطار میں ہر کیسٹ کے ڈبے کے پشتے پر ہندی میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ ان کی نشان دہی کے لیے انگریزی یا کسی اور زبان کا سہارا نہیں لیا گیا تھا۔

میں اس وقت ایک سنگین ذاتی مسئلے میں الجھا ہوا تھا۔ میرا ذہنی پراگندگی کا شکار تھا مگر قدم قدم پر ہندی زبان کے سامنے اپنی بے بسی کو محسوس کرتے ہوئے میرے ذہن میں بے ساختہ یہ خیال آیا کہ پاکستان میں اردو کو قومی زبان کا درجہ مل جانے کے باوجود اہم سرکاری دفاتر میں داخلے کی اجازت نہیں دی گئی۔ ہر دفتر کا سارا ریکارڈ انگریزی میں رکھا جاتا تھا۔ اول تو بیشتر سرکاری ملازمین کی انگریزی ناقص تھی کچھ نو آموز ایسے بھی تھے جو سنگین غلطیاں کرتے تھے اور اپنے ساتھیوں کے ظالمانہ مذاق کا نشانہ بنتے تھے۔ دوئم یہ کہ ان میں سے کوئی انگریزی سے پیچھا چھڑانے کا آرزومند نہیں تھا۔

وہ بات بہت معمولی اور اہم تھی۔ اگر پاکستانی دفاتر میں بھی قومی زبان رائج ہوتی تو دیوناگری کے عادی' بھارتی سیکرٹ ایجنٹ پاکستانی دفاتر میں اپنی مطلوبہ دستاویزات تک رسائی میں سنگین دشواریاں محسوس کر سکتے تھے۔

میں نے جھنجلا کر کیسٹوں کا پورا کارٹن قالین پر الٹ دیا۔

کیسٹوں کی پرشور کھڑکھڑاہٹ سن کر عابد نے سر اٹھایا اور کیسٹوں پر نگاہ پڑتے ہی اپنی جگہ چھوڑ کر میرے پاس آگیا۔

"کسی ایک پر بھی انگریزی میں کچھ نہیں لکھا تھا" میں نے اس ڈھیر میں سے مزید چند کیسٹ دیکھ کر کہا۔

"یہ کام مجھ پر چھوڑ دو" اس نے ہنستے ہوئے کہا "زبان کے معاملے میں ہندو بہت متعصب ہیں۔"

میں نے سگریٹ سلگائی اور وہ کام اسے سونپ کر اٹھ گیا۔ چند ثانیوں تک اسی دفتر میں ٹہلنے کے بعد میں نے نریش کی کرسی سنبھال لی۔

سرلا کے گیسٹ ہاؤس سے روانہ ہوتے ہوئے مجھے قطعی اندازہ نہیں تھا کہ نریش کے دفتر میں ہم اس بری طرح الجھ جائیں گے۔ یہ اچھا ہی ہوا تھا کہ سرلا' غزالہ کو اپنے ساتھ لے کر کہیں اور چلی گئی تھی۔ وہ گیسٹ ہاؤس میں ہوتی تو میری واپسی میں تاخیر ہونے پر فکر اور تشویش سے ہلکان ہو جاتی۔

تھوڑی دیر بعد عابد نے وہ کیسٹ تلاش کر لیا جس پر

Downloaded From https://paksociety.com

ہندی زبان میں میرے اور رینا کے نام کے مخفف تاریخ کے ساتھ درج تھے۔ عابد سے وہ کیسٹ لے کر میں کچھ دیر تک الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔ مجھے رہ رہ کر قلق ہو رہا تھا کہ میں نے جذبات کی رو میں بہہ کر ایسی سنگین غلطی کی تھی کہ دشمنوں کے پاس مجھے بلیک میل کرنے کا ٹھوس مواد آگیا تھا۔ اگر وہ کیسٹ نہ ملتا تو میں ذہنی طور پر کبھی پرسکون نہیں ہو سکتا تھا۔

میں نے جائزہ لینے کے بعد وہ کیسٹ فائلوں کے ڈھیر پر اچھال دیا۔

"ابھی تم اس کے لیے اتنے مضطرب ہو رہے تھے۔ اب اسے یہاں کیوں چھوڑ رہے ہو؟" عابد نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ اس کمرے کی امانت ہے۔ اسے یہیں رہنا چاہیے" میں نے اپنے فنکر پرنٹس والے کاغذ بھی پھاڑ کر اسی طرف اچھال دیے۔

عابد دوبارہ کیسٹوں کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گیا تھا۔

"یہ سب گند ہے۔ اب اس میں کیا تلاش کر رہے ہو؟" میں نے بے چینی سے پوچھا۔

"پچھلے دنوں ایک وزیر یہاں آئے ہوئے تھے جو کھلی محفلوں میں دل کھول کر شراب پیتے تھے اور پھر سرور میں آکر لڑکیوں اور عورتوں سے چھیڑ چھاڑ کرتے تھے" اس نے ندامت آمیز لہجے میں بتایا "باخبر حلقوں میں افواہیں تھیں کہ راوالوں نے ان کی بعض رنگین راتوں کی خفیہ فلم بندی کی ہے۔"

عابد کی زبان سے وہ ذکر سنتے ہی میرے ذہن میں روشنی کا ایک جھماکا ہوا جس میں اس دور کے ایک شوقین وزیر کا تاریک نام نمایاں تھا۔

"ضروری نہیں کہ اس فلم پر وزیر کا پورا نام لکھا ہوا ہو۔ اس کی فلم مخفف کے حساب سے تلاش کرو" میں نے اسے مشورہ دیا۔

"کسی کیسٹ پر کوئی نام نہیں ہے۔ سب پر مخففات ہیں لیکن مجھے اس وزیر کے پورے نام کا علم نہیں ہے۔ بعض مخفف چار حرفی تک ہیں" عابد نے بے چارگی سے کہا "ہم یہاں تک پہنچ گئے ہیں تو وہ فلم ہمارے ہاتھ آنی چاہیے۔"

"کیا تم اس شخص کے لیے یہ فلم حاصل کرنا چاہ رہے ہو؟" میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"ہرگز نہیں" عابد کی آواز تلخ اور حقارت آمیز ہو گئی "آئی بی ملکی سیاست میں دخل نہیں دیتی۔ ہم سیاست دانوں سے دور رہتے ہیں۔ مجھے اس سے نہیں' اپنے ملک سے ہمدردی ہے۔ شاید یہ فلم دیکھ کر وہ آئندہ کے لیے آوارگی سے توبہ کر لے۔"

"بلاوجہ اپنا وقت برباد نہ کرو۔ وہ تائب ہونے والوں میں سے نہیں ہے۔ اگلے دورے تک اس فلم کو بھول جائے گا۔"

"شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو" عابد نے تلخی سے کہا "ویسے بھی اسے ہر شام دورے پڑتے ہیں' شراب کے دورے... میں نہیں چاہتا کہ اس کی فلم یہاں رہے۔ پچاس سے زیادہ کیسٹوں کو ساتھ لے جانا ممکن نہیں ہے۔"

میں نے نرلیش کی کرسی چھوڑ دی اور نرمی سے کہا "یہ سارے کیسٹ اس ڈھیر میں ڈال دو۔"

اس نے الجھن آمیز نظروں سے میری طرف دیکھا اور پوچھا "تم کیا کرنا چاہ رہے ہو؟"

"یہ ناگر کی چتا ہے جو نرلیش کی تجوری کا پیٹ خالی کر کے تیار کی گئی ہے۔ جاتے ہوئے ہم اسے آگ لگا دیں گے۔ اس آگ میں سب کچھ جل کر بھسم ہو جائے گا۔ بچی ہوئی راکھ راوالوں کے کسی کام نہیں آسکے گی۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" اس نے متعدد کیسٹ اٹھاتے ہوئے کہا "ہر سراغ مٹا دینے کا یہی ایک راستہ باقی رہ گیا ہے۔"

"ہم نے وہاں سے زیادہ ریکارڈ ساتھ نہیں لیا۔ عابد اور اس کے بڑوں کے لیے گرین کوبرا فائل بہت زیادہ اہم تھی۔ ہمیں اس کے ساتھ پاکستان سے تعلق رکھنے والی مزید دس فائلیں مل گئی تھیں۔ دو فائلیں بھارت اور سی آئی اے کے باہمی تعلق کے بارے میں تھیں۔

میں نے ناگر کے خون میں لتھڑے ہوئے بے جان چہرے پر نظر ڈالی۔ پیشانی کی ضرب' آگ اور زہر کے ملے جلے اثرات کے بعد شاید کوئی سر جن یہ سراغ نہیں لگا سکتا تھا کہ اس کی موت کس وجہ سے واقع ہوئی تھی۔

نچلے کی ہوا سے اڑنے والے بعض کاغذ ناگر کی لاش پر آگئے تھے۔ میں چند ثانیوں تک عبرت کا وہ منظر دیکھتا رہا۔

بڑے کارٹن میں سے برآمد ہونے والے تمام کیسٹ کاغذات اور فائلوں کے ڈھیر پر ڈالنے کے بعد عابد تیزی سے اپنے تھیلے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"ٹھہرو۔ تم اس میں کیا تلاش کر رہے ہو؟" میں نے اسے ٹوک دیا "ہم کوئی دستی بم استعمال نہیں کریں گے۔"

"دو چھوٹے آتش گیر بم تجوری اور اس ڈھیر میں چھپا دو" عابد نے التجائی انداز میں کہا "کاغذوں کو تم بے شک آگ لگا دو۔ حرارت پاکر یہ دونوں بم کچھ دیر بعد ہلکی سی آواز

Downloaded from https://paksociety.com

کے ساتھ خود پھٹ جائیں گے اور ہر طرف آگ پھیل جائے گی۔"

میں نے سر کی جنبش سے اس کی تجویز منظور کرلی۔ اس ڈھیر میں موجود ہر چیز کو جلا کر راکھ کردینے کے لیے آتش زنی کا وہ متبادل اور موثر طریقہ ہمارے لیے سودمند تھا۔ چند ثانیوں میں عابد نے اپنے تھیلے میں سے دو چھوٹے بیضوی گولے نکال لیے۔

ایک گولا تجوری کے نچلے خانے میں رکھ دیا گیا۔ دوسرا فائلوں کے ڈھیر میں دبادیا گیا۔ اس سے ذرا دور ناگر کی لاش مصنوعی ریشے سے بنے ہوئے فرشی قالین پر پڑی ہوئی تھی۔ قالین کا ہر ریشہ آگ کے لیے بہت زیادہ پرکشش تھا۔

میں پہلی فرصت میں بیم گن اپنے جیب میں ڈال چکا تھا۔ عابد نے بھی اپنا ریوالور قالین پر سے اٹھالیا تھا۔ اس نے آخری بار کمرے کا جائزہ لیا اور ناگر کا بڑے بور کا پستول میگزین سمیت اپنے تھیلے میں رکھ لیا اور تکیے کا سوئچ آف کردیا۔

عابد اور اس کے آدمی دشمن کی سرزمین پر اپنی بقا اور اپنے ملک کے تحفظ کی جنگ لڑ رہے تھے جس میں ان کے لیے ہر آتشیں ہتھیار بہت بیش قیمت تھا۔

عابد نے شولڈر اسٹریپ کے ذریعے بیگ کندھے پر لادا۔ میں نے دیا سلائی جلائی۔ اس سے ایک کاغذ کو آگ دکھائی اور پھر تیزی سے جلتا ہوا وہ کاغذ فائلوں وغیرہ کے انبار پر ڈال دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے دوسرے کاغذوں نے بھی آگ پکڑلی۔ ہم کمرے کا بلب بجھائے بغیر باہر نکل آئے۔ ساری فائلیں عابد کے قبضے میں تھیں۔

ناگر ایک بگولے کی طرح ہمارے اس مشن میں داخل انداز ہوا تھا۔ اس نے آتے ہی سب کچھ درہم برہم کرکے رکھ دیا تھا لیکن آخر کار وہ ایک کتے کی سی موت مارا گیا تھا۔ عمارت کا چوکیدار شاید چھت کے کمرے میں پڑا بے خبر سو رہا تھا۔ ہماری واپسی کی راہ روکنے والا کوئی نہیں تھا۔

عمارت میں داخل ہوتے ہوئے ہم محتاط اور متفکر تھے لیکن واپسی میں کوئی خطرہ نہیں تھا۔ ہم پنجوں کے بل تقریباً دوڑتے ہوئے صدر دروازے تک پہنچے، بولٹ گرایا اور دروازہ کھول کر تیزی سے باہر نکل گئے۔

اس وقت برآمدہ بالکل تاریک تھا۔ پرویز اور عبداللہ نے موقع پاکر وہاں جلنے والا بلب توڑ دیا تھا۔

ہماری دونوں گاڑیاں سپاہیوں کے کمرے کے پیچھے موجود تھیں۔ پرویز نے تاریکی میں سے ہلکی سی ششکاری دی۔ عابد تیزی سے اسی طرف ہولیا۔

"دونوں سپاہی گہری نیند میں مدہوش ہیں" پرویز نے تاریکی میں سے نمودار ہوکر بتایا۔ "عمارت کے دوسرے پہلو پر ایک گاڑی کھڑی ہوئی ہے۔"

"اسے بھول جاؤ اور یہاں سے نکل چلو" عابد نے تیز سرگوشی میں ہدایت کی اور اپنے کندھے سے لٹکا ہوا ہتھیاروں کا تھیلا اسے تھمادیا۔

فائلوں کے ساتھ کاغذ وغیرہ گاڑی میں ڈال کر عابد نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور چند ثانیوں بعد ہم اسی ترتیب میں وہاں سے روانہ ہوگئے جس ترتیب میں سرلا کے گیسٹ ہاؤس سے وہاں پہنچے تھے۔

کچے میدان سے سڑک پر جاتے ہوئے میں نے دیکھا کہ عمارت کے آخری سرے والے کمرے کی کھڑکی کے بند شیشوں کے پیچھے دبے دبے شعلوں کی سرخی لپک رہی تھی۔ یوں معلوم ہورہا تھا جیسے دور لگی ہوئی آگ کا انعکاس ان شیشوں پر پڑ رہا ہو۔

"شاید دوسری طرف کھڑی ہوئی گاڑی ناگر کی ہوگی" چند ثانیوں کی گمبھیر خاموشی کے بعد عابد نے سکوت توڑا۔

"یہ ہماری خوش قسمتی ہے جو اسے یہاں کھینچ لائی۔ رہا والوں کو صحیح صورت حال سمجھنے میں اب کافی وقت لگے گا" میں نے سکون سے جواب دیا۔

"یہ بات تم نے اسے مارنے کے بعد بھی کہی تھی، میرا اندازہ ہے کہ اس کی موت سے معاملہ اور زیادہ سنگین ہوجائے گا۔"

میں دھیرے سے ہنس پڑا "یہ غلط فہمی اپنے ذہن سے جھٹک دو۔ عمارت کے چوکیدار سے لے کر انل بسواس تک کسی کو علم نہیں کہ وہ نریش کے دفتر آیا تھا۔ کسی چھوٹے بڑے کو اعتماد میں لیے بغیر مہم جوئی پر نکل پڑنا اسی لیے خطرناک ہوتا ہے۔"

"یہ اس کی غلطی تھی لیکن وہ راکا قابلِ اعتماد اور پرانا آدمی ہے۔"

"ہے نہیں بلکہ تھا" میں نے اس کی تصحیح کی "یہی بات ہر ایک کو ابھادے گی۔ اسے کسی چور کی طرح عمارت میں داخل ہونے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ بات کبھی سامنے نہیں آسکے گی کہ وہ زنانہ واش روم کے روشن دان سے عمارت میں کودا تھا۔ صدر دروازے کا کھلا ہوا دروازہ اس کی آمد کے راستے کی نشان دہی کرے گا۔ ابتدائی طور پر یہ سمجھا جائے گا کہ سپاہیوں کو بھی اسی نے بے ہوش کیا تھا۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"مگر اسے یہ سب کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کے بڑے اسے جانتے ہیں' وہ یہ سوال ضرور اٹھائیں گے۔"

"کسی کے جاننے سے حقائق نہیں بدل سکتے" میں نے اس کی الجھن سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا "ابھی تمہیں سوچنے کا وقت نہیں ملا۔ میں اس امکان پر مسلسل سوچتا رہا ہوں۔ نریش کے دفتر میں ناگر کی سوختہ لاش کی موجودگی راکو ہلا کر رکھ دے گی۔"

"میں بہت پریشان اور الجھا ہوا ہوں۔ ذرا مجھے بھی سمجھاؤ کہ تمہارے دماغ میں کیا خاکہ بن رہا ہے؟"

"ناگر را سے منحرف ہو چکا تھا۔ کسی نے اسے خرید لیا تھا اور وہ بہت کامیابی سے اپنے دہرے کردار کو چھپا کر اپنے افسروں کو ڈبل کراس کر رہا تھا۔"

"یہ حقیقت نہیں تمہارا قیاس ہے!" عابد نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

"میرا قیاس بھی نہیں ہے۔ یہ وہ کہانی ہے جو کل صبح تیار ہوگی۔ ناگر کے خریدار را کے اہم ترین ریکارڈ تک رسائی چاہتے تھے جو نریش کے دفتر کی تجوری میں محفوظ تھا آج رات موقع پاکر ناگر انہیں اپنے دفتر کی طرف لے آیا۔ اس کی نگرانی میں سپاہیوں کو بے ہوش کیا گیا' تالے کاٹے گئے اور دشمن اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا۔ ان لوگوں کی کامیابی بے داغ تھی۔ ناگر ان کے خلاف اکلوتا گواہ تھا۔ اسے زندہ چھوڑنے کی صورت میں ان خریداروں کو اپنے وعدے کے مطابق اسے بھاری معاوضہ بھی ادا کرنا پڑتا۔ اسے مار کر وہ ہر گواہی سے نجات حاصل کر سکتے تھے۔ ان کی بڑی رقم بھی بچ جاتی۔ ناگر کی مدد سے نریش کے دفتر میں اپنا کام مکمل کرنے کے بعد انہوں نے ناگر کو مار دیا۔ صورتِ حال کو پیچیدہ بنانے کے لیے دفتر میں آگ لگائی اور خاموشی سے فرار ہوگئے۔"

"بہت لرزہ خیز اور جاندار کہانی ہے۔ سب کڑیاں آپس میں مربوط نظر آتی ہیں" اس نے تعریفی لہجے میں کہا۔

"یہ ابتدائی نظریہ ہوگا۔ وہ اسی سمت میں اپنا کام شروع کریں گے۔ اس کے بعد جو ہوگا وہ ہوتا رہے گا۔"

"یہاں کی سیاسی فضا میں سارا الزام پاکستان پر آئے گا۔" عابد کو خیال آیا۔

"انل بسواس کہہ چکا ہے کہ اسے بھارت میں سرگرم پاکستانی ایجنسیوں کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہے۔ وہ پاکستانیوں یا چینیوں پر شبہ کر سکتے ہیں مگر کوئی الزام تراشی نہیں کر سکتے۔ ان کا ایک اہم آدمی منحرف ہو رہا تھا۔ خریدار اس کا سودا کر رہے تھے اور بھارت کی تمام ایجنسیاں سوئی ہوئی تھیں۔ کسی کو پتا نہیں چلا کہ ناگر نے پیسے کے لالچ میں سب کچھ داؤ پر لگانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔"

"تم بہت دور تک دیکھ لینے کی صلاحیت رکھتے ہو۔ تمہارے ساتھ کام کرتے ہوئے میں اپنے اندر ایک نیا اعتماد پیدا ہوتا ہوا محسوس کر رہا ہوں" وہ بولا۔

"تمہارے وہ گمنام ساتھی جو بھارتی ایجنسیوں کی نظروں میں آئے ہوئے ہیں' کسی حد تک دباؤ میں آجائیں گے لیکن ان پر بھی ہاتھ نہیں ڈالا جاسکے گا کیونکہ ان کی نقل و حرکت پر بھارتیوں نے پہلے سے نظر رکھی ہوئی ہے" میں نے بتایا۔

"اور ہم تینوں کا گرفت میں آنا بد قسمتی کے سوا کچھ نہیں ہوگا" اس نے میری بات آگے بڑھائی "ہم نے ابھی تک خود کو بہت کامیابی سے چھپایا ہوا ہے کیونکہ ہم غیر ضروری طور پر سامنے آنے اور ہاتھ پیر چلانے سے گریز کرتے ہیں۔"

"پروگرام بنالیا تھا لیکن ایسی شان دار کامیابی میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی" میں نے اپنے دل کی بات عابد سے کہہ ڈالی "ناگر نے ناگہانی طور پر درمیان میں کود کر ہم سب کے لیے متعدد آسانیاں فراہم کردی ہیں۔"

"را کے دفاتر میں کئی دنوں تک صفِ ماتم بچھی رہے گی۔ را جیسی مضبوط ایجنسی کے ایک پرانے افسر کی غداری معمولی بات نہیں سمجھی جاسکتی۔ جب تک کوئی سرا ان کے ہاتھ آئے گا تم پاکستان واپس جاچکے ہوگے۔"

"ناگر نے اس ڈور کو ایسا الجھایا ہے کہ کسی کے ہاتھ کوئی سرا نہیں آئے گا" میں نے پورے اعتماد سے کہا۔

"اچھا ہے کہ یہ لوگ اپنی آگ میں خود جلتے رہیں۔ ان ہندوؤں نے اپنے چاروں طرف بسے ہوئے پڑوسیوں کو خوف و ہراس میں مبتلا کیا ہوا ہے۔ افسوس اور بد قسمتی کی بات یہ ہے کہ امریکا جیسی اکلوتی سپر پاور ان کی ہم نوا بنی ہوئی ہے" عابد نے اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔

"شاید امریکا کو بھارت سے اتنی محبت نہیں ہے جتنی چین سے نفرت ہے۔ چین کے خلاف دونوں کے مفادات مشترک ہیں۔ اس ایک نکتے پر امریکا بھارتیوں کی ہر جائز اور ناجائز بات کی حمایت کرتا ہے" عابد کا ان موٹی موٹی سیاسی حقیقتوں سے واقف ہونا ضروری تھا۔

"پھر تو امریکا اور بھارت کو نیپال کا ہمدرد ہونا چاہیے۔ وہ ہمالیہ میں چین کا قریب ترین پڑوسی ہے" عابد نے دلیل پیش کی۔

"وہ بہت چھوٹا ملک ہے۔ ایسی مفاہمت بڑے اور

Downloaded from https://paksociety.com

طاقتور ملکوں کے درمیان ہوتی ہے۔"

"تمہاری ہر بات اپنی جگہ پر سو فیصد درست ہوتی ہے۔ دونوں بڑوں نے مل کر کئی برسوں سے اس خطے میں چھوٹی قوموں کا جینا اجیرن کیا ہوا ہے" عابد نے ایک طویل اور گہرا سانس لے کر کہا "پاکستان چھوٹی قوموں میں سب سے بڑا ہے اس لیے زیادہ عتاب میں رہتا ہے۔"

"بنگلہ دیش کے ساتھ بھی یہی سلوک ہو رہا ہے" میں نے اسے یاد دلایا "وہاں بھارتی ریشہ دوانیاں اتنی بڑھ گئی ہیں کہ رائے عامہ ایک قابل لحاظ پاکستان کے ساتھ قریبی مراسم کا مطالبہ کرنے لگی ہے۔ یہ ایک بہت بڑی تبدیلی ہے۔"

"میں حیران ہوں کہ نیپال جیسے چھوٹے اور امن پرور ملک میں را اتنی دلچسپی کیوں لے رہی ہے۔"

میں نے اس کی بات کاٹ دی "تھوڑی دیر پہلے تم اس بارے میں کچھ بتانا چاہ رہے تھے؟"

"یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ بھارت میں شاہ بریندرا کو ان کے رجحانات اور جھکاؤ کی وجہ سے پسند نہیں کیا جاتا۔ ہر حربے میں ناکام ہونے کے بعد را نے شاہ کے گرد اپنا گھیرا ڈالنا شروع کر دیا ہے۔ حد یہ ہے کہ ولی عہد کو بھی نہیں بخشا جا رہا۔ لمبی منصوبہ بندی کے تحت کوشش کی جا رہی ہے کہ بھارت کے کسی بارسوخ گھرانے کی کوئی دوشیزہ ولی عہد کی بیوی بننے میں کامیاب ہو جائے۔"

"کچھ کاغذات اور فائلیں تمہارے پاس ہیں۔ سات کاغذ میری جیب میں ہیں" میں نے ہنس کر کہا "انہیں پڑھ کر بھارت کے عزائم کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہو سکے گا۔ تم نے گرین کو برا فائل دیکھی ہے' اس بارے میں وہ کیا کہتی ہے؟"

"اس میں ہندی ہے نہ انگریزی۔ ہر کاغذ کریپٹوگرافی میں ہے۔ ایسی خفیہ تحریریں ہر ایک نہیں پڑھ سکتا" اس نے انکشاف کیا "اسلام آباد میں بیٹھے ہوئے ماہرین ان تحریروں کا ایک ایک لفظ پڑھ لیں گے۔ اس کے بعد کچھ سامنے آئے گا۔"

عابد کی زبان سے وہ خبر سن کر مجھے مایوسی ہوئی۔ بہت کچھ جان لینے کا شوق جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

"یہ سب فائلیں وغیرہ تم کس طرح پاکستان بھجواؤ گے؟" میں نے رسمی طور پر پوچھ لیا۔

"ہم پاکستان کے سفارتی عملے سے دور رہتے ہیں ورنہ سفارتی ڈاک کا تھیلا ہر اعتبار سے محفوظ رہتا ہے۔"

"تم نے ایک عام سی بات بتا دی۔ میں نریش شرما کے دفتر سے حاصل کیے ہوئے ریکارڈ کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔"

وہ چونک پڑا اور معذرت خواہانہ لہجے میں بولا "معاف کرنا۔ میں کسی اور خیال میں کھو گیا تھا۔ تم آج امرتسر اور پھر وہاں سے لاہور جا رہے ہو۔ ان فائلوں وغیرہ کی اہمیت کو تم سے زیادہ کون سمجھ سکتا ہے۔ تمہارے ذریعے یہ جلال صاحب تک پہنچیں گی۔"

میں سوچ میں پڑ گیا کیونکہ عابد کی تجویز اتنی سادہ اور سہل نہیں تھی۔

پیش گوئی

چوہدری احمد دین نے اپنے گاؤں سے دوسرے گاؤں جاتے وقت راستے میں دیکھا' ایک کم عمر لڑکا ایک ٹھیلے کو دھکیلتے ہوئے پہاڑی عبور کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ٹھیلے پر کئی بوریاں لدی ہوئی تھیں۔ ازراہ ہمدردی چوہدری احمد دین نے اس کے ساتھ مل کر دھکا لگانا شروع کیا۔ دونوں کو پہاڑی عبور کرنے میں دانتوں پسینے آ گئے۔ دوسری طرف پہنچ کر احمد دین ہانپتے ہوئے بولے "تمہیں اتنا وزن کس نے دے کر بھیجا تھا؟"

"میرے باپ نے" لڑکے نے جواب دیا۔

"اس نے سوچا نہیں کہ وزن تمہاری بساط سے بہت زیادہ ہے؟ تم اکیلے بھلا اسے پہاڑی کے دوسری طرف کیسے لا سکتے تھے؟" احمد دین نے ناگواری سے کہا۔

"ابا نے کہا تھا' تم ٹھیلا لے کر روانہ تو ہو جاؤ.... راستے میں ضرور کوئی بے وقوف کا بچہ مل جائے گا جو تمہارے ساتھ لگ جائے گا" لڑکے نے معصومیت سے جواب دیا۔

○☆○

Downloaded from https://paksociety.com

وہ اپنی دانست میں صحیح سمت میں سوچ رہا تھا۔ اس ریکارڈ کا دیر تک بھارت میں رہنا مناسب نہیں تھا۔ ان فائلوں اور کاغذوں کو جلد از جلد پاکستان پہنچ جانا چاہیے تھا۔ مجھے وہ کام اپنے سر لینے میں کوئی عذر نہیں تھا لیکن میں خود را والوں سے چھپ کر پاکستان فرار ہو رہا تھا۔ میری پوزیشن مخدوش تھی۔ میرے پاس اس قدر مختصر سامان تھا کہ اس میں گیارہ فائلوں اور بہت سے کاغذوں کا چھپانا ممکن نہیں تھا۔

دہلی سے امرتسر اور پھر اٹاری تک مجھے کہیں بھی کوئی رکاوٹ پیش آسکتی تھی۔ جب تک میں بھارتی سرزمین چھوڑ کر پاکستان کی سرحد میں داخل نہ ہو جاتا' مجھے اطمینان نہیں ہو سکتا تھا۔ ان فائلوں میں بیشتر کاغذات سرکاری تھے جو را کے لیٹر ہیڈ پر چھپے یا لکھے ہوئے تھے۔ اگر کہیں میرے سامان کی تفصیلی جانچ پڑتال کی نوبت آجاتی تو میرے لیے اس سوال کا جواب دینا ناممکن ہوتا کہ را کے سرکاری کاغذات میری تحویل میں کیوں تھے؟

وہ ریکارڈ مجھ سے چھن سکتا تھا اور اس کی وجہ سے میری عافیت خطرے میں پڑ سکتی تھی۔ وہ کاغذات اتنے خطرناک تھے کہ جس غیر متعلقہ آدمی کی تحویل میں پکڑے جاتے وہ اپنی قومیت سے قطع نظر ایک بڑے عذاب میں مبتلا ہو جاتا۔

میں نے عابد کی وہ تجویز سن ضرور لی مگر اسے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔ میں ان کاغذات کو عابد کی ذمے داری بنا کر اپنی جان نہیں چھڑانا چاہتا تھا بلکہ پوری نیک نیتی کے ساتھ ان فائلوں وغیرہ کو جلد از جلد پاکستان بھجوانے یا لے جانے کا خواہاں تھا۔ اس بارے میں سوچے سمجھے بغیر کیا جانے والا کوئی بھی غلط فیصلہ ہم میں سے کسی کے گلے کی ہڈی بن سکتا تھا۔

ہمیں را کے دفتر سے روانہ ہوئے خاصی دیر ہو چکی تھی۔ میں نے اضطراری طور پر گردن پیچھے گھمائی تو سڑک تاحد نظر ویران پڑی ہوئی تھی۔

"جی تھری اور جی فور کہاں غائب ہو گئے؟" میں نے متوحش لہجے میں عابد سے پوچھا۔

"یہ بات میں تمہیں بتانا بھول گیا تھا" اس نے خفت آمیز لہجے میں کہا "یہ طے ہو چکا تھا کہ ہماری کامیاب واپسی پر وہ سیدھے اپنے ٹھکانے کی طرف نکل جائیں گے۔ ہم کو غیر ضروری طور پر ایک دوسرے کے قریب نہیں رہنا چاہیے۔"

"اچھا فیصلہ تھا مگر میرے علم میں آنا چاہیے تھا۔ اب ہم دونوں کہاں جا رہے ہیں؟" میں نے اپنی ناپسندیدگی کا خفیف سا اظہار کرتے ہوئے سوال کیا۔

"ہم گیسٹ ہاؤس ہی جائیں گے" اس کی آواز سے بدستور ندامت جھلک رہی تھی۔

میں نے روشن ہندسوں اور سوئیوں والی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔ اس وقت صبح کے چار بجنے والے تھے۔ میں نے نرمی سے کہا "گیسٹ ہاؤس کے بجائے کیوں نہ اسی ٹھکانے کا رخ کیا جائے جہاں سرلا' غزالہ کے ساتھ گئی ہوئی ہے۔"

"چار بجنے والے ہیں" عابد نے ڈیش بورڈ کی گھڑی کی طرف دیکھ کر کہا "ایسا نہ ہو کہ ہم ادھر پہنچیں اور وہ دونوں گیسٹ ہاؤس کے لیے نکل چکی ہوں۔ ویسے بھی وہ ٹھکانا میرا دیکھا بھالا نہیں ہے۔ ایک مرتبہ رات کے وقت گیا تھا۔ شاید اس وقت یادداشت میرا ساتھ نہ دے سکے۔"

"ٹھیک ہے۔ پھر گیسٹ ہاؤس ہی چلو۔ وہاں سے تھوڑی دیر بعد ائرپورٹ کے لیے نکلنا ہوگا۔ ہمارے ٹکٹ کہاں ہیں؟"

"صبح کی پرواز پر دونوں نشستیں کنفرم ہیں۔ ٹکٹ ائرپورٹ پر تیار ملیں گے۔"

ہم دونوں خاموش ہو کر اپنی اپنی سوچوں میں ڈوب گئے۔ گاڑی تیزی سے اپنا سفر طے کرتی رہی۔

میرے ذہن میں رہ رہ کر وہ خدشات سر ابھارنے لگے تھے جن کا ذکر میں غزالہ کی زبان سے سن چکا تھا۔

ہم پاکستان کے بدترین دشمن ملک کی سرزمین پر تھے اور اس کی رسوائے زمانہ سیکرٹ سروس' را سے برسرپیکار تھے۔ را والے اتنے مکار اور چالاک لوگ تھے کہ اپنے سائے تک سے بھڑکتے تھے اور کسی پر اعتماد نہیں کرتے تھے لیکن میرے ساتھ پیش آنے والے واقعات میں کچھ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے انل بسواس اور نریش شرما کی عقلوں پر برف جم گئی ہو یا پھر وہ اپنے گھر میں ہونے کی وجہ سے ضرورت سے زیادہ پراعتماد ہیں۔

بھارت میں ہماری پے در پے کامیابیاں قابلِ فخر تھیں لیکن ان میں تشویش کا ایک بھیانک پہلو بھی پنہاں تھا۔ ہر دلیل' جواز اور واقعات کے پیچ و خم کے باوجود مجھے اندیشہ محسوس ہو رہا تھا کہ بھارتیوں کی وہ خاموشی کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ بننے والی تھی۔ وہ طوفان ہماری واپسی کے سفر کے کسی بھی مرحلے پر سر اٹھا سکتا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

Downloaded from https://paksociety.com

گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کے ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مگاؤ میں ژون کو انگ ٹونامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئرک بیل نامی ایک کمسن پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر ورسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مال وسائل پر قابض ہو کر انہیں ڈبوڈ اسٹار زنامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جبی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئرک بیل اس غلط فہمی کو بہتر ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی اہم شخصیات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا تو مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا' ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈبوڈ اسٹار زاور امریکی حکومت کے باہمی ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کے افشا ہونے کے باعث انہیں کی نظریں مستوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ یہاں سے نکالے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آ گئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی دوران میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم اوبرائن ڈی ہنٹ ہمارے سامنے آیا۔ وہ بہت محتاط تھا مجھے اس سے کرنل جمال دستی کی حیثیت میں ملاقات کرنی پڑی۔ اس نے میرے اور اول خان کے قتل پر تلے ہوئے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر خوف زدہ بھی تھا' اس لیے نئی دہلی فرار ہو گیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل کے ذریعے نئی دہلی میں ہی ٹھکانے لگوا دیا گیا۔ رستم خود بھی کم نہیں تھا' جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا سرگرم رکن تھا اور پاکستان میں رہتے ہوئے اسرائیلی مفاد کے لیے کام کر رہا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا محاصرہ کیا اور اس نے خود کشی کر لی۔ اس کی خود کشی پر فریم انٹرنیشنل کے غیر معمولی واویلا مچانے پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرام الٰہی تھا جو خود فریم انٹرنیشنل کے دفتر میں متعین پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کر رہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت خانہ کا روپ رائفل کو بھی اپنے حدسے بے رحمانہ ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ اس کی غیر معمولی اہمیت کے باعث میں اس سے ملنا چاہتا تھا مگر وہ بہت کامیاں نکلا اور سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے میں کامیاب ہو گیا جسے ہم نے میرپور خاص سے بازیاب کرالیا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا تھور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارت چلا گیا ہے۔ ہمارا اگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا جو حیدر آباد سے غزالہ اور سلطان شاہ کی کار کا تعاقب کر کے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہو چکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن داخل ہو گیا' نہایت پُرسکون سے اس نے ہمیں یرغمال بنا لیا۔ ہم نے خوف زدہ ہو کر فرار ہونے کی کوشش میں ٹریفک کے حادثے میں شدید زخمی ہو چکا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار بالی میں موجود رائے پُاتالی ونگ کے سربراہ اگل سواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا۔ کراچی میں موجود بہبود بخشی کو ہمارے بارے میں پتہ سن گن مل گئی تھی لہٰذا اسے ذہنی طور پر ناکارہ بنا دیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ گوئند رپال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کر چکا تھا۔ گوئند رپال اپنے دو آدمیوں کے ساتھ روی کو مارنے میں کامیاب ہوا مگر اس کے وہ گرتے میرے تعاقب میں بھی ثابت ہوئے' ان سے مجھے گوئند رپال کا فون نمبر بھی مل گیا جس کے بعد گوئند رپال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ ہم انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئے۔ وہاں بھی این جی او زکی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں۔ ان ہی میں ایک ایڈ این جی او "نیو من سوسائٹی" فلاحی کاموں کی آڑ میں بہبود سازی میں استعمال ہونے والے نیٹ ورک ایجنٹ کی تلاش میں تھے۔ اسی اثنا میں راکی خوب رائٹ ریٹائرڈ ایئر چیف کی غیر قانونی اسکلپٹ اور لاہور میں بہبود کی پھیلائے گئے مذموم کاروبار میں ملوث تھی۔ اس کا بہبود سے علم ہو سکتا ہے۔ پاکستان سے اول خان نے مجھے آگاہ کیا کہ وہاں نظیر خان کے پاسپورٹ پر درج مندرجات کی تصدیق کی گئی تھی۔ رینا سے میری دوسری ملاقات بدترین سواس سے علم ہو سکتا ہے۔ پاکستان سے اول خان نے مجھے آگاہ کیا کہ وہاں نظیر خان کے پاسپورٹ پر درج مندرجات کی تصدیق کی گئی تھی۔ رینا سے میری دوسری ملاقات بدترین کا شکار ہو گئی۔ اس لی ابتدا میں ہی رائے تیز خوار سفاک ایجنٹ ناگر نے میری انگلیوں کے نشانات حاصل کیے اور پھر بعد میں رینا نے مجھے بتایا کہ میری اور اس کی پھیلی، تعمین ملاقات ویڈیو فلم کے فیتے پر محفوظ کی جا چکی تھی۔ اب مجھے ہر قیمت پر راکے لیے کام کرنا تھا۔ ویرا جان امتحہ کے چکر میں تھی مگر میں نے اسے حقائق سے آگاہ کر دیا اور وہ فی الحال اپنی سرگرمیوں کو معطل کرنے پر رضامند ہو گئی۔ میں نے راکے دفتر میں اعلیٰ سواس اور شراد دونوں سے ملاقات کی اور دیگر امور کے علاوہ انہوں نے مجھے میری تلاش کا بڑا کام سونپ دیا۔ شراکے دفتر میں مجھے گرین کوبرا فائیل نظر آ گئی۔ راکے دفتر سے میری تحریت واپسی نے میرے حوصلوں کو مہمیزی اور میں نے اسی رات راکے دفتر میں نقب لگا کر تمام ضروری مواد نکال لینے کا فیصلہ کر لیا۔ کوپال میرا ہم نوا تھا۔ میں نے اس سے پہلے غزالہ کو جان امتحہ کا کام تمام کرنے روانہ کر دیا۔ ہوٹل سراٹ میں غزالہ سے ویرا نکراگوا کی۔ اس نے اپنے شہر کی سلامتی اور اپنی ذمہ داری کے پیش نظر ہمیں کرشن کمار کا پتا بتا دیا۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن داخل ہو گیا' نہایت پُرسکون سے اس نے ہمیں یرغمال بنا لیا۔ ہم نے خوف زدہ ہو کر فرار ہونے کی کوشش میں ٹریفک کے حادثے میں شدید زخمی ہو چکا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار بالی میں موجود رائے پُاتالی ونگ کے سربراہ اگل سواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا۔ کراچی میں موجود بہبود بخشی کو ہمارے بارے میں پتہ سن گن مل گئی تھی لہٰذا اسے ذہنی طور پر ناکارہ بنا دیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ گوئند رپال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کر چکا تھا۔ گوئند رپال اپنے دو آدمیوں کے ساتھ روی کو مارنے میں کامیاب ہوا مگر اس کے وہ گرتے میرے تعاقب میں بھی ثابت ہوئے' ان سے مجھے گوئند رپال کا فون نمبر بھی مل گیا جس کے بعد گوئند رپال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ ہم انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئے۔ وہاں بھی این جی او زکی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں۔ ان ہی میں ایک ایڈ این جی او "نیو من سوسائٹی" فلاحی کاموں کی آڑ میں بہبود سازی میں استعمال ہونے والے نیٹ ورک ایجنٹ کی تلاش میں تھے۔ اسی اثنا میں راکی خوب رائٹ ریٹائرڈ ایئر چیف کی غیر قانونی اسکلپٹ اور لاہور میں بہبود کی پھیلائے گئے مذموم کاروبار میں ملوث تھی۔ اس کا بہبود

ہوئی فائلوں کا پلندہ پوری احتیاط اور مضبوطی کے ساتھ یوں اپنی بغل میں دبایا ہوا تھا جیسے ذرا سی بھی بے پروائی کی صورت میں وہ فائلیں اس کی تحویل سے نکل کر کھلی فضا میں تحلیل ہو جائیں گی۔

"سرلا ابھی تک نہیں لوٹی۔" اپنے کمرے کا تالا کھولنے کے بعد عابد علی بڑبڑایا "تمہاری امرتسر کی پرواز نہ نکل جائے۔"

"میں کچھ اور ہی سوچ رہا ہوں۔" میں نے نیم روشن کمرے میں ایک کرسی سنبھالتے ہوئے جواب دیا۔

عابد نے فائلوں کا بنڈل پوری احتیاط سے مسہری کے نیچے اس طرح چھپا دیا کہ کسی آنے والے کی نظر اس پر نہ پڑ سکے پھر وہ ہمہ تن میری طرف متوجہ ہو گیا "اب روانگی کے آخری لمحات پر تم کیا سوچ رہے ہو۔"

"اس وقت میرا دہلی سے غائب ہونا مناسب نہیں ہے۔ آج رات کے بارے میں ہر الزام میرے سر پر ڈال دیا جائے گا۔"

میرا جواب سن کر عابد نے کھڑے کھڑے بے چینی سے پہلو بدلا اور کہا "دہلی میں تم کہاں رہو گے؟ خود کو راولوں سے کیسے بچاؤ گے؟"

اس کا اضطراب دیکھ کر میں دھیرے سے مسکرا دیا "اس وقت تم انسانی نفسیات کو بھول رہے ہو۔ اگر میرے ہاتھ صاف ہیں اور میں نے یہاں کوئی جرم نہیں کیا تو مجھے راولوں سے بچنے اور چھپنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں بے خوفی سے ان کا سامنا کروں گا۔"

"نہیں۔ نہیں۔ میں تمہیں ایسی احمقانہ دلیری دکھانے کا مشورہ نہیں دوں گا۔" اس نے بے ساختہ کہا۔ میرے جواب نے اسے پریشان کر دیا تھا۔

اس کے اضطراری جواب پر میں اپنی ہنسی نہ روک سکا۔ میں نے ہلکے سے تادیبی لہجے میں کہا "تم میرے ارادے کو احمقانہ دلیری قرار دیتے ہوئے شاید یہ بھول گئے کہ اس وقت میں تمہارا چیف ہوں اور تم تینوں مجھ کو جواب دہ ہو۔"

"مجھے تمہارے رتبے سے ذرا بھی انکار نہیں ہے۔" اس نے جلدی سے اپنی صفائی پیش کی "تم ہمیں حکم دو تو ہم تمہارے ایک اشارے پر اپنی جانوں کی بازی لگا سکتے ہیں لیکن غلطی ہر حال میں غلطی ہوتی ہے جس کا ارتکاب انسانوں سے ہوتا ہے۔ میں غلطی کی نشان دہی کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ اسے تسلیم کرنا یا نہ کرنا تمہارے اختیار میں ہے۔ تم راولوں کو نہیں جانتے۔ یہ بے جان پتھروں کو بھی زبان کھولنے پر مجبور کر سکتے ہیں۔ ان کے تشدد کے تصور سے سب لرزہ...

برائے نام رہتے ہیں۔ یہ لوگ زندگی کو اس قدر طویل اور کرب ناک بنا دیتے ہیں کہ آدمی سچ اگلنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔"

"تم بھول رہے ہو کہ اس وقت میں ان کا زر خرید انفارمر ہوں۔ انل بسواس کے دور کے ایک اعلیٰ افسر نے مجھے منتخب کیا ہے۔ وہ اس اہم تکلتے کو فراموش کر کے مجھے بلی کا بکرا نہیں بنائیں گے۔"

عابد نے بے چینی سے اپنی رسٹ واچ کی طرف دیکھا اور مجھ سے سوال کیا "ان آخری لمحات پر اپنا سارا پروگرام تبدیل کر کے تم کیا مقصد حاصل کرنا چاہ رہے ہو؟"

"میرا یعنی ڈینی کا نام بے داغ رہے۔" میں نے سگریٹ سلگا کر سکون سے جواب دیا "میں نہیں چاہتا کہ میری اچانک روپوشی کے بعد دہلی کے باخبر حلقوں میں میرے بارے میں ناگفتہ کہانیاں عام ہوں۔ یہ کہا جائے کہ مظہر خان دوغلا سیکرٹ ایجنٹ تھا جو پاکستان کے لیے کام کر رہا تھا مگر اس نے انل بسواس کے ذریعے را کو ڈبل کراس کیا' اس کے اہم ریکارڈ کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کیں اور سب کچھ تباہ کرنے کے بعد اچانک دہلی سے غائب ہو گیا۔"

"یہ کہانی اسی طرح بنے گی۔ تمہارے رک جانے سے ان کی سوچ میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ تم بلاوجہ ایک بھیانک خطرہ مول لینے کی کوشش کر رہے ہو۔ میں تمہیں ایسا کوئی مشورہ نہیں دوں گا۔" عابد علی نے مجھے سمجھانا چاہا۔

"تمہارا خیال ہے کہ وہ خاصی محنت سے ہاتھ آئے ہوئے ایک پاکستانی انفارمر کو خود اپنے ہاتھوں سے ضائع کر دیں گے۔"

"وہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ تم سمجھتے کیوں نہیں کہ چند گھنٹوں بعد نریش شرما کے دفتر میں آتش زنی اور ناگر کی موت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پوری دہلی میں پھیل جائے گی۔ ہوٹل سمراٹ میں جان امتھ کے قتل کی خبر جلتی پر تیل کا کام کرے گی۔ اس وقت وہ سب کچھ بھول جائیں گے۔ ان کا مقصد صرف اور صرف یہ رہ جائے گا کہ وہ جلد از جلد ان وارداتوں کے مجرموں کو پکڑ لیں۔"

اس نے لمحہ بھر کے لیے توقف کیا پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا "ابھی انہوں نے تم سے ابتدائی بات چیت کی ہے۔ ان کی نظروں میں تمہاری کوئی اہمیت یا وقعت نہیں ہو سکتی۔ تم دہلی اور دوسرے شہروں میں آئے ہوئے ہزاروں پاکستانیوں میں سے ایک ہو۔ اپنے ایک خوفناک مجرم کا سراغ لگانے کے لیے انہوں نے تمہاری ہڈیوں کا تیل بھی نکال دیا تو انہیں کوئی قلق نہیں ہو گا۔ بڑا ہدف حاصل کرنے کے لیے چھوٹے مہرے بہت بے رحمی سے پیٹ دیے یا پٹوا دیے

Downloaded from https://paksociety.com

جاتے ہیں۔"

"میں اپنے ہوٹل سے یا دہلی سے غائب پایا گیا تو ان کی تمام توجہ میری طرف مبذول ہو جائے گی۔ انل بسواس سے لے کر بھارت کی وزارت خارجہ تک کے لیے یہ ایک آسان کہانی ہوگی کہ مظہر خان نامی ایک پاکستانی دہشت گرد، ہر بھارتی ایجنسی کی آنکھوں میں دھول جھونک کر دہلی پہنچا اور اپنا کام پورا کر کے اچانک یہاں سے غائب ہو گیا۔ تم یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ ناگر نے غیر متوقع طور پر درمیان میں کود کر کئی آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔"

"میری دانست میں ناگر کی وجہ سے تمہارے لیے خطرات کم نہیں ہوئے بلکہ اور بڑھ گئے ہیں۔" وہ دہشت زدہ لہجے میں بولا "یہ بھی تو کہا جا سکتا ہے کہ تم نے کسی طرح اسے اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ اسے استعمال کر کے نریش شرما کے دفتر میں گھسے اور پھر کام نکلنے کے بعد اسے بھی مار دیا۔"

"میں ایسے احمقانہ نظریات کی پروا نہیں کرتا۔" میں نے رکھائی سے جواب دیا "رینا اجیت رائے گواہ ہے کہ ناگر سے مجھے پہلی ملاقات میں نفرت ہو گئی تھی۔ اس کے دفتر میں میری اس سے ہلکی سی تلخی ہوئی۔ انل بسواس کو معلوم ہے کہ میں نے اس سے ناگر کی شکایت کی تھی۔ وہ سب ناگر کے ساتھی ہیں اور اس کی کینہ پرور فطرت سے واقف ہیں۔ وہ ان میں خونی بھیڑیے کے نام سے مشہور ہے۔ وہ کیسے سمجھ سکتے ہیں کہ ناگر سب کچھ بھول کر اچانک میرے ہاتھوں بک گیا ہوگا۔"

"تم نریش سے بھی کہہ چکے تھے کہ تم آگرہ جا کر غزالہ کو تاج محل دکھاؤ گے اور پھر جلد از جلد پاکستان واپس لوٹ جاؤ گے۔" چند لمحوں کی پرتشویش خاموشی کے بعد عابد علی نے پینترا بدل کر کہا۔

"میں نے اسی ارادے سے انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل چھوڑا تھا۔" میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دیتے ہوئے جواب دیا "مگر اب میں نے چال بدلنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس سے طے شدہ پروگرام کے مطابق مجھے اس کو بتانا چاہیے تھا کہ میں آگرہ جا رہا ہوں.... پھر اس سے وہ رابطہ بھی معلوم کرنے تھے جو کراچی یا پاکستان میں مجھے استعمال کرنے تھے۔ یہ سب نہیں ہوا۔ گرین کوبرا فائل کے لیے ہمیں اچانک اور خاموشی سے ہوٹل چھوڑنا پڑا۔ اب ہم اسی طرح خاموشی سے دوبارہ اسی ہوٹل میں پہنچ جائیں گے۔ راوا لے ہماری طرف آئے تو ہمیں اپنی پرانی جگہ پر موجود پائیں گے۔"

"مظہر خان! یہ معاملہ اب اتنا سیدھا نہیں رہا۔" اس نے اصرار کیا "تم نے اپنا حساب بے باق کر کے ہوٹل چھوڑا تھا۔ یہ بات ہوٹل کے ریکارڈ پر ہوگی۔ تمہاری واپسی تم کو اور زیادہ مشتبہ بنا دے گی۔ رات سے اب تک کے وقت کا تم کیا حساب دو گے؟"

"بس یہی مسئلہ سب سے اہم ہے اور اس کا ایک مسکت جواب موجود ہے۔ ہم اس شہر میں انہی سیاح ہیں۔ ہم کناٹ پلیس اور انڈیا گیٹ وغیرہ میں گھومتے رہے اور پھر اتنے تھک گئے کہ آگرہ روانگی کا ارادہ ملتوی کر دیا۔" میں نے گہری سنجیدگی سے جواب دیا "یہ تم نے بہت اچھا کیا کہ دہلی سے امرتسر کی پرواز پر تم نے میرے اور غزالہ کے لیے مسٹر اور مسز بھلی کے چوپٹہ کے نام استعمال کیے تھے۔ دنیا کی کوئی طاقت یہ ثابت نہیں کر سکے گی کہ ہمارا امرتسر کی طرف فرار ہونے کا کوئی ارادہ تھا۔"

"راجیو ادارے بہت سفاک اور بے رحم ہوتے ہیں۔ وہ ثبوت اور گواہی پر نہیں چلتے۔ بس کسی کے ذہن میں کوئی شک پیدا ہو جائے تو اسی پر کارروائی کا آغاز کر دیا جاتا ہے۔ بقیہ کمی کھوج ڈگری کے تشدد سے پوری کر لی جاتی ہے۔"

"مجھے خوف زدہ کرنے کی کوشش نہ کرو۔ میں آہنی اعصاب کا مالک نہیں ہوں۔" میں نے اپنے لہجے کی سنجیدگی برقرار رکھتے ہوئے کہا "میں نے راستے میں اپنے اقدام کے نتائج کے بارے میں خاصا غور کیا ہے اور فیصلہ کیا ہے کہ میرا یہاں رکنا میرے لیے سود مند ہوگا۔ میں نے فرار یا روپوشی کی راہ اختیار کی تو مظہر خان اور غزالہ کا نام جھنڈے پر چڑھ جائے گا۔ بھارت کی سرزمین میرے لیے ممنوعہ بن جائے گی اور میں کبھی ادھر کا رخ نہیں کر سکوں گا۔"

"تم بہت ضدی ہو۔" عابد علی نے تھک کر ہتھیار ڈال دیے "میں تمہیں یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ راوا لے تمہارے ساتھ جو بدسلوکی کریں گے، اسے روکنا ہمارے بس سے باہر ہوگا۔ ہم پس پردہ رہ کر کام کرنے والے لوگ ہیں۔ کیسی ہی ناگزیر مجبوری کیوں نہ ہو، کھل کر سامنے نہیں آ سکتے۔"

"میں جانتا ہوں۔ مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ بس دعا ضرور کرنا کہ میرا فیصلہ درست ثابت ہو۔"

"کاش! میں اپنا دل چیر کر تمہیں دکھا سکتا۔" وہ جذبات سے قدرے مغلوب ہو کر بولا "میرا رواں رواں تمہاری کامیابی کا آرزو مند ہے لیکن میرے دل میں اندیشوں کے سنپولیے کلبلا رہے ہیں۔ میری چھٹی حس بتا رہی ہے کہ یہ فیصلہ تم کو افتادوں میں ڈال دے گا۔"

وہ عابد علی کا آخری اور بھرپور حربہ تھا۔ میں نے اپنی جگہ چھوڑ کر اس کی پشت پر ہلکی سی تھپکی دی اور کہا "تم نے اپنا فرض پورا کر لیا۔ اب مزید کچھ نہ کہنا۔ ویرانوں کا سفر کیجئے

Downloaded from https://paksociety.com

والے خطرات سے نہیں ڈرتے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ہمیں نظر انداز نہ کریں لیکن بات پوچھ گچھ سے آگے نہیں بڑھے گی اور چند روز کے بعد مجھے ایک بار پھر تمہارے ساتھ کام کرنے کا موقع مل سکے گا۔"

اسی وقت باہر کسی گاڑی کے رکنے اور انجن بند ہونے کی ہلکی آوازیں آئیں جو رات کے گہرے سناٹے میں کافی نمایاں تھیں۔

مجھے توقع تھی کہ غزالہ' سرلا دیوی کے ساتھ واپس لوٹ آئی ہوگی مگر عابد علی کے چہرے کے وحشت انگیز تاثرات دیکھ میں بوکھلا گیا۔

"خاموشی سے باہر رینگ آؤ!" کمرے کی بند فضا میں عابد کی سرسراتی ہوئی آواز میرے کانوں تک پہنچی "یہ سرلا کی گاڑی کے انجن کی آواز نہیں ہے۔ ہمیں چھپ کر دیکھنا ہوگا کہ ایسے نامناسب وقت پر کون یہاں آیا ہے۔"

وہ ایک لمحے کے لیے بھی اپنی جگہ پر نہیں رکا۔ بات پوری کرتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کی بات حق بجانب تھی۔ اس وقت خطرے کے کسی بعید ترین امکان کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

میں نے کسی تردد کے بغیر خاموشی سے اس کی تقلید کی۔ میں دروازے سے باہر نکلا تو وہ برآمدے میں روشن اکلوتا بلب بند کر چکا تھا۔

احاطے کا دروازہ کھل رہا تھا ہمارے پاس مزید مہلت نہیں تھی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے' دیوار سے چپک گئے۔

تاریکی میں متحرک تاریک تر نسوانی ہیولا میرے لیے اجنبی نہیں تھا۔ میں نے اسے پہلی نظر میں پہچان لیا اور اپنی جگہ چھوڑی۔ باہر کسی گاڑی کے انجن کی آواز میں نے اپنے کانوں سے سنی تھی۔ وہ آواز عابد کے لیے نئی تھی۔ ہم دونوں میں سے کسی کو معلوم نہیں تھا کہ غزالہ کس کے ساتھ اور کیوں آئی تھی اس لیے میں نے اپنی زبان سختی سے بند رکھی۔

اسی اثنا میں گاڑی کا انجن دوبارہ بیدار ہوا اور وہ ہیڈ لیمپس روشن ہونے کے بعد تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

میرے دل میں اندیشے بیدار ہو چکے تھے۔ سب سے پہلے میں نے یہ دیکھا کہ غزالہ کی چال ہموار تھی پھر جانے والی گاڑی کے ہیڈ لیمپس کے انعکاس میں' میں نے اس کے لباس کو صحیح حالت میں دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا کہ وہ بد حال کر دینے والی کسی آفت سے گزرے بغیر لوٹ آئی تھی۔

غالب امکان یہ نظر آ رہا تھا کہ وہ ٹیکسی سے آئی تھی۔ نہ جانے دل کا وہ کون سا شریف ٹیکسی ڈرائیور تھا جس نے غزالہ جیسی خوب رو اور جواں سال عورت کو منہ اندھیرے اس کے دیے ہوئے صحیح پتے پر پہنچا دیا تھا..... غزالہ نے وہ گیسٹ ہاؤس دیکھا ہوا ضرور تھا مگر اسے اس کا پتا کیسے معلوم ہوا..... سرلا دیوی خود کہاں رہ گئی تھی..... غزالہ کو واپسی کا سفر تنہا کیوں کرنا پڑا؟

چند ثانیوں میں وہ متعدد سوالات میرے ذہن میں ابھر آئے۔ گیسٹ ہاؤس کا احاطہ مختصر سا تھا۔ چند لمحوں بعد میں غزالہ کے سامنے تھا۔

برآمدے میں تاریکی پھیلتی دیکھ کر غزالہ کو گڑبڑ کا احساس ہو گیا تھا۔ میں نے خاموشی اور گرم جوشی سے اس کا ہاتھ تھاما اور اسے کمرے میں لے گیا۔ ہم دونوں کے پیچھے پیچھے عابد علی بھی کمرے میں آ گیا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور آنکھوں سے خوف عیاں تھا۔

"سرلا کہاں رہ گئی؟ تم اکیلی کیوں آئی ہو؟" دروازہ بند کرتے ہی عابد نے سوال کر ڈالے۔

"سڑک پار کرتے ہوئے' سرلا کی ایک گاڑی سے ٹکر ہو گئی۔ فکر مت کرو۔ خیریت ہو گئی۔ اس کی بائیں پنڈلی کی ہڈی ٹوٹی ہے۔ کوئی اور کاری زخم نہیں آیا۔ وہ راج گھاٹ اسپتال میں ہے اور میں سیدھی وہیں سے آ رہی ہوں۔"

زندگی بنانے اور سنوارنے والی تحریروں سے آراستہ

ماہنامہ نفسیات اور زندگی

- آپ کی نفسیاتی الجھنوں کا حل
- اپنے بارے میں جاننے کے لیے سوالنامے
- زندگی ساز اور حیات آفرین کتب کے تراجم
- نامور شخصیات کا فلسفہ کامیابی اور حالات زندگی
- شخصیت کو پرکشش بنانے کے طریقے
- بچوں کی پرورش اور تربیت کے لئے رہنمائی
- تعلیمی مسائل کا حل اور کیریئر کونسلنگ
- نفسیات کے طلباو طالبات کیلئے تازہ ترین تحقیقات
- ازدواجی نفسیات' پامسٹری اور ہپناٹزم کے مستقل سلسلے

اور وہ سب کچھ جو خوبصورت اور خوشگوار زندگی کے لئے آپ پڑھنا چاہیں

قریبی ہاکر سے یا براہ راست ہم سے طلب کریں

لاہور: 11۔اے' سیکنڈ فلور' 87 ڈی ماڈل فون: 6311022

کراچی: 16 جی' ضوریہ سوسائٹی' گلشن اقبال فون: 627628

Downloaded from https://paksociety.com

غزالہ نے ایک ہی سانس میں ہر بات کہہ ڈالی۔

پنڈلی ٹوٹنا بھی کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا مگر اس وقت ہم سب کے ذہنوں پر دوسری الجھنیں طاری تھیں اس لیے عابد علی نے بھی اس اطلاع کو زیادہ اہمیت نہیں دی اور قدرے جھلائے ہوئے انداز میں پوچھا "عجیب عورت ہے وہ.... کوئی حادثہ ہوگیا تھا اور وہ ہوش و حواس میں تھی تو فون تو کرسکتی تھی۔"

"یہ ڈیڑھ بجے کا واقعہ ہے۔" غزالہ نے تھکے ہارے انداز میں کرسی پر بیٹھتے ہوئے بتایا "اس نے مجھے یہاں کا فون نمبر دیا تھا۔ میں تین بجے تک بار بار پبلک فون سے نمبر ملاتی رہی لیکن یہاں سے کوئی جواب نہیں ملا...."

"ہاں!" میں نے اس کی بات درمیان سے اچک کر کہا "ہم پونے چار بجے کے قریب یہاں واپس آئے تھے۔"

"اس بے چاری کو اپنی چوٹ سے زیادہ میری واپسی کی فکر تھی۔" غزالہ نے ترحم آمیز لہجے میں بتایا "اسے یہ معلوم تھا کہ مجھے چار بجے تک یہاں واپس پہنچ جانا چاہیے۔ اس نے ایمرجنسی ڈیوٹی سے واپس جانے والے ایک ڈاکٹر کی خوشامد کرکے مجھے واپس بھجوایا ہے۔ راستے میں وہ بتا رہا تھا کہ مجھے پہنچانے کی وجہ سے اس کے گھر کا فاصلہ دس گیارہ کلو میٹر بڑھ گیا۔ وہ بہت ہی شریف اور مہذب آدمی تھا۔"

"سرلا کی گاڑی کہاں ہے....؟ یہ پولیس کیس تو ضرور بنا ہوگا۔" عابد فکر مند ہوگیا۔

"سرلا کی گاڑی بازار کی پارکنگ میں کھڑی ہوئی ہے۔ اس کی نشان دہی وہ خود کرسکے گی۔ اسے ٹکر مارنے والا گاڑی سمیت موقع سے بھاگ گیا تھا۔" غزالہ بتا رہی تھی "لوگوں نے اٹھا کر اسے قریبی اسپتال تک پہنچا دیا۔ وہ بڑا اسپتال ہے مگر وہ پولیس کیس نہیں لیتے۔ سرلا نے اودھم مچا دیا کہ اس کا خون ضائع ہو رہا ہے۔ اسے پولیس رپورٹ نہیں، صرف طبی امداد چاہیے۔ بھاگنے والا کبھی کسی کے ہاتھ نہیں آئے گا۔ انہوں نے سرلا سے ایک تحریر پر دستخط لینے کے بعد اسے تھیٹر میں پہنچا دیا۔ پلاسٹر اور دواؤں کے اثر سے تھوڑی دیر بعد اس کی حالت بہتر ہوگئی تھی۔"

"تم نے اسے یہ تو نہیں بتایا کہ چھ بجے کی پرواز سے تمہیں امرتسر جانا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اس نے پوچھا نہ میں نے بتایا۔" غزالہ نے وضاحت کی "وہ بے چاری زخمی ہونے کے بعد بھی میری واپسی کے بارے میں فکر مند تھی۔"

"اسے بس اتنا بتایا گیا تھا کہ چار بجے تم دونوں چلے جاؤ گے۔" عابد نے کہا "اس سے امرتسر یا اگرے کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا تھا۔"

"بات ذرا بے رحمانہ ہے۔" میں نے غور سے عابد کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "لیکن تم اجازت دو تو ہم ہوٹل سے اپنی غیر حاضری کے جواز میں سرلا والے حادثے کو استعمال کر ڈالیں۔ راج گھاٹ اسپتال سے تصدیق ہوجائے گی کہ غزالہ کی سہیلی وہاں زخمی حالت میں پڑی ہوئی ہے۔"

"نہیں، میں یہ مشورہ نہیں دوں گا۔ سرلا کو غزالہ کا نام نلنی بتایا گیا تھا۔" اس نے کہا۔

"وہ شروع سے آخر تک مجھے نلنی ہی کہتی رہی۔" غزالہ نے فوراً عابد کے بیان کی تصدیق کردی۔

وہ اہم ترین نکتہ تھا۔ سفری دستاویزات اور ہوٹل کے ریکارڈ میں اس کا نام غزالہ تھا۔ سرلا دیوی اسے نلنی کے نام سے پہچانتی تو شبہے کی ابتدا ہوجاتی اور پھر بال کی کھال نکلنی شروع ہوجاتی۔ میں نے وہ خیال اسی لمحے اپنے ذہن سے جھٹک دیا۔

"تم اپنی بات پر قائم ہو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ فائلوں کا بندوبست مجھے ہی کرنا پڑے گا۔" عابد نے کہا۔

"مجبوری ہے۔ ذرا بنڈل نکالو۔ میں ایک نظر دیکھ تو لوں کہ ان میں کیا کچھ ہے۔" میں نے خواہش ظاہر کی۔

"آپ لوگوں کے مشن کا کیا رہا؟" غزالہ نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"مکمل ترین کامیابی حاصل ہوئی۔" میں نے آسودہ لہجے میں اسے بتایا "ترین کو بڑا فائل کے ساتھ پاکستان سے متعلق بہت سا اہم ریکارڈ ہاتھ آیا ہے۔ راداوالوں کا اہم ترین ریکارڈ اب تک جل کر خاک ہوچکا ہوگا۔ اسی ملبے میں ناگر کی خاکستر لاش بھی ہوگی۔"

"ناگر.....!" غزالہ کے دہانے سے دبی دبی تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی "وہ وہاں کہاں سے آگیا۔"

"یہ بعد کی باتیں ہیں۔ بس یہ سمجھ لو کہ اس کی موت اسے وہاں کھینچ لائی تھی۔"

اسی اثنا میں عابد مسہری کے نیچے سے فائلوں کا بندھا ہوا بنڈل لے آیا۔

"یہ سب ہوچکا ہے تو اب وقت تیزی سے نکلا جا رہا ہے۔" میرے کانوں میں غزالہ کی مضطربانہ آواز آئی "اب ہمیں جلد از جلد دہلی سے نکل جانا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کی ان مصروفیتوں میں امرتسر کی پرواز ہمارے ہاتھ سے نکل جائے۔ ساڑھے چار بج چکے ہیں۔"

Downloaded from https://paksociety.com

میں نے فائل کے اوراق سے نظریں اٹھا کر غور سے اس کی طرف دیکھا اور دھیرے سے کہا "اب امرتسر کو بھول جاؤ۔ ہم کہیں نہیں جائیں گے۔ فی الحال دہلی میں رک کر ہر قسم کے حالات کا سامنا کریں گے۔ نئی کامیابی کے بعد پروگرام کی یہ تبدیلی ضروری ہوگئی تھی۔"

حیرت سے غزالہ کی بڑی بڑی اور نشیلی آنکھیں پیشانی پر جا چڑھیں اور اس نے تقریباً بے اعتباری سے دہرایا "آپ یہیں ٹھہریں گے۔ کیا اس طرح ہم غیر ضروری خطرات کو دعوت نہیں دیں گے؟"

"میرا بھی یہی خیال ہے لیکن مظہر اس سے متفق نہیں ہیں۔" عابد علی کو اپنی بات ایک مرتبہ پھر دہرانے کا موقع مل گیا۔

غزالہ نے اس بے چارے کی امیدوں پر اسی لمحے اوس ڈال دی۔ اس نے کسی تذبذب کے بغیر کہا "اگر آپ نے سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے تو پھر درست ہی ہوگا۔ مجھے اس پر پورا اعتماد ہے لیکن بے چاری این کا ویل اس تبدیلی سے پریشان ہو جائے گی۔"

این کا ویل کے ذکر پر عابد علی چونکا۔ میں نے سرسری لہجے میں پوچھا "کیوں؟ اسے کیا پریشانی لاحق ہو سکتی ہے؟"

"وہ رات کی ٹرین سے امرتسر کے لیے نکل چکی ہوگی۔ صبح وہاں پہنچ کر ہمارا انتظار کرے گی۔"

"یہ اس کی غلطی ہوگی۔ میں نے مل جانے کا سرسری تذکرہ کیا تھا۔ اس سے کوئی پروگرام طے نہیں ہوا تھا۔ ہم نہ پہنچے تب بھی اسے اٹاری کے راستے لاہور کی طرف اپنا سفر جاری رکھنا چاہیے۔ ہماری اور اس کی دیس آپس میں بندھی ہوئی نہیں ہیں۔"

"این کب تک امرتسر پہنچے گی۔" عابد علی نے بے ساختہ سوال کیا۔

"یہ ریلوے شیڈول سے معلوم ہو سکے گا' اسے بتا دیا گیا تھا کہ آج رات اسے ہر حال میں دہلی سے نکل جانا ہے۔" میں نے فائلیں دوبارہ باندھتے ہوئے کہا "زیادہ سے زیادہ وہ رات کی آخری ٹرین سے امرتسر کی طرف نکل گئی ہوگی۔"

"یہ فائلیں آپ لوگ را کے دفتر سے لائے ہیں؟" غزالہ نے مجھ سے پوچھا۔

"ہاں۔ میں دیکھنا چاہ رہا تھا کہ ان میں کیا مواد ہے لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ ہر فائل میں کرپٹو گرافی استعمال کی گئی ہے۔"

"میں نے پہلے ہی دیکھ لیا تھا کہ ان فائلوں کو پڑھنا ہمارے بس سے باہر ہے۔ ہر لفظ' فقرہ اور نقشہ خفیہ زبان میں ہے جسے اسلام آباد میں بیٹھے ہوئے ماہرین پڑھ سکیں گے۔" عابد نے تبصرہ کیا "ہم صرف را کے نام اور مونوگرام کو سمجھ سکتے ہیں۔"

مجھے یاد آگیا کہ نریش شرما کے دفتر میں' میں اپنی وڈیو فلم کی تلاش میں سرگرداں تھا اور عابد علی عرف گوپال ان کارآمد فائلوں میں اپنا سر کھپا رہا تھا جس کی تلاش آئی بی والوں کے لیے اولین ترجیح کا درجہ رکھتی تھی۔

"تمہیں این کے امرتسر پہنچنے کے وقت میں یکایک کیوں دلچسپی پیدا ہوگئی؟" میں نے عابد سے پوچھا۔

"میرے ذہن میں ایک خیال آیا تھا۔ اگر اس پر بھروسا کیا جا سکتا ہے تو میری ایک مشکل آسان ہو سکتی ہے۔" اس نے کہا۔

"تم کو اندر کی ہر بات معلوم ہے۔ اس کے رنگ و روپ پر نہ جاؤ۔ اپنے چہرے مہرے سے وہ امریکی ضرور لگتی ہے مگر اس کا دل ہم سب سے زیادہ پاکستانی ہے۔ اپنی تمام تر خامیوں اور خرابیوں کے باوجود وہ پاکستان کے لیے اپنی جان پر کھیل جانے کا جذبہ رکھتی ہے۔"

"پھر میں چھ بجے والی پرواز سے خود امرتسر جاتا ہوں۔" دہلی سے ویرا کی واپسی کا پروگرام سن لینے کے بعد وہ اچانک بہت زیادہ پرجوش نظر آنے لگا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "این ایسی عورت ہے کہ میرے لیے امرتسر میں اس تک پہنچنا دشوار نہیں ہوگا۔ وہ کہیں بھی نہ ملی تو امرتسر سے واہگہ کی طرف جانے والی ٹرین پر ضرور مل جائے گی۔ میں یہ فائلیں ایک تھیلے میں ڈال کر اسے دے دوں گا۔"

اس کی تجویز معقول تھی۔ وہ فائلیں ہمارے ہاتھ آگئی تھیں تو ان کا زیادہ دیر تک بھارت میں رہنا خطرناک تھا۔ حالات کسی بھی وقت پلٹا کھا سکتے تھے اگر کسی وجہ سے وہ فائلیں ہمارے ہاتھ سے نکل جاتیں تو ہم میں سے کوئی بھی عمر بھر خود کو معاف نہیں کر سکتا تھا۔

"تم ضرور کوشش کرو۔ ہم دونوں اس پرواز پر نہیں جا رہے۔ تمہیں جگہ مل جانی چاہیے۔"

"کوئی اپنی نیند خراب کر کے اتنے سویرے' مہنگا ہوائی سفر کرنا پسند نہیں کرتا۔ مجھے سیٹ آسانی سے مل جائے گی۔ یہ پرواز ان لوگوں کے لیے ہے جو چند گھنٹے امرتسر میں گزار کر لاہور کی طرف سفر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

"این سفید فام ہے۔ اس پر کسی کو شبہ نہیں ہو سکے گا۔ یہ خیال رکھنا کہ لاہور میں اسے اس ذمے داری سے جلد از

Downloaded from https://paksociety.com

جلد سبکدوش کردیا جائے۔"

"دہلی سرحد سے دور ہے اور پھر صدر مقام ہے۔ یہاں ہم بہت محتاط رہتے ہیں۔ امرتسر اور لاہور والوں کے درمیان رابطہ رہتا ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ واگہ یا لاہور کے ریلوے اسٹیشن پر جلال صاحب خود ان سے وہ تھیلا لے لیں۔"

"یہ بندوبست ہر اعتبار سے بہتر اور شاندار رہے گا۔" میں نے مسرت اور اطمینان کا اظہار کیا۔

ان اہم فائلوں کو پاکستان پہنچانے کی وہ راہ عابد کو اچانک سوجھی تھی۔ اس نے اپنے بے سرو سامان کمرے میں تھیلا تلاش کرنا شروع کردیا۔ وہاں ان لوگوں کی ضروریات بہت محدود اور مختصر تھیں اس لیے کوئی تھیلا وغیرہ نہیں مل سکا۔ شاپنگ بیگ اس قدر ہاکا اور غیر محفوظ تھا کہ زیادہ دیر تک گیارہ فائلوں کا بوجھ نہیں سہار سکتا تھا۔ کہیں بھی تھیلے کی پتلی سی پرت پھٹتی اور سارے خفیہ کاغذ بکھر کر رہ جاتے۔

اس موقع پر غزالہ کی نسوانی ذہانت کام آئی۔ اس نے ایک تکیے کا غلاف اتار کر عابد کے سامنے پیش کردیا۔ غلاف میں نہ صرف ساری فائلیں سما گئیں بلکہ مضبوطی سے لپٹ بھی گئیں۔ عابد نے اس غلاف کو مضبوطی سے باندھا، شاپنگ بیگ میں ڈالا اور پھر ایک چرمی دستی بیگ میں محفوظ کرلیا۔

وہ اس تھیلے کے ساتھ امرتسر کی طرف سفر کرنے کے لیے تیار تھا۔ ہم دونوں کو اپنے مختصر اسباب کے ساتھ ہوٹل واپسی کے لیے کسی تیاری کی ضرورت نہیں تھی۔

عابد کے لیے اس وقت بھی صرف گرین کوبرا فائل اہم ترین تھی جس کے حصول کے لیے اسے اپنے افسران بالا کی طرف سے ہدایت ملی ہوئی تھی۔ دیگر دس فائلوں کی افادیت کا اسے حقیقی اندازہ نہیں تھا۔ وہ اس پورے پلندے کے لیے بار بار صرف جی سی کا کوڈ استعمال کررہا تھا۔

امرتسر میں عابد کو جی سی والا تھیلا ویرا کے حوالے کرنے کے سوا کوئی کام نہیں تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ اپنا کام پورا کرتے ہی وہ اگلی پرواز سے دہلی واپس لوٹ آئے گا۔ اس دوران میں وہ اپنی گاڑی پوری بے فکری سے دہلی ایرپورٹ پر چھوڑ سکتا تھا۔

اس وقت حالات کچھ ایسی نہج پر آگئے تھے کہ وہ دہلی سے اپنی غیر حاضری کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔ اسے اپنے ساتھیوں کو بریف کرنا تھا۔ سرلا دیوی حادثاتی طور پر اسپتال پہنچ گئی تھی۔ اس کی دیکھ بھال بھی ضروری تھی کیونکہ دہلی میں ان کا خفیہ ٹھکانا اور باہمی رابطہ اسی کے ذریعے چل رہا تھا۔ وہ لوگ اپنے ایرپیٹس ہاگزیر ضرورت کے تحت ہی استعمال کرتے تھے کیونکہ نام اور تھلی ہوئی جگہوں پر اس کی نمائش ناممکن تھی جبکہ فون ہر وقت اور ہر جگہ استعمال کیا جاسکتا تھا۔

وہ بھارت میں ماموں، انکل جنس بیورو والوں کے اپنے انتظامی معاملات تھے جن سے کسی نہ کسی حد تک میرا تعلق بھی استوار ہوچکا تھا۔ ان سب سے بڑھ کر عابد کے لیے یہ بات اہم تھی کہ میں ایک خطرناک فیصلہ کرچکا تھا۔

اس نے کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر، مجھ سے کھلے الفاظ میں معذرت کرلی تھی کہ میرے اندازوں کے برعکس اگر میرے ساتھ کوئی سختی کی گئی تو وہ یا اس کے ساتھی میرے لیے کچھ بھی نہیں کرسکیں گے پھر بھی میری سلامتی کی طرف سے غافل اور لاتعلق نہیں رہ سکتا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم تینوں نے سرلا دیوی کے گیسٹ ہاؤس کو الوداع کہہ دیا۔ پروگرام یہ تھا کہ عابد ہمیں ہمارے ہوٹل کے قریب چھوڑ کر تیزی سے ایرپورٹ کی طرف روانہ ہوجائے گا تاکہ وقت ضائع کیے بغیر امرتسر میں ویرا تک پہنچ سکے۔

گیسٹ ہاؤس سے ہوٹل کی طرف سفر کرتے ہوئے میں نے عابد کو سختی سے منع کردیا کہ وہ ویرا کو ہمارے پروگرام میں تبدیلی کی ہوا بھی نہ لگنے دے۔ اگر اس کی کھوپڑی میں یہ بات سما جاتی کہ ہم اسے بھارت سے روانہ کرکے بے فکری سے اپنا کام جاری رکھنا چاہتے ہیں تو وہ خاص طور پر میری طرف سے بدگمان ہوجاتی اور اسی لمحے لاہور جانے کا ارادہ ترک کرکے دہلی واپس لوٹنے کی تیاری شروع کردیتی۔

ایک دوسرے کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کرتے ہوئے ہم کناٹ پلیس کے ایک حصے میں الگ ہوگئے۔ عابد اپنی گاڑی میں تیزی سے آگے بڑھتا چلا گیا۔ ہم دونوں تھکے ہارے سیاحوں کی طرح خراماں خراماں ہوٹل کی راہ ہولیے۔

کناٹ پلیس کی جگمگاتی ہوئی دکانیں بند ہوچکی تھیں، ساری رونقیں دم توڑ چکی تھیں مگر پھر بھی وہ علاقہ سنسان نہیں ہوا تھا۔ کہیں کہیں کوئی شب بیدار جوڑا یا کوئی بہکا ہوا شرابی مست خرامی کرتا ہوا نظر آتا تھا۔ شہر کے ان مہمانوں کا ساتھ دینے کے لیے دہلی کے بلدیاتی عملے کے متعدد مرد و زن اپنی جھاڑوئیں سنبھالے سڑکوں پر نکل آئے تھے تاکہ اگلی صبح کے بازار سجنے سے پہلے پچھلے روز کا کوڑا کرکٹ سمیٹ کر ٹھکانے لگا سکیں۔

ہم ہوٹل کے روشن مگر خوابیدہ پورچ میں داخل ہوئے تو

Downloaded from https://paksociety.com

باوردی دربان نے دور ہی سے اندازہ لگالیا کہ ہوٹل کے تھکے ہارے مہمان واپس آرہے ہیں۔ اس کے ایما پر ایک نوجوان اور باوردی پورٹر دروازہ کھول کر تقریباً دوڑتا ہوا ہماری طرف آیا اور اس نے ہمارے مختصر تھیلے اپنی تحویل میں لے لیے۔ وہ بوجھ زیادہ نہیں تھا مگر اس وقت مجھے گراں گزر رہا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ ہوٹل کا مستعد عملہ اپنے مہمانوں کی خدمت کے لیے اتنا چوکنا رہتا تھا۔

مسافروں سے معقول ٹپ کی امید اپنی جگہ ایک محرک تھی لیکن اس کے باوجود وہ سروس متاثر کن تھی۔

رات اپنے آخری سانس پورے کرکے دم توڑ چکی تھی۔ تھوڑی دیر بعد صبح کا ملگجا اجالا' رات کے گھور اندھیروں کو نگل جانے والا تھا۔ ان لمحات میں ہوٹل کے عملے پر بھی تکان اور سستی طاری ہوچکی تھی مگر مجھے دیکھتے ہی کاؤنٹر پر موجود لڑکی نے اپنے چہرے پر زبردستی مسکراہٹ سجالی تھی۔ غزالہ کاؤنٹر سے ذرا دور رک گئی تھی۔

وہ لڑکی میرے لیے اجنبی تھی مگر نوید یہ تھی کہ ہوٹل میں کمرے دستیاب تھے۔ میرے مزید استفسار پر معلوم ہوا کہ وہ کمرا بھی خالی تھا جو پچھلی شام تک ہمارے تصرف میں تھا۔ بظاہر ہوٹل میں میرا وہ قیام پچھلے قیام کا تسلسل تھا لیکن اس لڑکی کی حد تک سب کچھ نیا تھا۔ اس بار میں نے پچھلی غلطی کا ازالہ کرتے ہوئے اپنے اور غزالہ کے لیے الگ الگ کمروں کی فرمائش کی۔

میرے پرانے کمرے سے ملحق کوئی کمرا خالی نہیں تھا مگر لڑکی نے میری خواہش کا احترام کرتے ہوئے غزالہ کے لیے اسی فلور کا ایک قریب ترین کمرا بک کردیا۔ مختصر سی رسمی کارروائی کی تکمیل کے دوران میں لڑکی پر منکشف ہوا کہ پچھلی شام ہم اسی ہوٹل میں مقیم تھے۔ غیر ملکی بلکہ شاید پاکستانی ہونے کی وجہ سے ہمارا یہ بتانا ضروری تھا اس ہوٹل میں قیام سے پہلے ہم کہاں رہ رہے تھے۔

ہم ہوٹل کے چیک ان ٹائم سے پہلے بلکہ علی الصباح ہوٹل پہنچے تھے اور ہم پر گزری ہوئی رات کا کرایہ ادا کرنا واجب تھا یوں اصولی طور پر اس ہوٹل میں ہمارا قیام مسلسل ہوگیا۔ بس درمیان میں بکنگ کی تنسیخ اور تجدید کا مختصر دورانیہ تھا جو چند گھنٹوں سے زیادہ نہیں تھا۔

الگ الگ کمروں کی تجویز مجھے بروقت سوجھی تھی۔ میں نے وہ بات غزالہ کو بتائی تو اس کا منہ بن گیا "اس کی کیا ضرورت تھی۔ ہم کمروں کے درودیوار تکنے کے لیے تو یہاں نہیں آئے۔ میں آپ کے کمرے میں ہی رہوں گی۔"

"جہاں چاہو' رہ لینا۔" میں نے نرمی سے اسے سمجھایا "یہ نہ بھولو کہ پاسپورٹ کے مطابق ہم میاں بیوی نہیں ہیں۔ ہمارے ایک کمرے میں قیام کی وجہ سے چیکنگ کے دوران میں ایلیٹ پولیس افسر اور پھر رینا اجیت رائے ہماری طرف متوجہ ہوئی تھی۔"

وہ تلخ تجربہ یاد آتے ہی غزالہ کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تیر گئی "آپ ہر وقت کچھ نہ کچھ سوچتے رہتے ہیں اور وہ کبھی بلاجواز نہیں ہوتا۔"

پورٹر ہمارے سفری تھیلے لیے' لفٹ کے پاس ہمارا منتظر تھا۔ مختصر باہمی مذاکرات کے بعد ہم اسی طرف ہولیے۔

ہمیں ہم دونوں کے کمروں تک پہنچانے کے بعد پورٹر نے بخشش لی اور واپس چلا گیا۔ اس وقت غزالہ میرے کمرے میں تھی۔

کمرے کے خنک اور خواب آور ماحول میں پہنچتے ہی رات بھر کی لمبی بھاگ دوڑ اپنا رنگ دکھانے لگی تھی۔ ناگر سے ہونے والی دست بہ دست لڑائی میں آنے والی چند اندرونی ضربات کی تکلیف بھی سر ابھار رہی تھی مگر میں ناگر کے قتل اور راکے ایک ونگ میں آتش زنی کے بعد پولیس یا کسی ایجنسی کا پہلی بار سامنا کرنے تک بہت زیادہ محتاط رہنا چاہتا تھا۔

میری کوشش تھی کہ میرے کمرے میں کوئی مشتبہ چیز موجود نہ ہو۔ میں نے اپنے بیگ میں سے بیم گن اور عابد کا دیا ہوا اپریٹس نکالا اور غزالہ کے ساتھ اس کے کمرے کی طرف ہولیا۔ وہ چیزیں وہاں محفوظ رہ سکتی تھیں۔

"آپ سی ایس ڈی بھول گئے۔" میرے کمرے سے نکلتے ہوئے غزالہ نے یاد دلایا۔

"محفوظ رابطے کے لیے وہ آلہ ناگزیر ہے۔ اسے میں نے دانستہ روک لیا ہے۔" میں نے کہا۔

"اس وقت ایسی ہر چیز خطرناک ہے۔ آنے والے بگڑے ہوئے تیوروں کے ساتھ آئیں گے۔ آپ کو کم از کم اگلا چوبیس گھنٹوں تک بہت زیادہ احتیاط سے کام لینا ہوگا۔ این جا چکی ہے۔ عابد بھی شہر چھوڑنے والا ہے۔ آپ کو کس سے رابطہ کرنے کی ضرورت پیش آئے گی؟"

میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا۔ غزالہ کا آخری سوال واقعی جان دار تھا۔ میں سی ایس ڈی لینے کے لیے واپس مڑ گیا۔

ہوٹل کے ایک ہی فلور پر واقع میرے اور غزالہ کے کمروں میں زیادہ فرق نہیں تھا۔ بیش قیمت فرنیچر میں کوئی

Downloaded from https://paksociety.com

ایسی جگہ نہیں تھی جہاں وہ تینوں چیزیں چھپائی جاسکیں۔ کچھ دیر کی جدوجہد کے بعد میں ایک گوشے میں سے فالس سیلنگ کا بڑا سا ٹکڑا اوپر اٹھانے میں کامیاب ہوگیا جو شاید برقی تاروں اور ائرکنڈیشنگ کے نظام کی دیکھ بھال کے لیے مضبوطی سے نہیں جوڑا گیا تھا۔

یہ خطرہ تھا کہ ہوٹل کا فنی عملہ کسی شکایت کی صورت میں اس مقام تک پہنچ جاتا لیکن میں نے ارادہ کرلیا تھا کہ ابتدائی خطرناک وقت پورا ہونے تک ہم میں سے کوئی ہوٹل والوں سے کسی قسم کی شکایت نہیں کرے گا۔ یہ امکان نہ ہونے کے برابر تھا کہ دوسرے کمروں کی شکایت کے ازالے کے لیے ہمارے کمروں کے کسی حصے کی چھیڑ چھاڑ کی ضرورت محسوس کی جاتی۔

غزالہ نے اپنا کمرا مقفل کیا۔ ہم دونوں نے پرانے کمرے میں لوٹ کر باری باری شب خوابی کے کپڑے پہنے اور خنک فضا میں آرام دہ بستر پر ڈھیر ہوگئے۔

میں نہ جانے کب تک گہری نیند سوتا رہا پھر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے چاروں طرف گھنٹیاں ہی گھنٹیاں بج رہی ہوں اور کچھ نامعلوم لوگ میرے کمرے کا دروازہ توڑنے کی کوشش کررہے ہوں۔

ابتدا میں شاید وہ خواب کا حصہ تھا لیکن وہ خواب حقیقت پر اتنا حاوی تھا کہ میری نیند زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی اور آنکھ کھل گئی۔

میرا کمرا واقعی آوازوں سے بھرا ہوا تھا۔ ایک طرف فون کی گھنٹی مسلسل بجے جارہی تھی۔ دوسری طرف کوئی خاصی تیز آواز میں میرے کمرے کے بند دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ میں نے بے اختیار غزالہ کی طرف دیکھا۔ وہ چادر اوڑھے گہری نیند سو رہی تھی۔

چند لمحوں کے لیے میں فیصلہ نہ کرسکا کہ پہلے کدھر توجہ دوں۔ فون میرے قریب بلکہ سرہانے بج رہا تھا اس لیے میرا ہاتھ خود بہ خود ریسیور کی طرف بڑھ گیا۔

دوسری طرف جو کوئی بھی تھا' پھٹ پڑنے کے لیے بے چین تھا۔ فون کی گھنٹیوں کا سلسلہ موقوف ہوتے ہی اس نے سمجھ لیا کہ ریسیور اٹھالیا گیا تھا۔ میری کوئی آواز سننے سے پہلے ہی اس نے بولنا شروع کردیا "ابھی تک کہاں مرا ہوا ہے..... دروازہ کھول ورنہ میرے ساتھی دروازہ اکھاڑ دیں گے۔"

وہ غراہٹ سنتے ہی میں سناٹے میں آگیا۔ کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں ایسی غنڈا گردی اور دیدہ دلیری میرے تصور سے باہر تھی۔ میں جن لوگوں کی زد میں آیا ہوا تھا' ان سے کچھ بعید از قیاس نہیں تھا۔ وہ ہر قسم کی درندگی اور زبردستی کے مظاہرے پر قادر تھا۔

مجھے یقین ہوگیا کہ وہ را کا کوئی آدمی تھا جو ہوٹل کی لابی سے انٹرکام کے ذریعے مجھے بیدار کرنے کی کوشش کررہا تھا۔ اوپر اس کے ساتھی میرے کمرے کے دروازے پر موجود تھے۔ میرے لیے دروازہ کھولنے کے سوا کوئی راہ نہیں تھی۔

میں را والوں کی طرف سے ایسے کسی بھی وحشیانہ ابتدائی ردِعمل کے لیے تیار تھا۔ ان کا خونی بھیڑیا اپنے ہی ایک دفتر میں عبرت ناک موت مارا جاچکا تھا۔ ان کا اہم ترین ریکارڈ آگ کے بے رحم شعلے چاٹ گئے تھے۔ کسی زخم خوردہ سانپ کی طرح وہ کہیں بھی پھن مار سکتے تھے۔

اگر میں کمرے کا دروازہ کھولنے میں تاخیر کرتا تو وہ شاید دروازہ نہ اکھاڑتے لیکن ہوٹل کی انتظامیہ سے مدد لے کر ماسٹر کی کے ذریعے تالا کھلوا سکتے تھے۔ میں نے تیزی سے بستر چھوڑا اور لپک کر دروازہ کھول دیا۔

دروازہ کھلتے ہی دو صحت مند اور جوشیلے نوجوان اندر گھس آئے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں ریوالور دبا ہوا تھا۔

"ہاتھ اوپر اٹھاؤ اور دیوار سے منہ لگا کر کھڑے ہوجاؤ۔" مسلح نوجوان اپنے ریوالور کی نال کو جنبش دے کر تیزی سے غرایا۔

وہ دونوں خاصے مشتعل نظر آرہے تھے۔ میں نے خاموشی سے اس حکم پر عمل کرڈالا۔ اس دوران میں' میں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ اس کا دوسرا ساتھی کسی توقف کے بغیر کمرے کے اندرونی حصے کی طرف بڑھتا چلا گیا تھا۔

اس دوران میں غزالہ کی نیند بھی اچٹ چکی تھی۔ وہ برہمی سے کہہ رہی تھی "یہ کیا طوفانِ بدتمیزی پھیلا ہوا ہے..... تم کون ہو اور کس کی اجازت سے کمرے میں آئے ہو..... یہاں کے سامان کو کیوں الٹ پلٹ رہے ہو؟"

"بک بک مت کرو اور خاموش بیٹھی رہو۔" میرے کانوں میں دوسرے شخص کی آواز آئی "ہمیں اپنا کام کرنے دو۔ اگر تم نے گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو ہم تمہاری ٹھکائی کرنے پر مجبور ہوجائیں گے۔"

اس کا وہ جواب تلخ اور بدتمیزی پر مبنی تھا مگر میں نے اپنے دماغ کو قابو میں رکھنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا۔ میں نے اس جواب میں ایک دل خوش کن پیغام چھپا ہوا محسوس کیا۔ اس نے غزالہ کی ٹھکائی کے ساتھ مجبوری کا لفظ استعمال کیا تھا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ غزالہ کے ساتھ تشدد کرنے کا

Downloaded from https://paksociety.com

کوئی ارادہ نہیں رکھتے تھے۔ اس کی طرف سے کوئی مزاحمت کی جاتی تو وہ ہاتھ اٹھانے پر مجبور ہو جاتے۔

غزالہ کی ذہانت سے مجھے امید تھی کہ اس نے بھی تو وارد کے الفاظ میں پنہاں پیغام کو سمجھ لیا ہوگا اور اس کی روشنی میں محتاط رویہ اختیار کرے گی تاکہ اسے ان کی طرف سے کسی زیادتی کا خطرہ پیدا نہ ہو۔

غزالہ نے اس دوران میں شاید یہ دیکھ لیا تھا کہ میں دونوں ہاتھ اٹھائے اور دیوار سے منہ لگائے کھڑا تھا۔ اپنی پوزیشن کی وجہ سے مجھے علم نہیں تھا کہ کمرے میں کیا کارروائی ہو رہی تھی۔ غزالہ نے مجھے ان کے عزائم سے باخبر کرنے کے لیے بلند آواز میں کہا "تم نے پورا کمرا بکھیر کر رکھ دیا ہے۔ مجھے بتاؤ کہ تمہیں کس چیز کی تلاش ہے۔ شاید میں تمہاری کوئی مدد کر سکوں۔"

"ہمیں تمہاری مدد کی کوئی ضرورت نہیں۔" دوسرے نے درشت آواز میں جواب دیا "ہم اپنا کام خود کر لیں گے۔ تم خاموش کھڑی رہو۔ ہمارا وقت برباد نہ کرو ورنہ تم ایک ہی ضرب میں کئی گھنٹوں کے لیے بے ہوش ہو جاؤ گی۔"

یہ قدرت کی طرف سے ایک انعام تھا کہ ان دونوں کا تعلق مردوں کے اس قبیلے سے تھا جو عورتوں کے بارے میں صاف ستھری سوچ رکھتا ہے ورنہ اس وقت تک را کے بارے میں جو کچھ سامنے آیا تھا' وہ بہت کریہہ اور گھناؤنا تھا۔

بھارت کی سب سے زیادہ فعال خفیہ ایجنسی را کی عمر بہت زیادہ نہیں تھی۔ ساٹھ کے عشرے میں بھارت کی سول اور فوجی ایجنسیوں کی مایوس کن کارکردگی اور اس کے نتیجے میں نیفا میں چین کے ہاتھوں بھارت کی ذلت آمیز شکست کے بعد یہ ضرورت شدت سے محسوس کی گئی تھی کہ نئی بنیادوں پر نئے خون کے ساتھ کسی خفیہ تنظیم کی بنیاد رکھی جائے تاکہ آئندہ ایسی فاش غلطیوں کا اعادہ نہ ہو سکے۔

را کے گھاگ بانی نے اس کام کی ابتدا پیشہ ورانہ بنیادوں پر کی تھی لیکن جلد ہی را کا چلن بدلنا شروع ہو گیا اور اس کے بڑوں نے گردوپیش کے ملکوں میں بڑھتے ہوئے معاشرتی اختلاط اور بے راہ روی کی بنیادوں پر عورتوں کو استعمال کرنا شروع کر دیا۔

ہندو مذہب اور معاشرت میں ہمیشہ سے مرد کو ناقابلِ شکست برتری حاصل رہی ہے۔ عورت کو تیسرا اور سب سے نچلا درجہ دیا جاتا ہے۔ رنڈوے مرد کو معاشرے میں پوری عزت دی جاتی تھی لیکن چند عشروں پہلے تک بیواؤں کو منحوس اور بدقسمت قرار دے کر اپنے شوہروں کی چتا میں زندہ جل مرنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ جدید بھارت میں وہ شرمناک مظاہر خال خال باقی رہ گئے تھے لیکن عورت کی ذلت و تحقیر کا سلسلہ جاری تھا۔ بہت سے خاندان بیواؤں کو اپنے لیے نیک شگون نہیں سمجھتے تھے۔ ان کو سسرال والے قبول کرتے تھے نہ میکے والے کوئی جگہ دینے کو تیار ہوتے تھے۔

ایسی مجبور اور بے سہارا عورتوں کے گزارے کے لیے پورے بھارت میں جا بہ جا اناتھ آشرم قائم تھے جہاں ایسی عورتوں سے بیگار لی جاتی تھی۔ ان آشرموں میں پنڈت' پنت' مہنت اور پجاری خوب صورت اور جوان بیواؤں کے وجود سے اپنی شاموں کو حسین بناتے تھے۔ یہ واقعات کھلے راز کی طرح ہر بھارتی کے علم میں تھے لیکن کوئی اس ظلم پر احتجاج نہیں کرتا تھا کیونکہ ان کے دھرم میں عورت ایک پست مخلوق تھی جسے مرد کی خدمت' خوشی' عیش و عشرت کے لیے پیدا کیا گیا تھا۔ اپنے شوہروں کو نگل جانے والی عورتوں کے لیے پورے ہندو سماج میں ہمدردی کا کوئی جذبہ نہیں تھا!

ہندوؤں کا وہ نظریہ بہت خاموشی کے ساتھ رائی صفوں میں سرایت کر گیا جو کام بھارت کی ایک سندر ناری اپنے ناز نخروں کے بل پر کر سکتی تھی اسے کئی سورما مل کر بھی انجام نہیں دے سکتے تھے۔ راوالوں نے حسین و جمیل اور پرشباب بھارتی لڑکیوں کو اپنی بھٹی کا ایندھن بنانا شروع کر دیا۔

وہ عورتوں سے کام لے رہے تھے لیکن مذہبی اور عملی طور پر عورت کی برتری کے ذرا بھی قائل نہیں تھے۔ یہ بھارت کے کچلے ہوئے اور مظلوم طبقوں کی خوش قسمتی تھی کہ اندرا گاندھی ان کے کثیر ووٹوں سے ملک پر حکمرانی کر رہی تھی لیکن بھارت میں ایک عام عورت کو خاص حد سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں تھی۔

را میں کبھی کوئی عورت کسی قابل ذکر منصب تک نہیں پہنچ سکی تھی مگر بھارت کی سرزمین پر پہنچنے کے بعد مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ را کی نچلی سطح پر عورتوں بلکہ لڑکیوں سے بے زبان بکریوں کے ریوڑ کی طرح کام لیا جاتا تھا جو شکار کرنے کے چکر میں بار بار اپنی آبرو کی پامالی سے دوچار ہوتی رہتی تھیں۔ وہ اپنے شکاروں کی شکار ہی نہیں ہوتی تھیں' ان کے بڑے افسران بھی اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھوتے رہتے تھے۔

آوارگی اور بے آبروئی کے ایسے شرمناک فلسفے پر عمل کرنے والی ایک بھارتی ایجنسی سے تعلق رکھنے والے ان افراد کا یہ رویہ میرے لیے حیران کن تھا۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ غزالہ کے ساتھ میں نے بھارت میں رک کر ایک بھیانک اور روح فرسا خطرہ مول لیا تھا۔ میری نیت

Downloaded from https://paksociety.com

صاف تھی۔ شاید اسی لیے وہ دونوں مہربان ہمارے کمرے میں آئے تھے ورنہ ان کی جگہ ایسے درندے بھی آسکتے تھے جو مجھ سے کوئی بات کرنے سے پہلے غزالہ کو زبردستی ہوٹل سے اٹھالے جاتے۔

دوسرا شخص کمرے کی تلاشی لیتا رہا۔ چند منٹ بعد مسلح نوجوانوں نے اپنے ریوالور کی سرد نال میری گردن سے لگا کر دوسرے ہاتھ سے میری جامہ تلاشی لے ڈالی۔ میرے پاس سے کچھ برآمد ہوا' نہ کمرے میں کچھ مل سکا۔ آخر کار مجھے ہاتھ نیچے گرا کر ان کا سامنا کرنے کی اجازت مل گئی۔

"تم کو ہمارے ساتھ چلنا ہے۔" مسلح نوجوان نے اپنا فرمان سنایا۔

"کہاں اور تم کون لوگ ہو؟" میں نے نرم لہجے میں رسانیت سے پوچھا۔

"ہم سرکاری آدمی ہیں۔ تمہیں پوچھ گچھ کے لیے ہمارے ساتھ جانا ہوگا۔" اس نے اٹل لہجے میں گول مول سا جواب دیا۔

"اوہ! تو تم انہیں گرفتار کرنے آئے ہو؟" غزالہ نے خوف زدہ آواز میں پوچھا۔

"میں نے یہ لفظ استعمال نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے کہ پوچھ گچھ کے نتیجے میں اس کی نوبت بھی آجائے۔"

میرے ساتھ شاید غزالہ بھی سمجھ چکی تھی کہ وہ دونوں را کے اہل کار تھے اور مجھے لے جانے کے لیے مکاری سے کام لے رہے تھے۔

ہم دونوں بھارتی سرزمین پر غیر ملکی تھے۔ اپنے پاسپورٹوں کے حوالے سے ہمارا یہ استحقاق بنتا تھا کہ بھارتی پولیس یا کوئی اور ایجنسی ہمیں کسی الزام میں گرفتار کرے تو تحریری طور پر ہمارے مقامی سفارت خانے کو گرفتاری اور اس کے اسباب سے فوراً آگاہ کرے تاکہ ہمیں قانونی امداد فراہم کی جاسکے۔ اس ذمے داری سے بچنے کے لیے وہ گرفتاری کا لفظ استعمال کرنے سے گریز کر رہے تھے لیکن درحقیقت مجھے پکڑ کر لے جانا چاہتے تھے۔

"عورت! کان کھول کر سن لو۔" غیر مسلح نوجوان نے اپنی ناکام تلاشی کا سلسلہ ختم کر کے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا "میں الفاظ کے ہیر پھیر میں نہیں پڑتا۔ سیدھی سی بات ہے کہ ہم مظہر کو پکڑ کر لے جا رہے ہیں۔ تم نے اس بارے میں کسی کے سامنے زبان کھولی تو تمہارا حشر اچھا نہیں ہوگا۔ کوئی بھی پوچھے تو اسے یہی بتانا کہ مظہر چند روز کے لیے کہیں گیا ہوا ہے۔ جلد ہی لوٹ آئے گا۔"

"مگر یہ کہاں ہوں گے؟ مجھے ان کی خیر خبر کیسے ملے گی" غزالہ نے بجا طور پر ہراساں ہو کر سوال کیا۔

"تمہیں یہ سب جاننے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ واپس لوٹ آئے تو سمجھ لینا کہ سب خیریت ہے ورنہ ایک ہفتے تک انتظار کرنے کے بعد اپنے پاکستان واپس چلی جانا۔ یہ سمجھ لو کہ اس وقت ہم تمہیں بہت بڑی ڈھیل دے رہے ہیں" اس شخص نے کہا۔

غزالہ کی آنکھیں خوف سے کشادہ ہوگئیں "تو تم انہیں لے جا کر مارنے کا ارادہ رکھتے ہو" اس کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

"ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا" اس نے بے پروائی سے جواب دیا "تم سب پاکستانی مسئلے بہت خطرناک ہوتے ہو۔ دیکھنا ہوگا کہ چھان بین میں کیا سامنے آتا ہے۔"

غزالہ کو ایسے مرحلے کا پہلے سے اندازہ تھا۔ پھر بھی وہ اصل صورتِ حال کا سامنا کرتے ہوئے اپنے اضطراری ردِعمل پر قابو نہ پاسکی اور جذبات کی رو میں آکر ان کی خوشامدوں پر اتر آئی۔ میں اندازہ کر چکا تھا کہ اپنی مسلسل ناکامی پر جھلا کر وہ انہیں برا بھلا کہنے پر اتر آئے گی۔ اس پر وہ دونوں مشتعل ہو سکتے تھے جب کہ میں ان کی کسی ناراضی یا برہمی کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔

"تم بالکل فکر نہ کرو۔ ہمارا دامن صاف ہے۔ اپنا اطمینان کرنے کے بعد مجھے چھوڑ دیں گے" میں نے غزالہ کو دلاسا دیا اور پھر مسلح آدمی سے مخاطب ہوگیا "چلنا ہے تو جلدی چل دو۔ دیر ہوگی تو غزالہ بکھرتی چلی جائے گی۔"

اس نے غیر ضروری طور پر میرا گریبان پکڑ کر مجھے دروازے کی طرف دھکایا "بالکل شرافت اور خاموشی سے چلنا۔ ذرا بھی گڑبڑ کی تو گولی مار دوں گا۔ اس وقت ہمارے سروں پر خون سوار ہو چکا ہے۔"

میں اپنا غصہ پی گیا۔ میں ان دونوں سے پہلے کمرے سے باہر نکلا تو راہ داری میں ان کا تیسرا ساتھی ان کی واپسی کا منتظر تھا۔

وہ تینوں را کے تربیت یافتہ سیکرٹ ایجنٹ تھے۔ کمرے سے باہر آتے ہی دو آدمی میرے دائیں بائیں ہو لیے۔ تیسرا پیچھے آنے لگا۔

اسی ترتیب کے ساتھ ہم تینوں لفٹ سے نیچے پہنچے، ہوٹل کے استقبالیہ ہال اور برآمدے کو عبور کیا اور پھر پارکنگ لاٹ کی طرف ہو لیے۔ لوگ میرے شب خوابی کے لباس کی وجہ سے حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہم چاروں کو

Downloaded from https://paksociety.com

دیکھ رہے تھے۔

"کم از کم مجھے یہ تو بتا دو کہ میرے اوپر کیا الزام یا شبہ ہے" عمارت سے نکل جانے کے بعد میں نے کہا۔

"خاموشی سے چلتے رہو" ایک نے میری پسلیوں میں کہنی مار کر جواب دیا۔

میں اپنے طے شدہ عزائم کے تحت بھیگی بلی بنا رہا۔ وہ مجھے زندہ دیکھ کر میرے اوپر کتنا ہی جبر و تشدد کر لیتے' میری ان کامیابیوں کا حساب بے باق نہیں کر سکتے تھے جو میں نے را کے ذیلی ونگ میں حاصل کی تھیں۔

پاکستان کے بارے میں را کی اہم ترین فائلیں ان کے ریکارڈ میں سے اڑا لی گئی تھیں لیکن نریش شرما کے دفتر میں ہونے والی آتش زدگی کے باعث ان کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہو سکا تھا کہ دفتر میں آگ لگنے سے پہلے وہاں سے کیا کچھ اڑا لیا گیا تھا۔

عابد وہ فائلیں لے کر دہلی سے امرتسر کی طرف پرواز کر گیا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ اس وقت تک وہ ویرا کو تلاش کر کے فائلوں کا تھیلا اس کے حوالے کر چکا ہوگا اور ویرا اس مال غنیمت کے ساتھ پاکستان کی طرف روانہ ہونے کی تیاری کر رہی ہوگی۔

مجھے ان فائلوں کے متن کا علم نہیں ہو سکا تھا۔ میرے لیے صرف اتنا جاننا کافی تھا کہ ہماری آئی بی ان گیارہ میں سے گرین کوبرا نامی صرف ایک فائل کے حصول کے لیے ہر قیمت ادا کرنے پر تیار تھی۔ میں نے کوئی قیمت ادا کیے بغیر وہ فائل حاصل کر لی تھی اور اس کامیابی کے بعد رضاکارانہ طور پر ابتدائی قیمت ادا کرنے کے لیے تیار تھا کیونکہ اس کے بعد میرے ذہن میں ایک نیا نقشہ جنما شروع ہو چکا تھا۔ اس کا روشن ترین پہلو یہ تھا کہ ان کے ذہنوں میں ڈیتی کا نام نہیں ابھر سکتا تھا۔

پارکنگ لاٹ میں ان کا ایک ساتھی سیاہ رنگ کی ایک پک اپ کے ساتھ موجود تھا جس کے پچھلے حصے میں ہر طرف سے بند آہنی کیبن بنا ہوا تھا۔ ان میں سے ایک شخص ڈرائیور کے ساتھ والی نشست پر بیٹھ گیا۔ بقیہ دو افراد مجھے لے کر پچھلے کیبن میں سوار ہو گئے۔

کیبن کا دروازہ دوبارہ بند ہونے سے پہلے میں نے دیکھا کہ پک اپ کے اس حصے میں صرف دو نشستیں تھیں۔ صاف ظاہر تھا کہ دو محافظوں کی موجودگی میں مجھے کوئی نشست نصیب نہیں ہو سکتی تھی۔ میں خاموشی سے پک اپ کے فرش پر بیٹھ گیا۔

دروازہ بند ہونے کے بعد آہنی قید خانے میں خاصی تاریکی پھیل گئی۔ اس کی بغلی دیواروں میں ہوا کی آمد و رفت کے لیے چھت کے قریب ایسے بلائنڈز لگے ہوئے تھے جن کی ترچھی پٹیوں میں سے زیادہ روشنی کا گزر ممکن نہیں تھا۔

"یہ صورت سے بالکل بے گناہ یا پھر پرلے درجے کا حرامی معلوم ہوتا ہے" پک اپ کا انجن اسٹارٹ ہونے کے بعد ان دونوں میں سے ایک نے پہلی بار میرے بارے میں کوئی رائے زنی کی۔

"نریش بابو کے سامنے ذرا سی دیر میں اس کی ساری اداکاری دھل جائے گی" دوسرے نے قہر بار آواز میں کہا "عقل کام نہیں کرتی کہ یہ سب کیسے ہو گیا؟"

پک اپ ایک ہلکے سے جھٹکے سے حرکت میں آ گئی۔ چند ثانیوں تک گاڑی سست روی سے چلتی رہی پھر اس کی رفتار بڑھ گئی۔

پک اپ کے پچھلے حصے میں گمبھیر خاموشی چھائی رہی۔ بند آہنی دیواروں کے پار کچھ دیکھنا ممکن نہیں تھا کہ مجھے کن راستوں سے لے جایا جا رہا تھا۔ شہر میں کئی دنوں کے قیام کے باوجود دہلی میرے لیے اتنا اجنبی شہر تھا کہ ایک نظر میں راستے کو ذہن نشین کرنا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔

وہ دونوں اپنی جگہوں پر بیٹھے اطمینان سے سگریٹیں پی رہے تھے۔ کافی دیر تک شہر کی مصروف سڑکوں پر سفر کرنے کے بعد جب پک اپ نے مزید تیز رفتاری اختیار کی تو ان میں سے اچانک کسی کی لات چل پڑی۔ وہ ٹھوکر میری داہنی ران پر پڑی۔ ضرب شدید نہیں تھی لیکن میں نے نہایت سرعت سے وہ ٹانگ پکڑ کر پوری قوت سے اپنی طرف کھینچ لی۔ اس وقت میرے ذہن میں یہ خیال گردش کر رہا تھا کہ دونوں بیچ کے آدمی تھے اور مجھے نریش بابو تک پہنچانے کے کام پر مامور کیے گئے تھے۔ غالب گمان یہ تھا کہ وہ نریش شرما کے لیے نریش بابو کے الفاظ استعمال کر رہے تھے۔

مجھ پر وار کرنے والے کو میری طرف سے کسی جوابی کارروائی کی توقع نہیں تھی۔ میں نے پیر پکڑ کر زور لگایا تو وہ بے خبری میں اپنی نشست سے پھسل کر پرشور آواز کے ساتھ پک اپ کے فرش پر آ رہا۔ میں نے اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا اور اپنی جگہ سے جست لگا کر اس کے سینے پر سوار ہو گیا۔

پک اپ کے اس حصے میں گھور اندھیرا نہیں تھا اس لیے دوسرے محافظ کو خطرے کا ادراک ہو گیا۔ اپنے ساتھی کی مدد کرنے کے لیے وہ مجھ پر ٹوٹ پڑا۔

اس کا ردِعمل اضطراری تھا جب کہ میں اس کی طرف

Downloaded from https://paksociety.com

سے کسی مداخلت کا سامنا کرنے کے لیے تیار تھا۔ میں نے اس کے بھاری وجود کو دونوں ہاتھوں پر روک کر اپنے نیچے دبے ہوئے شخص کے چہرے اور اوپری دھڑ پر دے مارا۔ بے ساختہ دونوں کی چیخیں نکل گئیں۔

میرے سہمے اور متکسرانہ رویے کی وجہ سے وہ مجھے بزدل اور کمزور تصور کر رہے تھے۔ میں نے آناً فاناً میں اوپر والے کے چہرے پر کئی مکے رسید کیے اور اچھل کر ان دونوں سے الگ ہو گیا' وہ دونوں غراتے اور مغلظات بکتے ہوئے فرش سے اٹھے تھے۔

"دد..... دیکھو' اب میرے قریب نہ آنا" میں نے بوکھلائی ہوئی آواز میں کہا "لات مار کر پہل تم نے کی تھی' میرا تم سے الجھنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔"

اس وقت تک ان میں سے ایک میرے قریب پہنچ چکا تھا۔ میرے انکشاف پر اس نے اپنے ساتھی سے پوچھا "تم نے لات ماری تھی اسے؟"

"ہاں' یہ ذلیل شخص اسی قابل ہے۔ سالے نواب کے بچے سے ایک لات برداشت نہیں ہوئی میری!"

"بس!" میرے قریب آیا ہوا شخص ہاتھ اٹھا کر پک اپ کے جھٹکے سے قدرے لہرایا اور اپنی سیٹ کی طرف جاتے ہوئے بولا "وجے! اپنے اوپر قابو رکھو۔ اس کا دماغ نریش بابو ہی درست کریں گے۔"

وجے کے ساتھی کے وہ الفاظ میرے اندازے کی تائید کر رہے تھے۔ ان دونوں کو میری توڑ پھوڑ کی کھلی آزادی نہیں دی گئی تھی۔

"نریش بابو دوسری لائن کے آدمی ہیں۔ وہ زیادہ ہاتھ پیر نہیں چلاتے" نیم تاریک کیبن میں وجے کی غراتی ہوئی آواز گونجی "اپنا کام پورا کرنے کے بعد وہ اسے ہمارے ہی حوالے کریں گے۔ پھر سایلے سے گن گن کر بدلے چکاؤں گا۔"

"میں خود بھی اسے معاف نہیں کروں گا۔ تمہاری غلطی کی وجہ سے میں نے بھی اس کے مکے کھائے ہیں۔"

"اس کا حساب تو میں اسی وقت لوں گا" وجے کی غضب ناک آواز گونجی اور وہ میری طرف بڑھ آیا۔

میں نے ان دونوں کو اپنی طاقت اور صلاحیت کا احساس دلا دیا تھا۔ میرے ہاتھوں سے پٹ کر وہ ذلیل ہو چکے تھے مگر میں ہر حال میں ان کا قیدی تھا۔ میری زیادہ مزاحمت کی صورت میں وہ گولی مار کر مجھے معذور بھی کر سکتے تھے۔ بعد میں نریش سے کوئی بھی بہانہ کر سکتے تھے۔ یہی غنیمت تھا کہ میری جوابی کارروائی پر انہوں نے وقتی تحمل کا مظاہرہ کیا تھا ورنہ وہ دونوں اپنے دو مزید ساتھیوں کے ساتھ مل کر مجھے اچھا سبق سکھا سکتے تھے۔

اس بار وجے میرے قریب آ کر ذرا سا ٹھٹکا۔ میں دونوں ہاتھ اپنے پہلو میں لٹکائے' آہنی کیبن کے ایک کونے سے ٹیک ہوا کھڑا تھا۔ وجے کا داہنا ہاتھ حرکت میں آیا۔ میں نے ذرا بھی جنبش نہیں کی اور کیبن شڑاپ کی تیز آواز سے گونج اٹھا۔

میرا چہرہ دونوں طرف سے آہنی دیواروں کی اوٹ میں تھا۔ میرے رخسار پر وجے کا بھرپور تھپڑ نہیں پڑا مگر پھر بھی اس ضرب پر میری آنکھوں میں آنسو نکل آئے۔

"یہ تمہاری اوقات ہے" وجے غرایا "اب ہمارے منہ لگنے کی کوشش نہ کرنا ورنہ اسٹریچر پر نریش بابو کے سامنے لے جائے جاؤ گے۔"

مصلحت یہ تھی کہ میں خاموش رہتا۔ میں نے بات آگے نہیں بڑھائی۔

میرے ذہن میں یہ بات پوری طرح جم چکی تھی کہ وہ لوگ میرے ساتھ جو کچھ بھی کر لیتے' اپنے خسارے کا ازالہ نہیں کر سکتے تھے۔

کچھ دیر تک یوں ہی کھڑے کھڑے جھٹکے کھانے کے بعد میں اسی گوشے میں بیٹھ گیا۔ وہ سفر تھا کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ شاید وہ لوگ مجھے دہلی کے آباد اور مرکزی علاقوں سے نکال کر کسی مضافاتی ویرانے کی طرف لے جا رہے تھے۔

بند اور نیم تاریک وین میں مجھے وقت کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکا۔ میں شب خوابی کے لباس میں' ناشتے سے محروم بیٹھا رہا۔ پھر پک اپ کی رفتار کم ہونے لگی۔ مسرت روی سے کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد پک اپ ٹھہر گئی اور اس کا انجن بند کر دیا گیا۔

گاڑی رکتے ہی وہ دونوں تیر کی طرح میری طرف آئے اور سختی سے میری آنکھوں پر ایک سیاہ پٹی کس کر باندھ دی۔ میں نے اس بار بھی کوئی مزاحمت نہیں کی۔ دروازہ کھول کر انہوں نے مجھے پک اپ سے نیچے اتارا۔ میں نے اپنے بدن اور بازوؤں پر مزید کئی اجنبی ہاتھوں کے لمس محسوس کیے اور پھر کئی قدموں کی ملی جلی دھمک کے ساتھ ہمارا جلوس چل پڑا۔ انہوں نے میرے ہاتھ باندھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

اس وقت رہنمائی کے لیے صرف ایک شخص نے میرا بازو تھاما ہوا تھا۔ [illegible] کے [illegible] میں پڑے۔ نیچے

Downloaded from https://paksociety

نیم پختہ فرش کی آہٹیں تھیں اور کھلی ہوا کے جھونکے بتا رہے تھے کہ ہم کسی میدان یا احاطے میں سے گزر رہے تھے۔

ٹھوس اور پختہ فرش پر انسانی قدموں کا آہنگ بدل گیا۔ چند سیڑھیاں عبور کرنے کے بعد کھلی ہوا ختم ہوگئی۔ جوتوں کی آواز گونجنے لگی۔ ہم کسی عمارت میں داخل ہو چکے تھے جہاں متوقع طور پر نرمش شرما میرا منتظر ہو سکتا تھا۔

کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد ہمیں سیڑھیاں اترنا پڑیں۔ قیاس بتا رہا تھا کہ وہ مجھے کسی تہ خانے میں لے جا رہے تھے۔ زینے ختم ہونے کے بعد ہم مزید بیس قدم چلے ہوں گے کہ میرا بازو چھوڑ دیا گیا اور کسی نے زور سے مجھے آگے دھکیل دیا۔

میں بے خبری میں لڑکھڑاتا ہوا کئی قدم آگے چلا گیا۔ میرے دونوں ہاتھ آگے پھیل گئے تاکہ میں کسی ناگہانی رکاوٹ سے اپنے جسم اور چہرے کے تصادم کو بچا سکوں۔ کسی چیز سے ٹکرائے بغیر میں سنبھل کر رکنے میں کامیاب ہوگیا۔ سنبھلتے ہی میں نے اپنی آنکھوں پر کسی سیاہ پٹی اوپر اٹھائی اور فوراً پلٹ کر دیکھا تو مضبوط چوبی دروازہ بند کیا جا چکا تھا۔

اس تہ خانے میں قدرتی روشنی کا گزر نہیں تھا۔ چھت میں دو ٹیوب لائٹس روشن تھیں۔ ان روشنیوں کے بعد میری نظر ایک انسانی چہرے پر پڑی اور میری روح تک کانپ کر رہ گئی۔ اس کی چمک دار آنکھوں میں عجیب دہشت اور بے رونقی رچی ہوئی تھی۔ سر اور داڑھی کے بال بے ترتیبی سے بڑھے ہوئے تھے۔ جسم پر میلا لباس تھا۔ وہ دیوار کے سہارے اکڑوں بیٹھا میری طرف دیکھ رہا تھا۔

میں نے جوں ہی اس کی طرف پیش قدمی شروع کی' وہ خوف زدہ ہو کر چیخ پڑا "نہیں' نہیں۔ مجھے ہاتھ نہ لگانا۔ میں سچ بتا رہا ہوں کہ میں انٹر سروسز کا آدمی ہوں۔ پاکستان اپنا ایٹم بم بنا چکا ہے۔ یہ سارا کام زیر زمین تجربہ گاہوں میں ہوتا ہے..."

وہ بول نہیں رہا تھا بلکہ ہذیانی انداز میں چیخ رہا تھا۔ میں رک کر ترحم آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"ڈرو نہیں" اس کا ہذیانی دورہ ختم ہونے پر میں نے نرمی سے کہا "میں ان میں سے نہیں ہوں' ان کا قیدی ہوں۔"

وہ چیختے رہنے کے بعد تھک کر بری طرح ہانپ رہا تھا۔ چڑھے ہوئے سانسوں کے درمیان اس نے کہا "میں کسی پر بھروسا نہیں کر سکتا.... سب آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں مگر میں برسوں سے یہیں قید ہوں۔ پتا نہیں میری فیملی کہاں اور کس حال میں ہوگی؟ بچے کیا کر رہے ہوں گے۔ تمہیں کچھ پتا ہے ان کا؟"

"نہیں' میرے دوست! میں کچھ نہیں جانتا" اسے جواب دیتے ہوئے میرے وجود میں رقت کی ایک لہر سی دوڑ گئی "مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے اپنے بارے میں کچھ بتاؤ تاکہ میں تمہاری مدد کر سکوں۔"

"کوئی میری مدد نہیں کر سکتا.... کوئی بھی میری مدد نہیں کر سکتا" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا سر گھٹنوں میں دیا اور کسی بچے کی طرح بلک کر رو پڑا۔

میں دبے قدموں اس کے قریب پہنچ گیا' مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ طویل قید اور تشدد کی وجہ سے اس کا ذہنی توازن خراب ہو چکا تھا' اس کے کپڑے میلے تھے لیکن بدن سے زیادہ بدبو نہیں آ رہی تھی۔ شاید اسے کبھی کبھار نہانے کا موقع دیا جاتا تھا تاکہ اس کے پاس آنے والے بھارتیوں کو ناقابل برداشت بدبو کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ہمدردی سے پوچھا "کیا تم پاکستانی ہو؟"

اس نے رونا یکلخت ترک کر دیا۔ سر اٹھایا تو اس کی آنکھیں خشک اور ویران تھیں "اتنے برس ہو گئے' اب مجھے کچھ یاد نہیں کہ میں کون ہوں مگر خدا کی قسم' ایٹم بم میں نے نہیں بنایا۔ اب مجھے نہ مارنا۔ میری ہڈیوں کی قوت برداشت جواب دے چکی ہے۔ مجھے ایک بار میرے بیوی بچوں سے ملا دو۔"

میں راء والوں کی قید میں آکر فکر مند نہیں ہوا تھا لیکن اس نامعلوم شخص کی حالت نے مجھے فکر مند کر دیا۔

چند ثانیے یوں ہی گزر گئے پھر دیوار میں پوشیدہ کسی اسپیکر سے ایک انسانی آواز گونج اٹھی "مظہر خان! میں نرمش شرما بول رہا ہوں۔ اس سیل میں موجود وحشی انسان کے روپ میں شاید تم نے اپنا مستقبل دیکھ لیا ہوگا۔ تم جو کہنا چاہتے ہو کہہ ڈالو۔ تمہاری ہر آواز مجھ تک پہنچ رہی ہے۔ خفیہ کیمرے کی آنکھ سے میں اس وقت تمہاری ہر نقل و حرکت کو دیکھ رہا ہوں۔"

"میں یہ سب سمجھنے سے قاصر ہوں۔ مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے؟" میں نے خوف زدہ لہجے میں پوچھا۔

"سچ جاننے کے لیے۔ سچ نہ اگلنے والوں کا جو انجام ہوتا ہے' اس کی ایک مثال تمہارے ساتھ بیٹھی ہے۔"

"میں تمہیں ہر بات سچ سچ بتا چکا ہوں۔ اب تم کیا جاننا چاہتے ہو؟" میں نے گھبرا کر سوال کیا۔ کوئی پوشیدہ کیمرا

Downloaded from https://paksociety.com

میرے چہرے پر مرکوز تھا اس لیے صداکاری کے ساتھ بہترین اداکاری بھی میری ناگزیر ضرورت بن گئی تھی۔

"ناگر سے تمہارے کیسے مراسم تھے؟" نریش براہِ راست اپنے مطلب کی بات پر آگیا۔ اس نے حال کے بجائے ماضی کے بارے میں سوال کیا تھا۔

"بہت تند خو اور کینہ پرور آدمی ہے" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ حال کے صیغے میں جواب دیا "کل اس سے میری دوسری اور آخری ملاقات ہوئی تھی۔ اس سے پہلے وہ میرے فنگر پرنٹس لینے کے لیے رینا کے ساتھ میرے ہوٹل میں آیا تھا۔"

"جو باتیں مجھے معلوم ہیں وہ دہرانے کی ضرورت نہیں۔ میں اندر کی کہانی جاننا چاہتا ہوں" نریش کی آواز سرد ہوگئی۔

"ہمارے درمیان کوئی خفیہ رابطہ نہیں ہے" میں نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا "رینا نے مجھے بتایا تھا کہ وہ بلیک کیٹس کا بہترین کمانڈو ہے اور اس کے ساتھی اسے خونی بھیڑیے کے نام سے جانتے ہیں۔ اس جیسے خطرناک اور پیشہ ور آدمی کے ساتھ میرے کیا مراسم ہوسکتے ہیں۔ تم اس سے پوچھ سکتے ہو۔ وہ مجھے پسند کرسکا نہ میں نے اس کے لیے کسی پسندیدگی کا جذبہ محسوس کیا۔"

"بدقسمتی یہ ہے کہ وہ ہر پوچھ گچھ سے آزاد ہوچکا ہے اسی لیے تمہاری ضرورت محسوس کی گئی ہے۔"

"کیا؟" میں حیرت اور بے یقینی سے اپنی جگہ سے اچھل پڑا "کیا وہ مرگیا؟ کل تک تو وہ بالکل ٹھیک تھا۔"

"میرے لیے افسوس کی بات یہ ہے کہ وہ مرا نہیں' اسے مارا گیا ہے اور ایسی جگہ مارا گیا ہے جہاں اسے موجود نہیں ہونا چاہیے تھا۔"

"تو کیا تم اس کے قتل کے سلسلے میں مجھ پر کوئی شبہ کررہے ہو؟" میں نے بے ساختہ پوچھا۔

"اتنے معصوم مت بنو۔ دوستوں اور محبوبوں کو ایسے طریقوں سے نہیں بلوایا جاتا۔"

"مجھے یہ خبر تمہاری زبان سے ملی ہے۔ کل اس نے مجھے ہوٹل پر اتار دیا تھا۔ اس کے بعد میری اور اس کی کوئی ملاقات نہیں ہوئی۔"

"مجھ سے رخصت ہونے کے بعد تم میرے دفتر میں دوبارہ کب پہنچے تھے؟"

"نریش جی! خدا کا خوف کرو" اس بار نریش کی سرد مہری پر میری آواز واقعی کانپ گئی "مجھے دوبارہ تمہارے دفتر جانے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ کوئی معمولی دفتر نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں کہ را کے حفاظتی حصار کو توڑ کر وہاں تک پہنچنا ناممکن ہے۔ تم مجھ پر شبہ کیوں کررہے ہو؟"

"میں جھوٹوں سے سچ اگلوانا جانتا ہوں۔ تم نے ابھی تک اپنے قید خانے کا جائزہ نہیں لیا۔ فرش میں خاص فاصلوں پر چار فولادی شکنجے گڑے ہوئے ہیں۔ ان میں تمہاری کلائیاں اور پنڈلیاں باندھ دی جائیں گی اور دباؤ رفتہ رفتہ بڑھایا جائے گا۔ چاروں ہڈیاں چور چور ہوکر پگھلا ہوا گودا باہر بہنے سے پہلے تمہاری قوت برداشت جواب دے جائے گی اور تم چیخ چیخ کر سچ بولنے لگو گے۔ یہ ترکیب میں نے دوسرے مرحلے کے لیے بچا رکھی ہے۔"

"تم مجھے گھیر کر کسی وجہ سے مارنا چاہتے ہو تو سامنے آؤ اور میرے سر یا سینے میں پگھلا ہوا سیسہ اتار دو۔ دوستی اور ایک دوسرے کا ساتھ نبھانے کے سہانے وعدے کرنے کے بعد تم آج ایک دم کیوں بدل گئے ہو؟ کیوں میرے خون کے پیاسے ہوگئے ہو؟"

"تم سے ملاقات میں سب کچھ طے ہوجانے کے بعد پلوں کے نیچے سے یکایک بہت سا پانی گزر گیا۔ جو کچھ ہوا' اسے آسانی سے کیا کسی بھی قیمت پر نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ ہمیں اپنا مجرم درکار ہے اور تم اس خاکے کے لیے سب سے موزوں امیدوار ہو۔"

"نریش جی! میں پرانی گاڑیوں کا بیوپار کرنے والا ایک غریب تاجر ہوں" میں نے روہانسی آواز میں کہا "مجھے بتاؤ کہ میں ناگر کو کیوں مارتا۔ وہ مجھے پسند نہیں آیا تھا مگر اس سے میری کوئی دشمنی نہیں تھی۔ ہمیں بہت سے لوگ پسند نہیں آتے۔ کچھ سے ہم نفرت کرتے ہیں۔ کیا ہم ان سب کو مار دیتے ہیں' پہلے تم نے مفت میں مجھے پچیس ہزار روپے ماہوار آمدنی کا لالچ دے کر خریدا اور اب میری جان کے درپے ہورہے ہو۔"

"ہوش میں رہ کر کل کی کہانی سناؤ۔ مجھ سے ملنے کے بعد تم کیا کرتے رہے اور کہاں کہاں گئے؟" دیوار سے نریش کا فرمان سنائی دیا۔

میرے ذہن میں ایک لمحے کے لیے ہلچل سی مچی۔ اسے ہم لوگوں کے ہوٹل چھوڑنے اور پھر واپس آنے کے بارے میں معلوم ہوچکا تھا یا وہ اس کی طرف سے بے خبر تھا۔ میری وہ بے یقینی اسی لمحے تک برقرار رہی اور پھر زائل ہوگئی۔ اگر وہ بے خبر تھا تب بھی وہ واقعہ ہوٹل کے ریکارڈ پر تھا۔ جلد یا بدیر نریش کے علم میں آسکتا تھا۔ میری طرف سے اسے چھپانے کی کوشش میرے حق میں مضر ثابت ہوسکتی تھی۔ فیصلہ

Downloaded from https://paksociety.com

لمحات آچکے تھے۔ اس بار مجھے کچھ نہ کچھ سچ بولنا تھا۔

"تمہارے پاس سے لوٹنے کے بعد میں دیر تک آنے والے خوشگوار دنوں کے بارے میں سوچتا رہا" میں نے پرخیال انداز میں کہنا شروع کیا "مجھ جیسے بے بساط آدمی کے لیے ہر مہینے پچیس ہزار روپے کی اضافی آمدنی بہت بڑی خوش خبری تھی۔ میری مشکل یہ تھی کہ رازداری کی وجہ سے میں اپنی ساتھی کو بھی اس خوشی میں شریک نہیں کرسکتا تھا۔ مجھے یاد تھا کہ تم مجھے جلد از جلد پاکستان واپس بھیجنا چاہتے ہو۔ تم نے مجھے روانگی کے لیے آج شام تک کا وقت دیا تھا۔ میں نے سوچا کہ رات کو ہی آگرہ اور تاج محل کی سیر کرلی جائے۔ میری تجویز پر وہ بھی راضی ہوگئی اور آٹھ بجے کے قریب ہم نے ہوٹل چھوڑ دیا۔"

الفاظ میرے ذہن میں برجستہ جنم لے رہے تھے۔ میری کوشش یہ تھی کہ اس گفتگو میں غزالہ کا ذکر اس کے نام کے بغیر ہو۔ اس وقت را کے تمام اہل کار زخم خوردہ تھے۔ غزالہ کے نام کے ذرا سے اشارے پر نریش شرما کا ذہن ڈیتی اور ویرا کی طرف جاسکتا تھا۔

اپنی اس احتیاط کے ساتھ میں نے اپنی مفروضہ کہانی جاری رکھی "میرا ارادہ تھا کہ ہوٹل سے نکلنے کے بعد ہم کناٹ پلیس گھومیں گے پھر میں کہیں سے فون کرکے تمہیں بتادوں گا کہ ہم اس وقت آگرہ کے لیے روانہ ہورہے تھے۔ ضرورت پڑنے پر میں نے اپنی ساری جیبیں دیکھ ڈالیں لیکن تمہارا کارڈ نہیں ملا۔ تمہیں اطلاع دیے بغیر میں دہلی چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ دفتر کا وقت ختم ہوئے مدت بیت چکی تھی۔ تمہارے گھر کا پتا معلوم نہیں تھا۔ مجبور ہوکر میں نے آگرہ جانے کا ارادہ ملتوی کردیا مگر ہم دونوں کے ذہنوں پر تاج محل سوار تھا۔ ہم نے ہوٹل کے بند کمرے میں لوٹنے کے بجائے دہلی کی کھلی فضا میں آزادی کا کچھ رومان پرور وقت گزارنے کا فیصلہ کرلیا۔ ہم ایک ساتھ گھومتے رہے۔ جامع مسجد اور لال قلعہ کے بعد ہم دریا گنج سے ہوتے ہوئے کناٹ پلیس واپس پہنچے تو رات بہت گہری مگر خوش گوار ہوچکی تھی۔ ہم دونوں کناٹ پلیس کے مرکزی سبزے میں جاکر لیٹ گئے۔ ہمیں اس وقت ہوش آیا جب وہاں سناٹا ہوگیا اور بھکے ہوئے شرابیوں وغیرہ کے علاوہ کوئی باقی نہیں رہا۔ تھکے ماندے ہم ہوٹل لوٹ آئے۔ نئے سرے سے بکنگ کرائی اور کمرے میں پہنچ کر بستر پر ڈھیر ہوگئے۔ تمہارے آدمیوں نے مجھے نیند سے بیدار کرکے کمرا کھلوایا تھا اور تم دیکھ رہے ہوگے کہ میں اس وقت ناشتا کیے بغیر، سونے کے کپڑوں میں اس قید خانے میں بیٹھا ہوا ہوں۔"

"تمہاری یہ کہانی بالکل جھوٹ ہے۔ میں سچ سننا چاہتا ہوں" میرے خاموش ہونے پر نریش کی آواز گونجی۔

اس کا وہ دعویٰ اس قدر پُراعتماد تھا کہ میں سناٹے میں آگیا مگر فوراً ہی سنبھل کر کہا "تمہارے ماننے یا نہ ماننے سے حقائق نہیں بدل سکتے۔ اگر تم مجھے مارنے کا فیصلہ کرچکے ہو تو تمہیں اپنا وقت برباد کرنے کی ضرورت نہیں۔ موت سے زیادہ میں سسکتی ہوئی زندگی سے ڈرتا ہوں۔"

"تمہاری ہر بات بے سروپا ہے کیونکہ تمہارے کمرے کی تلاشی لینے والوں نے میرا دیا ہوا کارڈ وہاں سے برآمد کیا ہے۔"

نریش نے وہ بات پورے وثوق سے کہی تھی لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ میرے ساتھ بلف کررہا تھا۔ اس کا دیا ہوا کارڈ میں نے بیم گن وغیرہ چھیانے سے پہلے، اپنے ہاتھوں سے پھاڑ کر غزالہ کے ہاتھ روم کے کموڈ میں بہادیا تھا۔

"تم بالکل غلط کہہ رہے ہو" اس بار میں نے پرزور لہجے میں احتجاج کیا "وہ وہی کارڈ ہے تو میں اسے پہچان لوں گا۔ میں نے اس کی پشت پر اپنے ہاتھ سے اپنے ہوٹل کے کمرے کا نمبر لکھا تھا۔ تم اور تمہارے آدمی اس بارے میں مجھے دھوکا نہیں دے سکتے۔"

نریش نے وہ بات وہیں گول کردی اور چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا "تم مجھے یہ بتارہے ہو کہ تم کل رات آٹھ بجے سے آج صبح پانچ چھ بجے تک کناٹ پلیس کے قرب وجوار کے علاقوں کی کوچہ نوردی کرتے رہے۔ کیا یہ بات مانی جاسکتی ہے؟"

"نہ مانو۔ مجھے یقین ہونے لگا ہے کہ تم کسی نہ کسی بہانے سے مجھے ٹھکانے لگانا چاہتے ہو۔"

اس بار نریش شرما کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ میں نے دو تین بار اسے پکارا پھر بھی جواب نہیں ملا۔ شاید اس نے تہ خانے کا ساؤنڈ سسٹم بند کردیا تھا۔

مجھے ناشتے کی کمی محسوس نہیں ہورہی تھی لیکن اعصابی تناؤ کے عالم میں سگریٹ کی طلب شدت سے ستارہی تھی۔ میری اور نریش کی گفتگو کے دوران میں تہ خانے کا دوسرا قیدی احمقانہ انداز میں منہ پھاڑے ہماری باتیں سنتا رہا پھر فرش پر ایک گٹھری کی صورت میں لیٹ کر سوگیا۔

اس قیدی کی باتیں بے ربط اور مجنونانہ تھیں لیکن ان سے میں یہ نتیجہ اخذ کرچکا تھا کہ وہ کوئی بدنصیب پاکستانی تھا جسے انٹر سروسز انٹیلی جنس کا کوئی نوسر باز کے شیشے میں را

Downloaded from https://paksociety.com

والوں نے پکڑا ہوا تھا۔ وہ اس سے پاکستان کی ایٹمی تیاریوں کے بارے میں کچھ ایسی باتیں اگلوانا چاہتے تھے جو سرے سے اس کے علم میں نہیں تھیں۔ اس کے چہرے کی مرجھائی ہوئی کھال اور بے رونقی سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے ایک طویل مدت سے سورج کی روشنی دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔

وہ اس قید خانے میں اپنی قید کا ایک بڑا حصہ گزار چکا تھا جبکہ میرے لیے اس قید کی ابتدا تھی۔

ایک طرف نریش شرما نے میری توجہ فرش پر گڑے ہوئے فولادی شکنجوں کی طرف مبذول کرائی تھی جن کے وحشیانہ اور آخری حد تک استعمال کی صورت میں کسی کا زندہ بچنا ممکن نہیں تھا۔ دوسری طرف اس نے مجھے یہ بتا کر خوف زدہ کرنے کی کوشش کی تھی کہ میرا مستقبل پرانے قیدی جیسا ہو سکتا تھا۔

نریش کی ان دونوں باتوں میں تضاد تھا۔ ایک راستہ براہ راست اذیت ناک موت کی طرف جاتا تھا جبکہ دوسری راہ جسمانی تشدد کے بجائے ذہنی اور نفسیاتی مار کی نشان دہی کر رہی تھی جس میں جان کے فوری زیاں کا اندیشہ نہیں تھا۔

میں سوچ میں پڑ گیا کہ نریش کیا چاہ رہا تھا اور مجھے اس قید خانے میں پہنچانے کا کیا مقصد تھا؟

یہ بات طے تھی کہ پچھلی رات دہلی میں رونما ہونے والے واقعات نے اس مرکزی شہر کی انتظامیہ کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ مجھے اخبارات دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا اس لیے کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ مقفل کمرے میں پڑی ہوئی جان امتھ کی لاش دریافت ہو چکی تھی یا وہ قتل پردۂ راز میں تھا مگر یہ ضرور طے تھا کہ را کے ایک ونگ میں رات گئے رونما ہونے والے واقعات صبح کے اخبارات میں جگہ نہ پانے کے باوجود پورے شہر کے علم میں آ چکے ہوں گے اور انتظامیہ کی طرف سے شہر بھر میں مشتبہ افراد کے خلاف کریک ڈاؤن شروع کر دیا گیا ہوگا۔

اگر نریش شرما نے اسی عمومی کریک ڈاؤن کے تحت مجھ پر ہاتھ ڈالا تھا تو مجھے جلد رہائی ملنے کی امید تھی۔ میرے ذہن میں دھیرے دھیرے کڑیاں یکجا ہونے لگیں۔ اگر را والوں کے پاس میرے خلاف واضح ثبوت ہوتے تو وہ ڈنکے کی چوٹ پر مجھے گرفتار کر کے فخریہ انداز میں سارے قانونی تقاضے پورے کر ڈالتے۔ انہوں نے اس طریقے سے گریز کیا تھا۔ وجے نے میرا کمرا چھوڑنے سے قبل غزالہ کو دھمکی دی تھی کہ اس نے میری گرفتاری کے بارے میں زبان بھی کھولی تو اس کا اچھا نتیجہ برآمد نہیں ہوگا۔

بظاہر یہی امکان قوی نظر آ رہا تھا کہ میں نے پچھلے دن را کے دو بڑوں سے ملاقات کی تھی اور میں ایک کمزور سا پاکستانی تھا جسے انہوں نے اس کی رنگین مزاجی کی بنیاد پر اپنے جال میں پھانس لیا تھا۔ اس بنا پر افراتفری میں نریش نے مجھے اٹھوا لیا تھا۔ وہ ان لوگوں کی ایک لگی بندھی حکمت عملی تھی کہ ہر نئے قیدی کو ابتدا میں ہی ایسے شدید ذہنی جھٹکوں سے دوچار کیا جائے کہ اصل باز پرس کی ابتدا ہونے سے پہلے اس کی ساری مزاحمتی صلاحیتیں دم توڑ جائیں اور حوصلہ جواب دے جائے۔ پراسرار انداز میں میرے تشدد آمیز اغوا کے بعد انہوں نے ان ہی مقاصد کے حصول کے لیے مجھے اس خوف آور تہ خانے میں پہنچایا تھا جہاں پہلے سے ایک پرانا قیدی سسک رہا تھا۔

ایسے ناخوش گوار اور حوصلہ شکن حالات میں خوش گمانی بھی ایک نعمت سے کم نہیں تھی۔ میں اس کے سہارے آنے والی دشواریوں کا پرعزم مقابلہ کر سکتا تھا۔

وقت گزاری کے لیے میں نے اٹھ کر تہ خانے کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ سورج کی روشنی اور وافر مقدار میں ہوا کا گزر نہ ہونے کی وجہ سے تہ خانے کی فضا میں سیلن اور ہلکی سی بدبو رچی ہوئی تھی جسے دور کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی تھی۔ تہ خانہ اپنے رقبے کے اعتبار سے خاصا کشادہ تھا جس میں چار آہنی شکنجوں کے سوا ایذا رسانی کا کوئی آلہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ نیم گولائیوں کی ساخت کے جبڑوں والی ہر بانک پر سوکھے ہوئے خون کی موٹی تہیں جمی ہوئی تھیں جن سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ را کے نمائشی آلات نہیں تھے۔ گاہے گاہے انہیں استعمال بھی کیا جاتا تھا۔

چھت پر روشنیاں کچھ اس انداز میں نصب کی گئی تھیں کہ فرش روشن ہونے کے باوجود چھت اور اس سے ملحقہ دیواروں کا بالائی حصہ اندھیرے میں تھا۔ میں کوشش کے باوجود تہ خانے میں نصب اسپیکر، مائیکروفون اور خفیہ ویڈیو کیمروں کا سراغ نہیں لگا سکا۔

تہ خانے کے ایک گوشے میں بغیر دروازے کا باتھ روم تھا جہاں پانی کی ٹونٹی میں اس وقت بھی پانی آ رہا تھا۔ تنہائی کی اس سخت قید میں وہ باتھ روم ایک نعمت معلوم ہوتا تھا جو را کے افسروں نے غلطی سے قیدیوں کو فراہم کر دیا تھا۔ مجھے اس کے استعمال کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔

عجلت اور بھگدڑ میں میری رسٹ واچ بھی ہوٹل میں رہ گئی تھی۔ میں اس اجاڑ اور وحشت انگیز تہ خانے میں تنہا بھٹکتا رہا۔ میرا سا تھی فرش پر اتنی گہری نیند سویا تھا کہ اس

Downloaded from https://paksociety.com

نے دوبارہ اٹھنے بلکہ پہلو بدلنے تک کا نام نہیں لیا تھا۔ اس مہیب تنہائی سے گھبرا کر میں کئی مرتبہ مضبوط چوبی دروازے تک گیا اور وہاں رک کر دوسری طرف کی سن گن لینے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ دروازے کے پار گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا۔

نریش شرما اپنے ساؤنڈ سسٹم پر مجھ سے پوچھ گچھ کرکے غائب ہوگیا تھا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ دوسری ہنگامی مصروفیات میں الجھ کر کہیں وہ مجھے بھول ہی نہ گیا ہو۔

میرے اندازے کے مطابق دوپہر کے بعد چوبی دروازہ کھلا۔ میں اپنے دل پر جبر کرکے اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ آنے والے تعداد میں دو تھے۔ ایک سب مشین گن لیے دروازے پر کھڑا رہا دوسرا ایک گول پلیٹ لیے میری طرف بڑھ آیا۔ اس پلیٹ میں چائے کی ایک شکستہ پیالی اور تین خشک ٹوسٹ رکھے ہوئے تھے۔

"جلدی ناشتا کرلو۔ تمہیں پیشی پر جانا ہے" اس نے پلیٹ میرے حوالے کرتے ہوئے تحکم آمیز لہجے میں کہا۔

میں نے ممنون نگاہوں سے اس خبیث کی طرف دیکھا اور پلیٹ لے لی۔ چائے پھیکی اور ٹھنڈی تھی لیکن کچھ نہ ہونے سے بہرحال بہتر تھی۔ میں نے سوکھے ہوئے باسی ٹوسٹ چائے میں ڈبو کر اپنے حلق سے اتارے تو انہوں نے پیالی سے چائے کی آخری بوند تک چوس لی۔ میرے فارغ ہوتے ہی اس نے میرے آگے سے دونوں برتن اٹھا لیے۔ ساتھ ہی مجھے بھی اٹھنے کا اشارہ کیا۔

میں نے اپنے بدنصیب ساتھی پر نظر ڈالی۔ وہ بدستور سویا ہوا تھا۔ میں اپنے نئے میزبان سے آگے دروازے کی طرف ہولیا۔

مجھے حیرت تھی کہ اس بار میری آنکھوں پر پٹی نہیں باندھی گئی تھی مگر میری وہ حیرت زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکی۔ چوبی دروازہ باہر سے مقفل کرنے کے بعد گن مین اپنی گن تانے ہوشیار کھڑا ہوگیا اور پلیٹ والے نے میری پیشانی پر چڑھی سیاہ پٹی بے رحمی سے آنکھوں پر کھینچ دی۔

اس بار میرا سفر مختصر ثابت ہوا۔ مجھے تہ خانے سے نکال کر اسی عمارت کے کسی کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ مجھے لانے والے دونوں آدمی مجھے وہیں رکنے کی ہدایت دے کر واپس لوٹ گئے، جاتے ہوئے انہوں نے کمرے کا دروازہ باہر سے بولٹ کردیا تھا۔

میری چھٹی حس بتا رہی تھی کہ اس وقت کمرے میں میرے سوا کوئی ذی روح نہیں تھا۔ میرے دونوں ہاتھ آزاد تھے۔ میں نے جھجکتے ہوئے اپنی آنکھوں پر سے پٹی اتار دی۔

وہ کمرا واقعی ہیبت کدہ تھا۔ وہاں دیواروں کے ساتھ ایذا رسانی کے متعدد چھوٹے بڑے مشینی اور برقی آلات لگے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا کہ راولوں نے وہاں اپنے شکار کی انگلیوں سے لے کر اس کے پورے وجود تک کو بھیانک اذیتوں سے گزارنے کا بندوبست کیا ہوا تھا۔ وہاں برقی جھٹکے دینے کے آلات کے ساتھ، چھت سے خون آلود تار اور رسیاں بھی جھول رہی تھیں۔

اس کمرے کا ایک دروازہ وہ تھا جس سے مجھے اندر لایا گیا تھا۔ دوسرا دروازہ بغلی دیوار میں تھا۔

یہ سوچ کر میرے ذہن پر خلجان سا طاری ہونے لگا کہ تھوڑی دیر بعد مجھے ان میں سے کسی اوزار کے سپرد کیا جانا تھا۔

را کے کام کرنے کے ڈھنگ نرالے تھے۔ وہ عیش وعشرت کے ساتھ اذیت کی انتہا سے کام لے رہے تھے۔ ایک طرف حسین اور دلکش بھارتی دوشیزاؤں کی اداؤں کے رنگین جال تھے جن میں پھنسنے والے بھول کر بھی کسی اذیت کے بارے میں نہیں سوچ سکتے تھے۔ اس حسین اور مسحور کن کھیل کے اختتام پر اذیت وعقوبت کے وہ حیوانی آلات اور حربے تھے جن کے سائے میں انسان عیش و آرام کا تصور تک نہیں کرسکتا تھا۔

تہ خانے کے مقابلے میں وہ کمرا زیادہ صاف ستھرا اور اہم نظر آرہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہاں بھی نگرانی کے خفیہ آلات اور کیمرے ضرور نصب ہوں گے۔ میرے دل میں خواہش تھی کہ میں ان چیزوں کو قریب سے چھو کر دیکھوں لیکن میں اپنی جگہ جما کھڑا رہا۔ میں اپنی کسی حرکت سے راولوں کو یہ نتیجہ اخذ کرنے کا موقع نہیں دینا چاہ رہا تھا کہ میں ان کے شعبدوں کی نمائش سے مرعوب ہوگیا تھا۔

اس کمرے میں گھومنے اور جھولنے والی دو آرام دہ کرسیاں بھی پڑی ہوئی تھیں مگر میں نے ان کا رخ نہیں کیا۔ جب تک راولے کھل کر میری حیثیت کا تعین نہیں کردیتے تھے، میں خود کو بدترین آزمائشوں کے لیے تیار رکھنا چاہتا تھا۔

میرا وہ انتظار زیادہ طویل ثابت نہیں ہوا۔ کمرے کا اندرونی دروازہ کھلا اور نریش شرما سبک روی سے چلتا ہوا اندر آگیا اور سیدھا ایک آرام کرسی پر جا بیٹھا۔ اس کا چہرہ گمبھیر نظر آرہا تھا۔

"اب تم کیا کہتے ہو؟" کرسی پر چند ثانیوں تک جھولتے رہنے کے بعد نریش نے پوچھا "تہ خانے اور اس کمرے کی سیر

Downloaded from https://paksociety.com

کرنے کے بعد تمہارے خیالات میں کوئی نہ کوئی مثبت تبدیلی ضرور آئی ہوگی۔ اس وقت تم زندگی اور موت کے دوراہے پر کھڑے ہوئے ہو۔ تمہارا ایک سچ تمہارے لیے زندگی کی نوید بن سکتا ہے۔"

"میں سچ تمہیں بتا چکا ہوں۔ فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے۔ میں اپنے ہر انجام کے لیے تیار ہوں" میں نے دل پر پتھر رکھ کر جواب دیا۔

"اپنے وطن کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" وہ اچانک ایک غیر متعلق سوال پوچھ بیٹھا۔

"میں اس سے محبت کرتا ہوں" میں نے انجام سے بے خوف ہو کر بلا توقف کہہ ڈالا۔

"ہم سے پچیس ہزار روپے ماہانہ کا سودا کرنے کے بعد بھی تم اپنے اس دعوے پر قائم ہو؟" نریش شرما کی طرف سے اعصاب شکن سوالات کا سلسلہ جاری تھا اور میں پوری بے خوفی سے اسے مسکت جوابات دینے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

"میں نے کوئی سودا نہیں کیا۔ اگر اب تم اسے سودا کہتے ہو تو اس کے لیے مجھے میری ویڈیو فلم کی بنا پر مجبور کیا گیا ہے۔"

"سودا نہیں تو پھر یہ کیا ہے؟ تم رقم لوگے اور ہمیں معلومات فراہم کروگے" اس نے ویڈیو فلم کے بارے میں کوئی جواب نہیں دیا۔

"اسے تم نے کروڑوں انسانوں کی فلاح و بہبود اور پُرامن بقائے باہمی کا منصوبہ قرار دیا تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"تم اس پر قائم رہنے پر تیار ہو؟" نریش شرما نے پوچھا۔

"اس وقت تم نے میری سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ماؤف کردی ہے۔ پہلے تم نے ناگر کے قتل سے بات شروع کی تھی۔ مجھے اس کا قاتل قرار دیا تھا اور اب سمجھوتے اور سودے کی بات کر رہے ہو۔ آخر تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

وہ طنزیہ انداز میں دھیمے سے ہنسا پھر بولا "تم یہ سب سمجھ لیتے تو اس وقت میری جگہ پر ہوتے۔ سوال کرنے کے بجائے صرف جواب دیتے رہو۔ اسی میں تمہارا مفاد ہے۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ مجھے دوسرے کاموں کو بھی دیکھنا ہے۔"

"جب تک تم اپنے وعدے سے نہیں پھرتے، میں اپنی کہی ہوئی ہر بات کی پاس داری کروں گا۔"

"ناگر سے تمہارا کیا گٹھ جوڑ تھا؟" اس نے ایک مرتبہ پھر یکایک سوالات کا رخ بدل دیا۔

"تم یہ سوال کسی بھی طرح کرلو، میرا پہلا جواب برقرار رہے گا۔ تمہیں میری بات پر یقین نہ ہو تو اپنے انکل سے پوچھ لو۔ میں نے ان سے ناگر کی سخت گیری کی شکایت کی تھی۔ ملاقات کے وقت وہ مجھ سے بلاوجہ میرا پاسپورٹ مانگ رہا تھا۔ اس سے میرے گٹھ جوڑ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ تمہارا بہت پرانا اور نامور آدمی تھا۔ اسے تمہارے خلاف کسی سے گٹھ جوڑ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"انکل کو ان معمولی باتوں کے لیے فرصت نہیں ہے۔ ان کا نام درمیان میں مت لاؤ۔ تم خوش نصیب ہو کہ تم کو ان سے ملاقات کرنے کا موقع مل گیا ورنہ وہ بہت سے لوگوں کے لیے مدت سے صرف ایک نام ہیں۔"

"تم میری باتوں پر اعتبار نہیں کر رہے۔ سوال گھما پھرا کر کر رہے ہو اس لیے مجھے یہ سب کہنا پڑ رہا ہے۔"

"فی الحال میں تمہیں ہونٹ والپس لوٹنے کی رعایت دے رہا ہوں" چند ثانیوں کے توقف کے بعد نریش شرما کے ہونٹوں سے وہ الفاظ برآمد ہوئے تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے تن مردہ میں جان سی پڑ گئی ہو مگر میں نے خود پر قابو رکھا اور پتھر کے کسی مجسمے کی طرح ساکت کھڑا رہا۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا "یہ یاد رکھنا کہ بعض پیچیدہ ترین معاملات میں ابھی تمہاری کلیرنس نہیں ہوئی ہے۔ آنے والے دنوں کے اخبارات سے تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ تم کیسی دلدل میں پھنسے ہوئے ہو۔ اب تم میری اگلی ہدایات تک دہلی میں رکے رہوگے۔ یہ نہ بھولنا کہ تمہاری ویڈیو فلم ہمارے قبضے میں ہے۔ اسے ہر وقت تمہارے خلاف استعمال کیا جا سکتا ہے۔"

"میں اس رعایت کے لیے تمہارا ممنون ہوں" میں نے لجلجاتی ہوئی آواز میں کہا "میں ایک بار پھر التجا کروں گا کہ میری فلم مجھے دے دو۔ میں کبھی تم سے سرکشی نہیں کروں گا۔ پتا نہیں تم اتنی جلد مجھ سے بدگمان کیوں ہوگئے ہو؟"

"اس فلم کو بھول جاؤ۔ وہ اب ہمارے ریکارڈ کا حصہ ہے" اس نے پُرغرور لہجے میں کہا۔

میں اس کے کھوکھلے دعوے پر دل ہی دل میں ہنس کر رہ گیا۔ اس کے دوسرے اہم ریکارڈ کے ساتھ میں اس فلم کو نذرِ آتش کر چکا تھا اور وہ بدستور اس فلم کے نام پر مجھے فریب دینے پر تلا ہوا تھا۔

"رینا ایک لڑکی تھی۔ ابھی تم یہاں رہو گے تو ہماری اور لڑکیاں بھی تم سے ملتی رہیں گی۔ شرط یہ ہے کہ تمہارا دامن صاف ہو۔ یہ بات ہم بہت جلد معلوم کرلیں گے۔ تم کو

Downloaded from https://paksociety.com

اندازہ ہو چکا ہوگا کہ یہاں ہمارے ہاتھ بہت دراز ہیں۔"

اس کی وہ ہرزہ سرائی میں نے خاموشی سے سن لی پھر نرمی سے کہا "اب مجھے اپنا نیا کارڈ دے دو۔"

"اس کی ضرورت نہیں رہی۔ میرا کوئی آدمی براہِ راست تم کو پیغام دے گا۔ تمہیں مجھ سے رابطہ کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"یہ تمہاری ترجیحات ہو سکتی ہیں لیکن میرے لیے بہتر یہی ہوتا کہ کسی آڑے وقت کے لیے تمہارے فون نمبر میرے پاس رہتے۔"

"تم پر اب کیا آڑا وقت آسکتا ہے۔" اس نے استہزائیہ لہجے میں پوچھا "یہاں تم نے بہت کچھ دیکھ لیا ہے۔"

"یہ آلات دوسروں کو ڈرا سکتے ہیں۔ میرے دل میں کوئی کھوٹ نہیں تھا اس لیے میں مطمئن تھا مگر مجھے اس بوڑھے پر ضرور دکھ ہے جو نہ جانے کب سے تہ خانے میں سسک سسک کر اپنی زندگی گزار رہا ہے۔"

"اسے ہم نے سرحدی علاقے میں سے دس سال پہلے پکڑا تھا۔" اس نے فخریہ لہجے میں بتایا "ہمارے ذرائع کے مطابق وہ آئی ایس آئی کا ایک جے سی او ہے جو سادہ لباس میں ہمارے علاقے کی ریکی پر آیا ہوا تھا۔ وہ بہت سخت جان ہے۔ تشدد نے اس کا دماغ الٹ دیا مگر اس نے کچھ اگل کر نہیں دیا۔ اب وہ اول فول باتیں کرتا ہے جو اعتبار کے قابل نہیں ہیں۔ اب ہم اس کا دماغی علاج کر رہے ہیں۔"

"وہ دس سال سے تمہارا قیدی ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ میرے دل میں اس قیدی کے لیے عزت و احترام کے جذبات امڈنے لگے۔

"ریکارڈ پر اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ ہمارے بھی ایسے کئی بے نام و نشان قیدی پاکستان کے قبضے میں ہیں۔ وہ چھوڑے جائیں گے تو ہم اسے بھی آزاد کردیں گے ورنہ یہ اسی تہ خانے میں اپنی زندگی کے باقی دن پورے کرے گا۔"

"تمہارے فون نمبروں کی بات ادھوری رہ گئی۔" بدنصیب قیدی کے نازک موضوع کو آگے بڑھانے کے بجائے میں نے دوسری بات چھیڑ دی "تم عارضی طور پر مطمئن ہو گئے ہو مگر دہلی کے نئے حالات میں کوئی دوسری ایجنسی مجھے تنگ کر سکتی ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ یہاں آئے ہوئے پاکستانیوں کو ہر وقت شک و شبے کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔"

"ہم دوسروں کے معاملات میں دخل نہیں دیتے۔" یہ کہتے ہوئے نریش نے کرسی چھوڑ دی "اگر کسی اور نے تمہارا رخ کیا تو تمہیں اپنے طور پر اسے مطمئن کرنا ہوگا۔ اس بارے میں را تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکے گی۔"

وہ درمیانی دروازہ کھول کر دوسری طرف غائب ہو گیا۔ چند لمحوں بعد اسی دروازے سے وہ دونوں آدمی نمودار ہوئے جو مجھے تہ خانے سے نکال کر وہاں تک لائے تھے۔ ایک نے میرے ہاتھ سے پٹی لے کر دوبارہ میری آنکھوں پر باندھ دی۔

وہ مجھے اس کمرے سے لے کر چلے تو مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ میری اگلی منزل کیا ہوگی۔ نریش شرما نے میری مشروط آزادی کا فرمان ضرور سنا دیا تھا مگر یہ نہیں بتایا تھا کہ اس پر کب سے عمل کیا جائے گا۔

جب مسافت بڑھ جانے کے باوجود زینے اترنے کا مرحلہ نہیں آیا تو مجھے یہ اطمینان ہو گیا کہ مجھے دوبارہ خوف آور تہ خانے میں نہیں ڈالا جا رہا تھا۔ چند منٹ تک چلنے کے بعد میں نے اپنے چہرے پر کھلی ہوئی تازہ ہوا کے جھونکے محسوس کیے تو میرا خوش ہو گیا کہ میں اس عمارت سے باہر پہنچ چکا تھا۔ تھوڑی دور جانے کے بعد مجھے ایک گاڑی کے پچھلے حصے میں سوار کرا دیا گیا جس کے قریب پہلے سے چند افراد موجود تھے۔

گاڑی کے حرکت میں آنے کے بعد میری آنکھوں پر بندھی ہوئی پٹی کھول دی گئی۔ میں نے محسوس کیا کہ گاڑی وہی تھی جو مجھے لانے کے لیے استعمال کی گئی تھی۔ گاڑی اگر وہ نہیں تھی تو بڑی حد تک اس سے مماثل ضرور تھی لیکن اس بار مجھے واپس لے جانے والے چہرے نئے تھے۔

○☆○

وہ لوگ مجھے ہوٹل کے کمرے سے زبردستی اٹھا کر لے گئے تو غزالہ کے فرشتے کوچ کر گئے تھے۔ اسے میرے ساتھ اپنا مستقبل بھی مخدوش نظر آنے لگا تھا۔ وہ عورت ذات تھی اور بہت اچھی طرح جانتی تھی کہ جب بدفطرت مرد عورت کے خلاف صف آرا ہوتے ہیں تو کہاں تک جا سکتے ہیں۔

ان اندیشوں کی روشنی میں اسے یہ سن کر اطمینان ہوا تھا کہ مجھے لے جانے والوں نے اسے مکمل زبان بندی کی ہدایت کی تھی۔ غزالہ نے وجے کے اس حکم پر پوں عمل کیا کہ میرے جانے کے بعد اسی کمرے میں محصور ہو کر رہ گئی جو میرے نام پر بک تھا۔ وہ کمرا جو غزالہ کے نام پر لیا گیا تھا، بدستور مقفل رہا۔

مجھے غزالہ کی حالت کا اندازہ تھا۔ میرے بدن پر موجود کپڑے روایتی معنوں میں سلیپنگ سوٹ کے زمرے میں نہیں آتے تھے لیکن [illegible] ملبوس ہو کر

Downloaded from https://paksociety.com

پورے ہوٹل میں گھوما جا سکے۔ مجھے واپس چھوڑنے والوں نے پارکنگ لاٹ میں گاڑی سے اتار دیا تھا۔ میں عقبی راستے سے ہوٹل میں داخل ہوا اور گردو پیش کو یکسر نظرانداز کرتا ہوا انٹرکام کارنر کی طرف چلا گیا۔ انٹرکام پر میں نے غزالہ کو اپنی واپسی کی اطلاع دی اور لفٹ کا رخ کیا۔

میں اسے باخبر نہ کرتا تو وہ میری دستکوں پر اپنا اطمینان کیے بغیر کمرے کا دروازہ نہ کھولتی اور مجھے دیر تک انتظار کرنا پڑتا۔ انٹرکام پر بات کرنے کا یہ فائدہ ہوا کہ وہ دروازے سے لگی میری منتظر تھی۔ دبیز قالین والی راہداری میں میرے قدموں کی ہلکی سی دھمک پر اس نے دروازے میں خفیف سی جھری پیدا کر کے باہر جھانکا اور پھر میرے لیے دروازہ پوری طرح وا کر دیا۔ میرے اندر پہنچتے ہی وہ والہانہ انداز میں میرے گلے لگ گئی۔

راوا لے مجھے بستر سے اٹھا کر بھوکا پیاسا لے گئے تھے۔ غزالہ ایک مشرقی لڑکی تھی۔ میرے لیے جائے جانے کے بعد اس نے بھی ناشتے کے بارے میں نہیں سوچا۔ فکر و تشویش کے عالم میں یوں ہی بیٹھی میری خیر و عافیت سے واپسی کے لیے خدا سے گڑگڑا کر دعائیں مانگتی رہی تھی۔

میں نے راکے نامعلوم ٹھکانے پر کچھ نہ کچھ رو کھا سوکھا ناشتا کر لیا تھا مگر غزالہ نے اسی وقت روم سروس کو کھانا لانے کی ہدایت کر دی۔

دن کے تین بج رہے تھے۔ میری طبیعت پر تکان اور کسل مندی طاری تھی۔ میں غزالہ کو چند منٹ تک انتظار کا مشورہ دے کر باتھ روم میں گھس گیا۔ را کے زیر زمین قید خانے کے بے درا ور تاریک باتھ روم کے مقابلے میں ہوٹل کا کشادہ باتھ روم ایک نعمتِ غیر مترقبہ کے مترادف تھا۔ میں دیر تک پانی کی تیز دھاروں میں نہاتا رہا۔ لباس تبدیل کر کے میں باہر نکلا تو گرم گرم کھانا میرا منتظر تھا۔

"آپ کے ساتھ جو کچھ ہوا' اس نے میرے اوسان خطا کر دیے۔ وہ آپ کو کیوں لے گئے تھے؟" کھانے کے دوران غزالہ نے پوچھا۔

"یہ ہونا ضروری تھا۔ نہ ہوا ہوتا تو مجھے بے چینی سے ان کی آمد کا انتظار رہتا۔ دن میں' میں ان سے ملا۔ رات کو ہر طرف تباہی پھیل گئی۔ کسی بھی سبب اور ثبوت کے بغیر ان کا میری طرف متوجہ ہونا ناگزیر تھا۔"

"آپ نے مجھ سے ذکر نہیں کیا کہ آپ ان کی طرف سے کسی کارروائی کا انتظار کر رہے تھے۔" غزالہ نے شکوا کیا۔

"میں ایسی باتیں بتا کر تمہیں ہراساں نہیں کرنا چاہتا تھا مگر میں ذہنی طور پر پوری طرح تیار تھا۔ میری سنائی ہوئی کہانی میں کہیں ذرا بھی جھول ہوتا تو وہ مجھے عقوبتوں میں مبتلا کر کے سچ اگلوانے کے جنون میں مبتلا ہو جاتے۔"

"مجھے اس وقت یہ واقعات ایک بھیانک خواب کی طرح محسوس ہو رہے ہیں۔" وہ پھریری لے کر سرگوشیانہ آواز میں بولی "آپ نے ان سے جو کچھ بھی کہہ دیا ہو' حقائق اپنی جگہ برقرار رہیں۔ سارا منصوبہ آپ کا تھا' اس پر عمل بھی آپ نے ہی کیا پھر ان کی آنکھوں میں دھول جھونکنے میں کیسے کامیاب ہو گئے۔"

"میرے جانے کے بعد سے تم نے یہ کمرا خالی تو نہیں چھوڑا تھا؟" میں نے چونک کر غزالہ سے سوال کیا۔

"میں نے ایک لمحے کے لیے بھی یہاں سے باہر قدم نہیں نکالا۔" اس نے یقین دلایا پھر کہا "آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں۔"

"دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ راوا لے ہمارے کمرے میں بگ لگا سکتے ہیں۔ صدیوں پرانا محاورہ اس دور میں سچ ثابت ہو رہا ہے۔ یہ یاد رکھنا کہ آئندہ ہم ان واقعات کے بارے میں کوئی بات نہیں کریں گے۔ جو کچھ پوچھنا ہے اسی وقت پوچھ لو۔"

"مجھے آپ کی واپسی پر بے حد خوشی ہے مگر مجھے یہ جاننے کی خواہش ضرور ہے کہ آپ نے انہیں کیسے مطمئن کر دیا۔"

"یہ سب انسانی نفسیات اور حاضر دماغی کا کھیل تھا۔" میں نے اپنے منہ میں موجود لقمہ نگلنے کے بعد کہا "سب سے پہلی اور مضبوط حقیقت یہ تھی کہ چور کے پاؤں نہیں ہوتے۔ ہم دونوں کی ہوٹل واپسی ہماری بے گناہی کی سب سے بڑی دلیل تھی۔ را کے حلق میں ہاتھ ڈالنے کے بعد کوئی بھی یوں منظرِ عام پر رہنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ نریش کے دفتر کے واقعے میں میرا کوئی حصہ ہوتا تو مجھے فوراً روپوش ہو جانا چاہیے تھا۔"

"یہی بات ہے تو وہ آپ کی طرف کیوں متوجہ ہوئے؟" وہ بولی "آپ کی ہوٹل میں موجودگی کا یقین کر لینے کے بعد انہیں خاموش رہنا چاہیے تھا۔"

"وہ بہت بڑی واردات ہے اور یہ ان کا ملک ہے۔ یہاں وہ بے پناہ اختیارات کے مالک ہیں۔ وہ کسی چھوٹے سے چھوٹے امکان کو بھی نظرانداز نہیں کر سکتے تھے پھر انہیں یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ ہم ہوٹل چھوڑنے کے بعد منہ اندھیرے دوبارہ یہاں واپس آئے ہیں۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"ہوٹل سے ہماری طویل غیر حاضری ہمیں مشکوک بنانے کے لیے بہت کافی تھی۔ مجھے اس بارے میں پریشانی تھی۔"

میں نے جو کچھ نریش کو بتایا تھا اختصار سے غزالہ کے سامنے دہراتے ہوئے کہا "یہ واقعی بہت مشکل کام تھا۔ اس نے میرے کمرے سے اپنا کارڈ ملنے کی بات کر کے مجھے دھوکا دینا چاہا۔ وہ میرے اعتماد کو متزلزل کرنے کی ہر کوشش کر رہا تھا۔ میں نے وہ کارڈ خود ضائع کیا تھا اس لیے اپنی بات پر اڑ گیا۔ شاید وہ دوسرا نکتہ تھا جس نے نریش کے دل میں میرے لیے نرم گوشہ پیدا کر دیا ورنہ وہ بہت خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔"

"یہ بات آپ نے پہلے سے سوچی ہوئی تھی اور اسی لیے نریش کا کارڈ تلف کر دیا تھا!" اس نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا "میرا ذہن مسلسل کام کر رہا تھا۔ مجھے ان لوگوں کے سامنے اپنی صفائی پیش کرنے کا صرف ایک موقع ملنا تھا۔ میں اس موقع پر کہیں بھی لڑکھڑاتا تو وہ مجھے بری طرح پھانستے چلے جاتے۔ مجھے خوشی ہے کہ میرا ہوم ورک کامیاب رہا۔"

"اب ہمارے لیے میدان صاف ہو چکا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"میرا دل یہی کہتا ہے۔ نریش پوری طرح مطمئن نہ ہوتا تو مجھے کسی قیمت پر واپس آنے کی اجازت نہ دیتا۔ اس نے مجھ پر اپنا دباؤ برقرار رکھنے کے لیے ہدایت کی ہے کہ میں اس کی طرف سے اجازت کے بغیر دہلی نہیں چھوڑوں گا۔"

غزالہ کچھ اداس ہو گئی۔ راؤ والوں پر وار کرنے کے بعد مجھے دہلی سے وحشت ہونے لگی ہے۔ میں جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتی ہوں۔"

"میں بھی اپنی خوشی سے یہاں نہیں رکا۔ حالات اور مصلحتوں نے مجھے مجبور کیا ہوا ہے۔ وقت اور حالات کسی کی خواہشوں کے اسیر نہیں ہوتے۔ ان کے آگے انسان کو جھکنا پڑتا ہے ورنہ وہ کہیں کا نہیں رہتا۔"

"آج کے اخبار میں کچھ بھی نہیں ہے۔ شاید دیر سے سامنے آنے والے واقعات اخباروں میں جگہ نہیں پا سکے۔"

"لیکن ان کے اثرات نمایاں ہیں۔ جب وہم و گمان سے باہر کے واقعات اچانک رونما ہونے لگتے ہیں تو بڑے بڑے قابل افسروں کی انتظامی صلاحیتیں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں اور وہ بدحواسیوں کے مظاہرے کرنے لگتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ضمیمے آ گئے ہوں ورنہ شام کے اخبار سنسنی خیز کہانیاں چھاپیں گے۔ افسرانہ بدحواسیوں نے اب تک شہر میں خوف و ہراس پھیلا دیا ہو گا۔ واپسی پر مجھے ہوٹل کی لابی خالی خالی نظر آئی تھی۔"

باتوں ہی باتوں میں ہم دونوں کھانے سے فارغ ہو گئے۔ میں نے بستر پر لیٹ کر سگریٹ سلگائی تو مجھے راکا دس سال پرانا قیدی یاد آ گیا۔

"تمہارا کیا خیال ہے۔" میں نے کچھ سوچتے ہوئے غزالہ سے پوچھا "دہلی میں رہ کر ہم نے اب تک کیا قربانیاں دی ہیں۔"

"قربانیاں تو شاید نہیں دیں لیکن بہت بڑی کامیابیاں ضرور حاصل کی ہیں۔ این کاویل آپ کی مرضی کے خلاف یہاں آئی تھی۔ اس نے بھی ہم سے الگ رہنے کے باوجود بھرپور انداز میں ہمارا ساتھ دیا ہے۔"

"ہم ایک دوسرے کی قصیدہ خوانیاں کر کے اپنی دنیا میں مگن رہتے ہیں مگر آج میں راکے عقوبت خانے میں ایک ایسے پاکستانی قیدی سے ملا ہوں جسے دیکھ کر مجھے اپنی کامیابی ہیچ نظر آنے لگی ہے۔ وہ عزم اور حوصلے کی ایک ناقابلِ شکست چٹان ہے۔"

"اس نے آپ کو متاثر کیا ہے تو وہ ضرور کوئی بڑا آدمی ہو گا۔" غزالہ کی آنکھوں میں اشتیاق ابھر آیا۔

"مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ پاکستانی ہے۔ وہ دس سالوں سے راؤ والوں کی قید میں ہے۔ ان کا ذہنی اور جسمانی تشدد سہہ رہا ہے۔ ان کی بربریت کے سبب اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا ہے مگر اس نے اپنے سینے میں دفن کوئی راز اگل کر نہیں دیا۔ ایک چٹان کی طرح اپنی جگہ جما ہوا ہے۔"

"ہمیں اس پاکستانی کی عظمت کو سلام کرنا چاہیے۔" غزالہ نے دھیمے سے کہا "اس نے اپنے بارے میں آپ کو کچھ تو بتایا ہو گا۔"

"وہ اپنے بارے میں کچھ بتانے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔ نریش کہتا ہے کہ وہ آئی ایس آئی کا کوئی جونیئر کمیشنڈ آفیسر ہے۔ اپنے تشدد سے اس کا ذہنی توازن بگاڑنے کے بعد اب وہ اس کا علاج کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"ہمارا ملک ایسے ہی لوگوں کی قربانیوں سے زندہ ہے ورنہ ہماری صفوں میں ملک کو لوٹنے اور بگاڑنے والوں کی بھی کمی نہیں ہے۔"

غزالہ بالکل درست کہہ رہی تھی۔ پاکستان ہمیشہ قائم رہنے کے لیے بنایا گیا تھا لیکن کچھ لوگ ایسے تھے جو روزِ اوّل

Downloaded from https://paksociety.com

سے اس کے خلاف تھے۔ انہوں نے اپنے سارے وسائل بروئے کار لاکر ہر طرف مایوسیوں کا ایسا زہر پھیلایا تھا کہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد حبِ وطن کو خیرباد کہہ کر آندھی کے بیرلوٹنے میں مصروف ہوگئی تھی۔

وہ ایک قومی المیہ تھا جس کے انسداد کے لیے بہت سی سطحوں پر کوششیں کی جارہی تھیں لیکن کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو کسی تحریص، ترغیب یا لالچ کے بغیر اپنی ذات میں ڈوب کر اس مشق کو خاموشی سے آگے بڑھا رہے تھے۔ ان میں را کے قیدی کا نام سرفہرست تھا۔

میری وہ کلیج را والوں نے برباد کردی تھی۔ کچھ دیر قیلولہ کرنے کے بعد میں نے اخبار سنبھال لیا۔

اخبار کی تہیں بتا رہی تھیں کہ کسی نے اسے کھولنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ غزالہ بستر چھوڑتے ہی ذہنی پراگندگی کا شکار ہوگئی تھی۔ اس نے شاید اخبار کے بیرونی صفحات دیکھ کر اسے ایک طرف ڈال دیا تھا۔ پچھلی رات دہلی میں جو واقعات رونما ہوئے تھے۔ وہ اخبارات کے پہلے صفحے پر جگہ پانے کے مستحق تھے کوئی احمق اور نو آموز صحافی بھی ان کی اہمیت کو گھٹانے میں کامیاب نہیں ہوسکتا تھا۔ اخبار میں واقعی ان واقعات کا کوئی تذکرہ نہیں تھا۔

میں اخبار کی ورق گردانی کرتا رہا پھر اندر کے قومی صفحات پر ایک چنگھاڑتے ہوئے عنوان نے میری توجہ اپنی جانب مبذول کرالی۔

قومی عزت نیلام گاہ پر۔ وہ اس تصویری فیچر کا عنوان تھا۔ اس کے نیچے کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے نام کے آگے سوالیہ نشان بنا ہوا تھا۔

وہ ایک تصویری اور تیز و تند فیچر تھا جس میں عابد علی عرف گوپال کے منصوبے کے مطابق نہایت بے رحمی سے اکیڈمی کے چیتھڑے اڑائے گئے تھے۔

مضمون پڑھنے سے قبل میں نے متعلقہ تصاویر کا جائزہ لیا۔ وہ ان مظلوم لڑکیوں کی تصاویر تھیں جو باعزت روزی کمانے کا عزم لے کر تربیت کے لیے کلاسیکل ڈانس اکیڈمی میں داخل ہوئیں اور را کے بعض عیاش طبع افسروں کی جنسی آزمائشوں کا نشانہ بننے کے بعد در بدر ہوگئیں کیونکہ ان افسروں نے ان لڑکیوں کو اپنے مقاصد کے لیے مسترد کردیا تھا۔ وہ تینوں لڑکیاں اپنی تربیت مکمل کرسکیں نہ را کے معیار پر پوری اتر سکیں اور پیٹ کا جہنم سرد کرنے کے لیے دنیا کے اس قدیم ترین کاروبار کا ایک حصہ بن گئیں جس میں ذاتی زینت و آرائش کے سوا مزید کسی سرمایہ کاری کی ضرورت نہیں ہوتی۔

وہ تینوں کال گرلز دہلی میں مقیم تھیں لیکن ان کا تعلق بھارت کے دور دراز علاقوں سے تھا۔ فیچر کے ساتھ رینا اجیت رائے یا کسی ایسی لڑکی کی تصویر نہیں تھی جو باقاعدگی سے را کے لیے کام کررہی ہو۔

میں نے پوری توجہ سے وہ باتصویر اخباری فیچر پڑھ ڈالا۔ مجھے یہ دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ اس میں نام لیے بغیر سرکاری ایجنسیوں کا گھناؤنا کردار بیان کیا گیا تھا۔ کسی خوف کے باعث کھل کر را کا نام لینے سے پرہیز کیا گیا تھا۔

سوالات وہی اٹھائے گئے تھے جو ہمارے ذہنوں میں ابھرے تھے۔ بھارت کے قدیم ثقافتی ورثے کے فروغ کے نام پر بعض اہم سرکاری افسران ہندو قوم کی عزت و آبرو سے کھیل رہے تھے۔ ان کے لیے عزت و حمیت کا کوئی وجود نہیں تھا۔ ان کے چنگل میں پھنسی ہوئی دلکش اور نو عمر بھارتی لڑکیاں اہم غیر ملکی شخصیات اور خاص طور پر پاکستانیوں کا دل بہلانے پر مجبور تھیں۔ وہ بے غیرتی کی انتہا تھی۔ دہلی کے ایک صاف ستھرے علاقے میں وہ گندہ کھیل کس کے ایما پر کھیلا جارہا تھا۔

کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے طریقہ واردات کے بارے میں وہ ساری تفصیلات فیچر میں سمو دی گئی تھیں جو رینا کے ذریعے میرے اور پھر عابد کے علم میں آئی تھیں۔ ان کی جزئیات میں کمی بیشی ہوگئی تھی مگر خلاصہ وہی تھا۔

میرا خیال تھا کہ بھارت میں صحافیوں کو بہت زیادہ آزادی حاصل تھی۔ وہ پوری بے خوفی کے ساتھ حقائق بیان کرسکتے تھے مگر اس فیچر نے ان کی مجبوریوں اور را کی دہشت کی پول کھول دی تھی۔ اخبار نویسوں کی پیشہ ورانہ مجبوریوں کے پیش نظر تالاب میں پھینکا جانے والا وہ پہلا پتھر بہت وزنی تھا جس کی پیدا کی ہوئی ہلچل پر آسانی سے قابو پانا ممکن نہیں تھا۔ اس رپورٹ میں را کا نام نہ ہونے کے باوجود بہت کچھ واضح تھا۔ بھارت کے باخبر حلقے آسانی سے اندازہ لگا سکتے تھے کہ اس رپورٹ میں بھارت کی کس خفیہ ایجنسی کے سیاہ کرتوتوں کا ذکر کیا گیا تھا۔

بھارت میں راوالوں کے لیے برے وقت کا آغاز ہوچکا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ بھارت کا ایک قومی ادارہ تھا جس کی سرگرمیوں میں خلل انداز ہونا کسی حکومت کے بس میں نہیں تھا لیکن رائے عامہ کے دباؤ کے تحت ان کے لیے مشکلات پیدا ہوسکتی تھیں۔ ان کی بے لگام آزادیاں محدود ہوسکتی تھیں اور ساکھ تو یقیناً مجروح ہونا ہی تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

میں نے پورا فیچر پڑھ کر اخبار ایک تپائی پر ڈال دیا۔

جب تک گنبھیر مسائل سر اٹھائے کھڑے تھے۔ مجھے بیم گن سمیت اپنے ہر ہتھیار سے خوف آرہا تھا لیکن مطلع قدرے صاف ہونے کے بعد مجھے شدت سے سی ایس ڈی کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی اس آلے کی موجودگی میں، میں سرلا کے گیسٹ ہاؤس میں سنیل یا ولی رام سے رابطہ کر کے بہت کچھ معلوم کر سکتا تھا۔

سی ایس ڈی، بیم گن اور اپریٹس غزالہ کے کمرے میں چھپائے گئے تھے۔ وہ کمرا بکنگ کے بعد سے غیر آباد اور مقفل تھا۔ یہ فرض کر لینا حماقت سے کم نہ ہوتا کہ راوالے ہوٹل میں غزالہ کے نام پر الگ کمرے کی بکنگ سے بے خبر ہوں گے۔

نریش کو ہوٹل سے ہماری روانگی اور دوبارہ آمد کا علم تھا تو وہ بات بھی اس سے چھپی ہوئی نہیں رہ سکی ہوگی۔ صبح سے راوالوں کو کافی وقت مل چکا تھا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ انہوں نے اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر غزالہ کے کمرے میں خفیہ صوتی اور تصویری آلات نہ چھپا دیے ہوں۔ اگر ایسی کوئی کارروائی کی گئی تھی تو پھر ہمیں بہت محتاط رہ کر اس کمرے میں داخل ہونا تھا۔ مجھے امید تھی کہ اس کمرے کا باتھ روم خفیہ کیمرے کی محدود رینج سے ہر حال میں محفوظ ہوگا۔

○☆○

عابد علی بروقت ائر پورٹ پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔

امرتسر ایک حساس سرحدی شہر تھا۔ وہ میرے جعلی نام پر بنے ہوئے ٹکٹ پر وہاں کا سفر کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ اس نے ائرلائن کے کاؤنٹر سے رجوع کیا تو چھ بجے والی پرواز پر نشستیں دستیاب تھیں۔

وہ بھارت میں گوپال کے نام سے رہ رہا تھا۔ اس نے اسی نام سے ٹکٹ بنوالیا۔

آئی بی کے وہ تینوں آدمی بھارت میں ہر وقت خطرات کی زد میں تھے اس لیے بعض بنیادی ضرورتوں سے ہر وقت لیس رہتے تھے۔ عابد کی کار میں ضرورت کی متفرق چیزوں سے بھرا ہوا ایک بریف کیس موجود تھا۔ اس نے اپنی گاڑی ائرپورٹ کے مخصوص حصے میں پارک کرنے کے بعد وہ بریف کیس خالی کیا اور گیارہ فائلوں کا شاپنگ بیگ اسی طرح بریف کیس میں ڈال لیا تھا۔

گنتی کے اعتبار سے فائلوں کی تعداد زیادہ تھی مگر وہ بہت وزنی نہیں تھیں۔ ٹکٹ بنوانے کے بعد عابد پر ایک نئی فکر سوار ہوگئی۔ اگر وہ بریف کیس کو دستی سامان کی صورت میں اپنے ساتھ لے جاتا تو بریف کیس کو اسکیننگ مشین سے گزارا جاتا۔ اگر راکا کوئی لیٹر ہیڈ مشین کی اسکرین پر واضح ہو جاتا تو عابد کے لیے پریشانی پیدا ہو سکتی تھی۔ الیکٹرونک مشین کی جانچ پڑتال سے بچنے کا واحد طریقہ یہ تھا کہ وہ بریف کیس کو دستی سامان کے طور پر لے جانے کے بجائے مقفل کر کے بورڈنگ کاؤنٹر پر دے دیتا۔ اس طرح وہ بریف کیس سرسری دیکھ بھال کے بعد دہلی سے امرتسر پہنچ سکتا تھا۔

اس متبادل طریقے میں خرابی یہ تھی کہ بریف کیس کا وزن کم ہونے کی وجہ سے کاؤنٹر کا عملہ شک و شبے میں پڑ جاتا۔ ہوائی سفر کرنے والے مسافروں میں یہ رجحان عام ہے کہ وہ منزل پر پہنچ کر سامان کے انتظار میں وقت برباد کرنے کے بجائے قدرے بھاری سامان بھی اپنے ساتھ کیبن میں لے جانے کو ترجیح دیتے ہیں۔ یوں وہ جہاز سے اترتے ہی ائرپورٹ سے باہر نکلنے کے لیے آزاد ہوتے ہیں۔

عابد کا ہلکا اور اکلوتا بریف کیس سامان کے طور پر وصول ضرور کر لیا جاتا لیکن پھر اس کی خصوصی پڑتال ضرور ہوتی۔ خاصے تذبذب کے بعد عابد نے وہ بریف کیس اپنے ساتھ لے کر سفر کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

تلاشی کے مرحلے پر جب اس کا بریف کیس مشین سے گزارا گیا تو وہ متجسس ہو کر پہلے سے ایسے مقام پر پہنچ گیا جہاں سے اسکرین اسے نظر آتی رہے۔ اسکرین پر مختلف اشیا کے دھندلے خاکے نظر آئے۔ اس کے بریف کیس کے اندر ایک چوکور خانے کے سوا کچھ نہیں تھا۔ بریف کیس مشین سے گزر کر پٹے پر چلتا ہوا اس کے سامنے آگیا۔ اس نے وہ مرحلہ سر ہونے پر اپنے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا اور لاؤنج کی طرف چل دیا۔

وہ عابد کے سفر کا اہم ترین مرحلہ تھا جو آسانی سے سر ہوگیا۔

ساڑھے آٹھ بجے عابد امرتسر کے کوئنز روڈ پر پہنچ چکا تھا۔ میں نے اسے بتا دیا تھا کہ پچھلی بار وہ ایگزائل ہوٹل میں ٹھہری تھی۔

امرتسر میں زندگی کی رونق اور چہل پہل شروع ہو چکی تھی۔ پوری، پراٹھوں، دودھ، لسی کی دکانیں اور ہوٹل وغیرہ کھل گئے تھے لیکن بازار بند پڑے ہوئے تھے۔ اس نے ایک دکان پر رک کر سگریٹ کا پیکٹ خریدا اور سرسری انداز میں سوال کیا تو اسے پتا چلا کہ دہلی سے رات کو روانہ ہونے والی آخری ٹرین کافی دیر پہلے امرتسر پہنچ چکی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ ٹرین کا سفر کتنا ہی آرام دہ کیوں نہ ہو، تھکا دینے والا ہوتا ہے۔

Downloaded from https://paksociety.com

ویرا امرتسر پہنچ چکی تھی تو سڑکوں پر ماری ماری پھرنے کے بجائے آرام کی غرض سے ہوٹل کی طرف ہی گئی ہوگی۔

وہ سگریٹ سلگا کر گرانڈ ہوٹل کی طرف چل دیا۔

یہ ہر سیاح اور مسافر کی فطرت ہوتی ہے کہ وہ اجنبی شہر میں نئے تجربات کا خطرہ مول لینے کے بجائے پرانے تجربے سے استفادہ کرتا ہے۔ اس توقع پر عابد نے گرانڈ ہوٹل میں اپنے لیے ایک کمرا لیا تاکہ ہوٹل میں زیادہ دیر تک اپنی موجودگی کا جواز پیدا کرسکے۔

پہلے اس نے ارادہ کرلیا کہ بریف کیس کو کمرے میں محفوظ کرکے ہوٹل کی رہائشی منزلوں کا چکر لگاتا ہوا دوبارہ ہال میں آبیٹھے لیکن پھر اس نے وہ ارادہ ترک کردیا۔ یہ ممکن تھا کہ ویرا نیچے آنے کے بجائے اپنے کمرے میں پڑی آرام کرتی رہتی اور وہ ہال میں بیٹھا مکھیاں مارتا رہتا۔

اسے بنکو کی ہر حال میں ضرورت تھی۔ اس نے اپنی ڈائری دیکھ کر ایک مقامی نمبر ملایا۔ دوسری طرف ایک معمر آدمی تھا۔

"مجھے بنکو سے ضروری کام ہے۔ کیا تم اسے بلا سکتے ہو؟" عابد نے نرمی سے کہا۔

"صبح صبح کیا کام پڑ گیا اس سے۔ ابھی تو وہ سویا ہوا ہوگا۔ تھوڑی دیر بعد فون کرلینا۔ میں اسے بلاتا ہوں۔" ناگواری سے جواب دے کر فون بند کردیا گیا۔

بنکو امرتسر میں آئی بی کا خاص آدمی تھا جو اپنے اپریٹس پر کسی بھی وقت ان کے لاہور آفس سے رابطہ کرسکتا تھا۔ ویرا کے ساتھ اہم ترین بھارتی فائلوں کی روانگی کی اطلاع جلال تک پہنچانے کے لیے بنکو سے ملنا ضروری تھا۔ وہ پرانا مقامی آدمی تھا۔ ذرا سی دیر میں معلوم کرسکتا تھا کہ دہلی سے آئی ہوئی ایک میم شہر کے کس ہوٹل میں ٹھہری ہے۔

بنکو اپنی آمدنی کے لیے الٹے سیدھے دھندے کرنے کا عادی تھا لیکن دنیا دکھاوے اور شوق کے لیے غیر ملکی سیاحوں خصوصاً عورتوں کو شہر کی سیر کرانے کے لیے امرتسر کے اچھے ہوٹلوں کے چکر لگاتا رہتا تھا۔ اس کے ہر سوال کا جواب کسی عذر یا شبہے کے بغیر مل سکتا تھا۔

پندرہ منٹ بعد عابد نے دوبارہ اسے فون کیا۔ ابتدا میں اس کا لہجہ سخت اور کھردرا تھا۔ عابد کا کوڈ سن کر وہ راہ پر آگیا "گرانڈ ہوٹل آؤ اور یہ معلوم کرتے آنا کہ این کا ویل کہاں ٹھہری ہے۔ وہ صبح کی ٹرین سے یہاں پہنچی ہے۔ میں یہاں گوپال کے نام سے ٹھہرا ہوا ہوں۔"

"این کا ویل؟" اس کی آواز سے حیرت ظاہر ہو رہی تھی "یہ کون ہے؟"

"اسے کچھ دن پہلے تم ایک اور جوڑے کے ساتھ لائے تھے۔ وہ گرانڈ میں ہی ٹھہری تھی۔" عابد نے اسے یاد دلایا۔

"بہت زوردار اور مست عورت ہے۔ میں ابھی تیار ہو کر نکلتا ہوں۔" یادداشت تازہ ہونے پر وہ لفنگا نوش ہوگیا "کیا اسے واپس بھی پہنچانا ہے۔"

"نہیں۔" عابد نے اس کی امیدوں پر اوس ڈال دی "وہ ٹرین سے جائے گی۔ اس سے ملنا بہت ضروری ہے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ بنکو ہر حال میں خوش رہنے والا آدمی ہے۔ تم سے کچھ نہ کچھ مال تو مل ہی جائے گا۔"

فون کا سلسلہ موقوف ہوگیا۔ عابد اپنا ایک اہم کام کرچکا تھا۔ کمرے میں بند رہ کر اپنا وقت ضائع کرنے کے بجائے وہ نیچے چل دیا۔ نئے شہر اور وہاں کے رہنے والوں کے نت نئے طور طریقے اسے ہمیشہ سے بہت پسند تھے۔

وہ نہایت دلچسپی سے گردوپیش کا جائزہ لیتے ہوئے چائے پی رہا تھا کہ بنکو آپہنچا۔ اس سے عابد علی کی کافی مدت پہلے ایک سرسری ملاقات ہوئی تھی لیکن دونوں نے پہلی نظر میں ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ بنکو ہاتھ ہلا کر کاؤنٹر پر رک گیا۔ وہاں بیٹھے ہوئے سردار سے چند سیکنڈ گفتگو کرنے کے بعد وہ عابد کی میز پر آگیا۔

"وہ بائیس نمبر کمرے میں ہے۔" اس نے عابد سے گرم جوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے انکشاف کیا۔

"ویری گڈ!" عابد خوش ہوگیا۔ وہ اسی ہوٹل میں ہوتے ہوئے ویرا کا سراغ نہیں لگا سکا تھا۔ بنکو نے لمحہ بھر میں وہ مسئلہ حل کردیا تھا۔

وہ دونوں چائے نوشی کے دوران گپ شپ کرتے رہے۔ بنکو سے پتا چلا کہ اس روز امرتسر سے لاہور کے لیے ٹرین تیسرے پہر روانہ ہونے والی تھی۔ عابد کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ وہ اپنا اپریٹس ساتھ ہی لایا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں اٹھ گئے اور عابد کے کمرے کی طرف چل دیے۔

کمرے میں پہنچتے ہی بنکو نے اپنی جیب سے مختصر سا اپریٹس نکال کر عابد کے حوالے کیا اور خود اطمینان سے ایک کرسی پر ڈھیر ہوگیا۔

عابد.... کمرے کی کھلی ہوئی عقبی کھڑکی کے قریب گیا اور اور اپریٹس آن کرکے اپنا پیغام نشر کرنے لگا "الفا کالنگ فار ایس او ایس.... اوور!"

ان لوگوں کا وہ ایمرجنسی کوڈ تھا۔ اگلے ہی لمحے جواب

Downloaded from https://paksociety.com